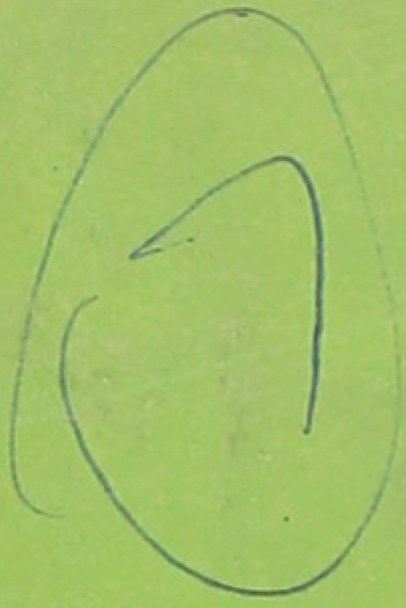


سنجوگ

رابندر ناتھ ٹیگورؔ

سنجوگ گورودیو کے آخری ناولوں میں سے

ہے جس میں بنگالیوں کی بورژوا سماجی زندگی کا اندرونی

نقشہ ملتا ہے۔ اس میں مٹتی ہوئی جاگیردارانہ طاقتوں اور

نئے سرمایہ دارانہ طبقہ کی جدوجہد، غرور اور روایتی اخلاق

کی کہانی ملتی ہے۔ اپنی کدوکاوش سے دولت کما کر رئیس بننے

والا غیر مہذب، بدتمیز لکھپتی مدھوسودن اور اُس کی بیوی

جو زوال پذیر نظام زندگی کی بہترین خصوصیات کی حقیقی

نمائندہ ہے۔ یہ دو بالکل مختلف کردار حالات کی ناقابل

عبور لہروں میں قریب آنے کے لئے مجبور ہو جاتے ہیں

اور آپس میں ٹکرا جاتے ہیں۔ اس ٹکر سے پیدا ہونے والی

روایتی قدروں کی شکست اس بہترین کلاسک کو مقدس

رحمدلی کی خوب صورتی سے مالا مال کر دیتی ہے۔

کردار نگاری کے باریک فن اور اس دور کی

مصوری کی وجہ سے 'سنجوگ' ہندوستانی ادب کی

ایک ناقابل فراموش تخلیق ہے۔

سنجوگ

سنجوگ

رابندر ناتھ ٹیگور

مُترجم

رضا مظہری



ساہتیہ اکادمی، نئی دہلی

Sanjog : urdu translation by Raza Mazhari (S.A.R. Kazmi) of Rabindranath Tagor's Bengali novel, *Jogajog*. Sahitya Akademi, New Delhi (Second edition : 1981) .Price Rs 25/-

ساہتیہ اکادیمی، نئی دہلی

پہلا ایڈیشن ۱۹۶۲ء

دوسرا ایڈیشن ۱۹۸۱ء

وشوا بھارتی پرکاشن کے اشتراک سے یہ ایڈیشن

شائع ہوا

قیمت : پچیس روپیہ

جے۔ کے آفسٹ پرنٹرز، نئی دہلی

پہلا باب

اساڑہ کی ساتویں تاریخ ہے۔ آج ابھی ناش گھوشال کی سالگرہ کا دن ہے۔
آج اس کی عمر بتیس سال کی ہوگئی۔ صبح سے مبارکبادی کے تار اور پھولوں کے
گلدستے برابر آتے ہی جا رہے ہیں۔

کہانی کا آغاز یہی ہے۔ مگر اس آغاز کی بھی ایک ابتداء ہے۔ شام کو چراغ
جلانا ہو تو اس کے لئے فلیتہ صبح ہی سے تیار کیا جاتا ہے۔

اس کہانی کے تاریخی پس منظر پر نگاہ ڈالی جاتی ہے، تو یہ پتہ چلتا ہے کہ
ایک زمانے میں گھوشال خاندان سُندربن کے علاقے میں آباد تھا۔ پھر اسکے بعد ضلع
ہوگلی میں آبسا۔ لیکن یہ معلوم نہیں کہ ایسا کیوں ہوا۔ پرتگالیوں کے بیرونی خوف سے
یا سماج کے اندرونی دباؤ سے۔ جو لوگ حالات سے مجبور ہو کر اپنا پُرانا گھر چھوڑنے
کی جراءت کرتے ہیں، نیا گھر بنانے کی ہمتِ مردانہ بھی وہی کر سکتے ہیں۔ گھوشال خاندان
کی تاریخ سے بھی یہی پتہ چلتا ہے۔ ابتدا میں ان کے پاس وافر زمینیں، بے شمار مویشی
نوکر چاکر، رعیت پرجا، مکان، باغ، غرض یہ کہ کافی ذرائع آمد و خرچ تھے۔ آج بھی
ان کے پُرانے گاؤں شیواگلی میں تقریباً دس بیگھہ رقبہ کا ایک تالاب "گھوشال دگھی"
کے نام سے موجود ہے، جو سوار اور کچوری پاتا کی لتاؤں سے ڈھکا ہوا، اُندھے ہوئے

گلے سے بزبانِ حال، اپنی عظمتِ رفتہ کا افسانہ سنا رہا ہے۔ اس تالاب پر اب صرف گھوشال خاندان کے نام کا نشان ہی باقی ہے، ورنہ اس کے پانی پر قبضہ چیٹر جی خاندان کے زمینداروں کا ہے۔ اس خاندان کو اپنی آبائی شان و شوکت کو کب اور کیوں خیرباد کہنی پڑی، اس کا پتہ لگانا ضروری ہے۔

اِن لوگوں کی تاریخ کے وسطی دور میں رخنے اُس وقت نظر آتے ہیں جب ان سے اور چیٹر جی خاندان کے زمینداروں سے کھٹ پٹ شروع ہوتی ہے۔ پھر یہی کھٹ پٹ ایک دن زمیندارانہ رقابت کی حد سے نکل کر پُوجا کے متعلق جھگڑے کی صورت میں رونما ہوئی۔ ایک سال پُوجا کے موقعہ پر گھوشال خاندان والے چیٹر جی خاندان والوں کی مُورتی سے دو ہاتھ بڑی مورتی بنانے کی جراٴت کر بیٹھے۔ چیٹر جی گھرانے نے بھی جواب دیا۔ مورتی جس راستے سے گزرتی تھی اسی راستے پر راتوں رات کئی جگہ ایسے گیٹ بنا دیئے کہ گھوشال والوں کی مورتی بغیر سر جھکائے نہ گزر سکے۔ اونچی مورتی والوں نے گیٹ توڑ گرانے پر کمر باندھی۔ نیچی مورتی والوں نے ان کے سر توڑنے کے لئے لاٹھی تانی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس سال دیوی کو خون کی بھینٹ مقررہ مقدار سے کہیں زیادہ ملی۔ فوجداری جی کھول کے ہوئی۔ اور معاملہ گھوشال خاندان کی تباہی پر آکر رکا۔

آگ تو بجھی مگر لکڑی بھی باقی نہ رہی۔ جل کر راکھ کا ڈھیر ہوگئی۔ چیٹر جی خاندان کی لکشمی کا چہرہ بھی فق ہوگیا۔ عارضی صلح سے جنگ تو رُک جاتی ہے، مگر امن و اطمینان حاصل نہیں ہوتا۔ جو لڑتے رہتے ہیں وہ بھی اور جو گر چکے ہوتے ہیں وہ بھی دونوں ہی اپنے اپنے دل میں کپکپی محسوس کرتے رہتے ہیں۔ چیٹر جی خاندان نے گھوشال خاندان پر آخری وار سماج کے مورچہ سے کیا۔ چاروں طرف یہ افواہ پھیلادی کہ گھوشال خاندان والے دراصل کم ذات برہمن تھے۔ یہاں آکر انہوں نے اپنی اصل چھپادی ہے

کیچوے نے سانپ کی کینچلی پہن لی ہے۔

جن لوگوں نے اس افواہ کو ہوا دی ان کے گلے کو روپے نے زور پہونچایا۔ اس لئے برہمنوں کے محلے میں بھی ان لوگوں کے اس راگ میں کلی پھندنے لگنے شروع ہوئے۔ اس کلنک کو مٹانے کے لئے گھوشال والوں کے پاس اس وقت نہ تو اپنی شرافت کا ثبوت فراہم کرنے کی قوت تھی نہ نذرانہ مہیا کرنے کی طاقت۔

اس لئے برہمن برادری کی اس فتنہ انگیزی سے تنگ آکر، گھوشال خاندان کو دوسری بار گھر بار چھوڑ کر جلاوطنی اختیار کرنی پڑی۔ رجب پور میں آکر ایک جھونپڑا کھڑا کرنا پڑا۔

مارنے والے بھول جاتے ہیں۔ مار کھانے والے آسانی سے نہیں بھول سکتے لاٹھی ان کے ہاتھ سے گر پڑتی ہے، مگر دل ہی دل میں وہ لاٹھی گھماتے رہتے ہیں۔ یہ خیالی لاٹھی گھوشال خاندان والے ایک مدت سے نسلاً بعد نسلٍ گھماتے رہے۔ کب کب اور کس کس طرح ان لوگوں نے چیٹرجی خاندان والوں کو زک دی تھی، اسکے متعلق جھوٹی سچی روائتیں آج بھی ان کے گھرانے میں پوٹ کی پوٹ جمع ہیں۔ پھوس کے ٹوٹے پھوٹے چھپروں کے نیچے اساڑھ کی شاموں میں آج بھی لڑکے حیرت سے منہ کھولے ان روائیتوں کو سنتے نظر آتے ہیں۔ مثلاً کس طرح چیٹرجی گھرانے کا مشہور پہلوان داسو سردار ایک رات سو رہا تھا۔ کہ دفعتاً بیس پچیس لاٹھی والوں نے اسے آگھیرا اور اسے گھوشال گھرانے کی کچہری تک کھینچ لائے اور پھر اس کو اس طرح غایب کر دیا کہ پتہ ہی نہ لگا۔ یہ روایت سو سال سے گھوشال خاندان میں سینہ بہ سینہ چلی آرہی تھی۔ پولیس جب خانہ تلاشی کرنے آئی تو بھوبھن بنسو اس نائب نے صاف صاف کہہ دیا" ہاں صاحب وہ کچہری میں آیا تو تھا۔ اس کا اپنا ایک کام تھا۔ موقعہ پا کے ہم نے بچہ کو کچھ ذلیل بھی کیا تھا سنا ہے کہ اسی ذلت کے غم و غصہ میں وہ کسی طرف نکل گیا۔" یہ بیان سن کے حاکم کو کوئی شبہ نہ رہا پھر بھوبھن نے یہ بھی

کہا کہ "حضور اگر ایک سال کے اندر میں اس کا پتہ نہ ڈھونڈھ نکالوں تو میرا نام بھوبھن بسواس نہیں۔" اس کے بعد بھوبھن نے کہیں سے ٹھیک داسو کے قدوقامت کا ایک غنڈہ ڈھونڈھ نکالا اور اس کو ڈھاکے بھیج دیا۔ وہاں اس نے ایک گھڑی چرائی۔ پکڑا گیا تو پولیس کو اپنا نام وسرتھی منڈل عرف داسو بتایا۔ ایک مہینہ قید کی سزا ہوگئی۔ جس دن وہ جیل سے چھوٹنے والا تھا۔ اسی دن بھوبھن نے مجسٹریٹ صاحب کو اطلاع دی۔ انہوں نے تحقیقات کرائی تو معلوم ہوا کہ داسو جیل میں تو تھا مگر چھوٹ کر چلا گیا۔ جاتے وقت اپنی ایک دُلائی جیل کے سامنے والے میدان میں پھینک گیا۔ شناخت کرائی گئی تو وہ دلائی داسو سردار ہی کی ٹھہری۔ اسکے بعد وہ کہاں گیا۔ اسکی خبر دینے کی ذمہ داری بھوبھن بسواس کی تو تھی نہیں۔

یہ اور اس قسم کی روائیتیں ایسی ہی تھیں جیسے کسی بینک کی تمادی ھنڈی۔ غرور اور گھمنڈ کا زمانہ گذر چکا تھا۔ اسلئے گھمنڈ کی یہ روائیتیں خالی ڈھول کی آواز کی طرح اب تک گونج رہی تھیں۔

بات تو یہ ہے کہ جس طرح تیل ختم ہوتا ہے، چراغ بجھ جاتا ہے، اسی طرح رات بھی تو گذر ہی جاتی ہے۔ گھوشال خاندان میں بھی صبح کی کرن پھوٹی۔ ابھی ناشس کے باپ مدھوسودن گھوشال کے اقبال سے۔

دوسرا باب

مدھوسودن کا باپ آنند گھوشال رجب پور میں ایک اڑھتیے کے یہاں منشی تھا۔ موٹا بھات اور موٹے کپڑے ہی پر گذر بسر ہوتی تھی۔ گھر کی عورتوں کے ہاتھ میں کانچ کی چوڑیاں اور سیپ کے کڑے تھے۔ مردوں کے گلے میں پیتل کے تعویذ اور بیل کے آٹے سے مانجھے ہوئے خوب موٹے دھاگے کے جینو۔ برھمنی شان کی اور نشانیاں کم ہو چکی تھیں اسلئے اب جینو ہی ایک تنہا ثبوت رہ گیا تھا۔

مدھوسودن کی ابتدائی تعلیم تو قصبہ کے اسکول ہی میں ہوئی تھی۔ لیکن اس تعلیم کے ساتھ ہی ساتھ اُسے ایک خاص قسم کی تعلیم ندی کنارے آڑھت کے کے صحن میں ٹین کے انبار کے اوپر بیٹھ کے مفت ہی حاصل ہوئی تھی۔ اسکی چھٹی کے اوقات "بچھن داروں" "خریداروں" گاڑی بانوں کی "سنگت" ہی میں گذرتے۔ ٹین کے چھپر کے نیچے قطار در قطار گڑ کے گھڑے، تمباکو کے گٹھے۔ ولایتی چادروں کی گانٹھیں، کراسن تیل کے کنستر، سرسوں کے تیل کے پیپے، ماش کی دال کے بورے، بڑی بڑی ترازوئیں اور بھاری بھاری باٹ بٹکھرے رکھے رہتے تھے۔ ان کے گرد چکر لگانا اس کے لئے باغ کی سیر سے کم دلچسپ تفریح نہ تھی۔

باپ نے یہ اندازہ کیا کہ لڑکا کچھ کرے گا۔ سوچا کہ ٹھیل ٹھال کے کسی طرح دو تین کلاس پاس کرا دیں تو پھر اسکول ماسٹری، مختاری، وکالت وغیرہ جو شرفا کی بڑی بڑی امید گاہیں ہیں انھیں میں سے کسی ایک تک مدھو ضرور ہی پہونچ پائیگا۔ باقی جو تین لڑکے اور تھے ان کی خوش قسمتی کی معراج بس گماشتہ گری تک ہی سمجھ لی گئی۔ ان میں سے کوئی تو آڑھت والے کے دفتر میں، کوئی تعلقہ دار کے دفتر میں، فرد نویسی کرنے کے لئے کان میں قلم اٹکا کر بیٹھ گیا۔ آنند گھوشال کی قلیل بضاعت ہی کے سہارے پر مدھوسودن نے کلکتہ آکر ایک میس میں رہنا اور کالج میں پڑھنا شروع کر دیا۔ پروفیسروں کو یہ توقع تھی کہ امتحان میں یہ لڑکا نام روشن کریگا۔ اتنے ہی میں اس کا باپ چل بسا۔

اس نے پڑھنے کی کتابیں اور نوٹ بکیں سب بیچ ڈالیں اور یہ ٹھان لی کہ اب تجارت کروں گا۔ طالب علموں کے ہاتھ آدھی قیمت پر پرانی کتابیں بیچنے اور ان سے اس سے بھی سستی خریدنے کا کاروبار شروع ہو گیا۔

ماں بیچاری رو رو کے مری جاتی تھی۔ اس کو بڑا ارمان تھا کہ امتحان پاس کر کے لڑکا بھی شرفا کے حلقے میں داخل ہو جائے گا۔ پھر تو گھوشال گھرانے پر کرانی گری کا جھنڈا اچھے لہرائے گا۔

لڑکپن ہی سے مدھوسودن جس طرح تجارتی مال کے انتخاب میں پکا تھا۔ اسی طرح دوستوں کے انتخاب میں بھی وہ بڑا ہوشیار تھا۔ کبھی دھوکا نہ کھاتا کالج کے ساتھیوں میں اس کا سب سے گہرا دوست تھا کنہائی گپتا۔ اس کے خاندان والے کئی پشت سے بڑے بڑے سوداگروں کے یہاں متصدی ہوتے آئے تھے۔ باپ کراس ہیل کی ایک مشہور کمپنی میں ایک اونچے عہدے پر فائز تھے خوش قسمتی سے اسی زمانے میں انکی لڑکی کا بیاہ ٹھہرا۔ مدھوسودن کمر

باندھ کر کام میں لگ گیا۔ شامیانہ کھڑا کرانا، پھولوں اور پتیوں سے اُسکی آرائش کرنا، چھاپہ خانہ میں کھڑے ہوکر اپنی نظر کے سامنے سنہری روشنائی سے دعوت نامے چھپوانا، تخت، قالین، دریاں وغیرہ کرایہ پر لانا۔ گیٹ پر کھڑے ہوکر مہمانوں کا استقبال کرنا، گلا پھاڑ پھاڑ کر، چیخ پکار کر کے ان کو کھانا کھلوانا۔ غرض یہ کہ اس نے کوئی کام باقی نہ چھوڑا۔ اس موقعہ پر اس نے اپنی سوجھ بوجھ اور کارداں کا ایسا ثبوت دیا کہ رجنی بابو خوش ہو گئے۔ وہ کام کے آدمی کو پہچانتے تھے۔ سمجھ گئے کہ یہ لڑکا ضرور ترقی کرے گا۔ انہوں نے اپنی جیب سے روپے نکال کر ضمانت جمع کی اور اس کو رجب پور میں کراسن تیل کی ایجنسی دلوادی۔

اقبال مندی کی دوڑ شروع ہو گئی۔ اس دوڑ میں کراسن تیل کا ڈپو ایک نقطۂ موہوم کی طرح بہت پیچھے چھوٹ گیا۔ آمدنی کے حساب میں موٹی موٹی رقمیں آنے لگیں، تو کاروبار دیکھتے دیکھتے گلی سے نکل کر شاہراہ خردہ فروشی سے تھوک فروشی تک پہونچا۔ دکان دفتر میں بدلی۔ آغاز اب نقطۂ عروج کو پہونچا۔ لوگ کہنے لگے "اس کو کہتے ہیں قسمت"۔ یعنی یہ کہ اگلے جنم کی اسٹیم ہی سے اس جنم کی گاڑی چل رہی ہے۔ مدھوسودن خود بھی سمجھتا تھا کہ قسمت نے اس کو فریب دینے کی گھات نہیں کی ہے۔ اس نے چونکہ حساب میں کبھی بھول نہیں کی تھی۔ اِسلئے زندگی کے بہی کھاتے میں بھی ممتحن کے قلم نے اس کی فرد پر کوئی نشان نہیں لگایا۔ جو لوگ حساب میں فیل ہوتے ہیں وہی کسی کڑے ممتحن کی جانب داری کا رونا بھی روتے ہیں۔ مذاق بھی اڑاتے ہیں طنز بھی کرتے ہیں۔

مدھوسودن بھاری بھرکم مزاج کا آدمی تھا۔ اپنے متعلق وہ دوسروں سے زیادہ بات چیت کبھی نہ کرتا۔ پھر بھی اندازے سے معلوم ہوتا تھا کہ سوکھی ندی میں جوار آگئی ہے۔ ایسے وقت میں بنگالی گھرانوں میں عام طور سے مرد کے بیاہ کی

فکر شروع ہو جاتی ہے۔ یہ آرزو بیتاب ہونے لگتی ہے کہ عالم نے جو خوشوقتی بخشی ہے وہ نسل در نسل مستقبل میں بھی جاری و ساری رہے۔ بیٹیاں رکھنے والوں نے بھی مدھوسودن کی حوصلہ افزائی میں کوئی کمی نہ کی۔

مدھوسودن کہتا "پہلے اپنا پیٹ اچھی طرح بھر لیا جاتا ہے، تب دوسرا پیٹ بھرنے کی فکر کی جاتی ہے۔" اس سے اتنا تو ضرور پتہ چل گیا کہ مدھوسودن کا دل چاہے جیسا بھی ہو، پیٹ چھوٹا نہ تھا۔

اسی زمانے میں مدھوسودن کی تدبیروں سے رجب پور کے پٹن کی بڑی شہرت ہوگئی۔ مدھوسودن نے ندی کنارے کی بنجر اور غیر آباد زمین کافی سے زیادہ خرید لی۔ اسوقت دام بہت کم تھا۔ اسی زمین میں اس نے اینٹ کے پزادے لگوائے۔ نیپال سے ساگوان کی بڑی بڑی سلیاں آئیں۔ سلہٹ سے چونا۔ کلکتہ سے مال گاڑیوں میں بھر کے ٹین کی چادریں منگوائی گئیں۔ گاؤں کے لوگ دیکھ دیکھ کے حیران تھے۔ سب نے سوچا "بات یہ ہے کہ کچھ جمع جو ہو گیا ہے وہ برداشت کیسے ہو؟ اب بدہضمی کا وقت ہے۔ معلوم ہوتا ہے اب کاروبار پر شامت آیا ہی چاہتی ہے۔"

لیکن اب کے بھی مدھوسودن کے حساب میں بھول نہ ہوئی۔ دیکھتے ہی دیکھتے رجب پور کاروبار کا ایک بڑا مرکز بن گیا۔ جس کی کشش سے چاروں طرف سے دلالوں کی ٹولی سمٹ آئی، مارواڑیوں کا دل آموجود ہوا۔ قلیوں، مزدوروں کی کھیپ آنے لگی۔ کارخانے کھولے گئے۔ کارخانوں کی چمنیوں سے دھوئیں کے دل بادل نکل نکل کر فضا میں سیاہی بکھیرنے لگے۔

جمع خرچ کے بہی کھاتوں پر نگاہ نہ بھی ڈالی جاتی، تو ایک سرسری نگاہ لو مدھوسودن کی ترقی نظر آجا سکتی تھی۔ وہ اس پورے بازار کا تنہا مالک تھا۔

چار دیواری سے گھری ہوئی پختہ دو منزلہ عمارت۔ پھاٹک پر سنگِ مرمر کی تختی لگی تھی، جس پر خوبصورت حرفوں میں "مدھو چکر" کھدا ہوا تھا۔ یہ نام اس کے سابق کالج کے سنسکرت کے پروفیسر نے رکھا تھا۔ اب وہ مدھوسودن کے ساتھ پہلے سے زیادہ شفقت کا برتاؤ کرتے تھے۔

اب بڑھیا ماں سے نہ رہا گیا۔ ایک دن ڈرتے ڈرتے اس نے کہا "بابا! نہ جانے کس دن مر جاؤں۔ کیا بہو گھر لانے کی حسرت ساتھ لے جاؤں"۔

مدھوسودن نے بڑی متانت سے نپے تلے لفظوں میں جواب دیا۔ "بیاہ کرنے میں بھی وقت ضائع جاتا ہے اور بیاہ کرنے کے بعد بھی۔ مجھے اتنی فرصت کہاں"۔ ضد کرنے کی ہمّت اس کی ماں کو نہ تھی۔ اس لئے کہ وہ جانتی تھی کہ بازار میں وقت کا دام ہوتا ہے۔ پھر ہر شخص یہ جانتا تھا کہ مدھوسودن کی بات پتھر کی لکیر ہوتی ہے۔

اسی طرح کچھ دن اور گذرے۔ ترقی کی جوار کو اور اونچا اٹھانے کے لئے دفتر مفصّلات سے کلکتہ اٹھا لایا گیا۔ پوتے پوتیوں کی حسرت پوری ہونے کی جب کوئی امید باقی نہ رہی تو بڑھیا ماں بیچاری اِس لوک سے پرلوک سدھار گئی۔

گھوشال کمپنی کا شہرہ اب دیس بدیس ہو چکا تھا۔ اس کے کاروباری حوصلے اب ولایتی کمپنیوں سے شانہ بھڑا رہے تھے۔ کاروبار کے ہر ہر صیغے میں ایک ایک ولایتی مینجر تھا۔

اب مدھوسودن نے خود کہا کہ شادی کرنے کی فرصت ملی ہے۔ شادی کے بازار میں اس کی ساکھ سب سے اونچی تھی۔ بڑے سے بڑے گھرانے کی ناک نیچی کرنے کی طاقت اسمیں آ چکی تھی۔ چاروں طرف سے اعلیٰ خاندان عالی دودمان، خوبصورت، سلیقہ مند، دولت مند تعلیم یافتہ لڑکیوں کی خبریں

آنے لگیں۔ لیکن مدھوسودن نے سب سے آنکھیں پھیر کے کہا، "میں تو اسی چٹرجی خاندان کی لڑکی چاہتا ہوں۔"

چوٹ کھایا ہوا خاندان بھی چوٹ کھائے ہوئے شیر کی طرح بہت ہی خونخوار ہوتا ہے۔

تیسرا باب

اب آئیے ذرا لڑکی والوں کی کہانی سنئے:۔

نور نگر کے چیٹرجی خاندان کی حالت اب اچھی نہ تھی۔ اقبال مندی کا باندھ ٹوٹ چکا تھا۔ چھ آنے والے حصّہ دار اپنا حصّہ لے کر الگ ہو گئے تھے لیکن اب بھی لاٹھی ہاتھ میں لے کے وہی لوگ دس آنے والے حصّہ داروں سے کھیتوں کی حدبندی کے لئے لڑنے کو مستعد رہتے۔ بات بات پر لاٹھی گھماتے۔ پھر یہ کہ شری رادھا کانت جی کے مندر کی تولیت کا دس آنہ چھ آنہ بٹوارہ کرنے کی جو پُرزور کوشش چلی، تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پیداوار کا کافی حصّہ وکیلوں مختاروں کے آنگنوں میں بکھر گیا۔ کچہریوں کا عملہ بھی محترم نہ رہا۔ نور نگر کی وہ آن بان اب باقی نہ تھی۔ آمدنی ندارد تھی، مگر خرچ چوگنا بڑھا ہوا تھا۔ نوروپیہ سیکڑہ سود لوٹا نگوں والے مکڑے کی جالی کی طرح زمینداری کو چاروں طرف سے گھیرے جا رہا تھا۔

اس وقت اس خاندان میں دو بھائی تھے اور پانچ بہنیں تھیں۔ لڑکیاں رکھنے کے جرم کا جرمانہ ابھی تک پوری طرح ادا نہیں ہوا تھا۔ گھر کے مالک کی زندگی ہی میں چار لڑکیوں کی شادی کولین[1] برہمن خاندان میں ہو گئی تھی۔

---

[1] شریف، اعلیٰ النسب

گھرانے کی موجودہ مالی حالت تو حال ہی کے حساب سے تھی، مگر شان و شوکت آن بان ماضی ہی کی تھی۔ چنانچہ ناناؤں کی خاطر کرنی پڑی، اسی پرانی شان والے بڑے پیمانے پر۔ اسی سبب سے نو روپیہ سیکڑہ سود والا بندھن اب بارہ روپیہ سیکڑہ تک جا پہونچا تھا۔ چھوٹا بھائی سر جھٹک کر بول اٹھا "میں تو ولایت جاکے بیرسٹری پاس کر آؤں۔ اب کوئی کام کئے بغیر چارہ نہیں" وہ تو ولایت چلا گیا۔ گھر کا سارا بار اکیلے بڑے بھائی ہیرا داس کے سر آپڑا۔ یہی وقت تھا جبکہ گھوشال خاندان اور چیٹرجی خاندان کی قسمتوں کے کھگوے آپس میں ٹکراتے ٹکراتے آخر کار ایک دوسرے سے بغل گیر ہو گئے۔ اسی کی کہانی سُنئے

بڑا بازار کلکتہ کا ایک مشہور حلوائی تن سکھ داس، چیٹرجی گھرانے کا بڑا مہاجن تھا۔ اس کے بہت سے روپے باقی تھے۔ چونکہ سود وقت سے ادا ہو جاتا تھا، اسلئے کوئی بات نہ تھی۔ اسی دوران میں پوجا کی چھٹی آئی۔ ہیرا داس کے ایک کلاس فیلو امولیہ دھن کو اس تعطیل میں اپنا خلوص دکھانے کی ضرورت محسوس ہوئی، تو وہ ہیرا داس کے پاس آ پہونچے۔ ان کے باپ ایک مشہور آڑتی کے ہیڈ آرٹیکل کلرک تھے۔۔ یہ ھینگ نواز نوجوان جب نو نگر پہونچا تو ایک سرسری سی نگاہ ہی میں وہاں کا پورا حال اس کی سمجھ میں آگیا۔ ادھر وہ کلکتہ واپس گیا، اُدھر تن سکھ داس نے اپنے روپے کا مطالبہ کیا۔ بولا کہ "میں نے شکر کا کاروبار شروع کیا ہے۔ اسوقت مجھے خود روپے کی ضرورت آپڑی ہے۔"

ہیرا داس سر پکڑ کے بیٹھ گیا۔

اسی نازک موقعہ پر چیٹرجی اور گھوشال دونوں خاندانوں کا دوبارہ آمنا سامنا ہوا۔ اس کے پہلے ہی مدھوسودن کو سرکار سے راجہ کا خطاب مل چکا تھا۔ اسی وقت ہیرا داس کے اُس ساتھی نے اس سے آکر کہا "نئے راجہ بہت ہی خوش مزاج ہیں،

اس وقت اُن سے بہت ہی کم سود پر قرض مل سکتا ہے"۔ چنانچہ قرض مل بھی گیا۔
جہزجی گھرانے کی جائیداد پر متفرق قرض جتنے تھے سب اکٹھا کر کے گیارہ لاکھ روپے
ہوتے تھے۔ اتنے ہی روپے فی سیکڑہ سات روپے سود پر قرض لیکر ادا کر دیئے
گئے۔ ببرداس نے اطمینان کی سانس لی۔

کمودنی اس کی سب سے چھوٹی اور آخری بن بیاہی بہن تھی۔ مالی حالت بھی
تباہی کی آخری منزل تک پہونچ چکی تھی۔ اس کے بیاہ کے لئے روپے فراہم کرنے
اور معقول بر تلاش کرنے کی فکر اُسے مارے ڈال رہی تھی۔ لڑکی دیکھنے میں بہت خوبصورت
تھی۔ چھریرا بدن ٹھیک جیسے رگل شبّو کی ڈالی۔ آنکھیں بڑی بڑی نہ تھیں۔ مگر دیدے
اکدم سیاہ تھے۔ پتلی سُتواں ناک جیسے پھولوں کی پنکھڑیوں سے بنی ہو۔ جلد کی
رنگت چمکتے ہوئے سیب جیسی۔ خوبصورت، سڈول، نازک نازک ہاتھ ایسے کہ جس کی سیوا
کریں وہ سمجھے کہ کملا دیوی بردان دے رہی ہیں۔ ان ہاتھوں سے جو ملے وہ احسان
سمجھ کر ہی لینا پڑے۔ چہرے پر ایک اندرونی کرب کی پیدا کی ہوئی نہایت نرم مگر گہری
سنجیدگی تھی۔

کمودنی اپنے متعلق آپ متفکر تھی۔ وہ سمجھتی تھی کہ وہ منحوس ہے۔ اسکا عقیدہ
تھا کہ مرد جیون کا کھڑاگ چلاتے ہیں، اپنی طاقت کے بل پر۔ اور عورتیں لکشمی دیوی
کو اپنے گھر کھینچ لاتی ہیں۔ اپنی قسمت کے زور سے۔ مگر اس سے تو یہ ممکن نہ ہوا۔ جب سے
اس میں سمجھ آئی تھی اُسی وقت سے دیکھ رہی تھی کہ چاروں طرف سے زوال کی بدلی
گھری آ رہی ہے۔ گھر کی زندگی، اسکے بیکار وجود کے بھاری پتھر سے دبی معلوم
ہوتی تھی۔ یہی احساس اس کے لئے سوہان روح بھی تھا اور ذلت انگیز بھی۔ لیکن
ماتھا ٹھونکنے کے سوا چارہ ہی کیا تھا۔ عورتوں کو "بدھاتا" نے تدبیر کی راہ تو دکھائی
نہیں، صرف دکھ سہنے کی طاقت دی ہے۔ وہ سوچتی اس دنیا میں کیا کبھی ناممکن

بھی ممکن ہوتا ہے؟ کبھی دیوتا بردان بھی دیتے ہیں؟ بخیل کے گھر کی دولت بھی ہاتھ آجاتی ہے۔ اگلے جنم کا کوئی باقی بقایا کبھی دم بھر میں وصول بھی ہوجاتا ہے؟ اکثر راتوں کو بستر سے اُٹھ کر وہ سامنے والے سرو کے درختوں پر ٹکٹکی لگائے دیکھتی رہتی اور دل ہی دل میں بول اُٹھتی "کہاں ہو میرے راج کمار؟ کہاں ہے تمہاری سات راجاؤں والی دولت؟ آؤنا میرے بھائیوں کو آکے بچالو میں تمہاری داسی بن کر رہوں گی۔"

خاندان کی تباہی کے لئے وہ اپنے آپ کو جتنا الزام دیتی، اُتنا ہی دل کھول کر اپنے بھائیوں پر اپنی محبت انڈیل دیتی۔ سخت سے سخت دُکھ سہنا ہی اُسکی محبت تھی۔ بھائیوں کو بھی اس احساس سے بڑا دُکھ ہوتا کہ کموّ کے لئے جوان کا فرض تھا، وہ پورا نہیں کرسکتے۔ اس لئے اپنی محبت اور شفقت سے اُسے ہر وقت ڈھانکے رکھتے اُوپر والے نے اس بن باپ کی لڑکی کو جس محبت سے محروم کردیا تھا، وہی محبت اضافہ کے ساتھ اُسے دینے کے لئے یہ دونوں بھائی ہر وقت بے چین رہتے۔ کبھی کبھی جب اپنے آپ کو تباہی کا باعث قرار دیکے وہ خود کو نفریں کرنے لگتی تو بڑا بھائی ہیرا داس ہنس کر کہتا "کموّ! ہم لوگوں کا سوبھاگ تو تُو ہی ہے۔ تو نہ ہوتی تو اس گھر میں رونق کہاں سے آتی؟"

کمودنی نے گھر پر تعلیم حاصل کی تھی۔ باہر کی دنیا سے اُسے گویا کوئی سروکار ہی نہ تھا۔ نئے اور پُرانے زمانے کی دھوپ چھاؤں ہی میں گویا اس کی پرورش ہوئی تھی۔ اس کی دنیا خیال کی دنیا تھی۔ عقیدت کی دنیا تھی۔ جہاں راج کرتی ہیں ۔ سدھیشوری، گندھیشوری، گھینٹو، شیٹی، جس دنیا میں دن کو چاند دیکھنا منع ہے، سنکھ بجاکر منتر پڑھ کے چندر گرہن کی گرہ کٹائی جاتی ہے۔ اندھی "باچھی" کا دودھ پینے سے سانپ کا زہر بجھایا جاتا ہے، "پاٹھا" چڑھانے کی منت مان کے، ڈلی گڑ،

چاول کی نذر دے کے، پانچ پیسے کی شیرنی چڑھا کے، اور "نارے" میں تعویذ پہن کے ہی جس دنیا میں قسمت کی، اچھائی برائی سے کاروبار کیا جاتا ہے۔ اور یہ امید کی جاتی ہے کہ ٹونے ٹوٹکوں کے زور سے بھاگ سیدھے ہو جائیں گے ——— مگر یہ امیدیں ہزاروں بار نہیں بر آتی ہیں۔ اکثر تو یہی دیکھا جاتا ہے کہ حسین امیدوں کی ڈالی میں اچھے پھل نہیں آتے۔ پھر بھی حقیقت میں یہ طاقت کہاں کہ وہ ثبوت کے زور سے خواب کی دلکشی کو ختم کر سکے؟ خواب کی دنیا میں عقل کی نہیں چلتی۔ چلتی ہے صرف اندھی عقیدت کی۔ اس دنیا میں بس ایمان بالغیب کا راج ہے۔ یہاں نہ دلیل و برہان کا گذر ہے، نہ خرد کی موشگافیوں کو موقعہ نہ بھلے برے کی پڑتال کا دستور۔ اس لئے کمودنی کے چہرے پر اتنا بھولا پن، اتنا درد نظر آتا تھا۔ وہ سمجھتی تھی کہ وہ بے قصور ہی پس رہی ہے۔ آٹھ سال سے وہ جس دکھ، درد کو دل میں اپنا دکھ سمجھ کر پال رہی ہے ——— وہ دکھ اس کے باپ کی موت ہی کا دیا ہوا تھا۔

چوتھا باب

پُرانے دولت مند گھرانوں میں "ماضی" جس قلعہ میں مقیم رہتا ہے، اس کی دیواریں پکی اینٹوں سے چُنی ہوتی ہیں، کئی ڈیوڑھیوں سے گذر کر ہی کہیں "حال" کو وہاں داخلہ نصیب ہوتا ہے۔ جو لوگ ان مکانوں میں رہتے ہیں انھیں بھی نئے زمانے تک پہونچتے پہونچتے بہت دیر لگتی ہے۔ اس لئے بیرا داس کے باپ مکند لال بھی پوری طرح نئے زمانے سے آشنا نہ ہو سکے تھے۔

وہ دُہرے بدن کے قدآور آدمی تھے۔ رنگ گورا۔ بال انگریزی فیشن سے کٹے ہوئے۔ بڑی بڑی چڑھی ہوئی آنکھیں۔ اُن سے حاکمانہ نگاہیں ہر لحظہ نکلتی ہوئی۔ بھاری رعب دار آواز میں جس وقت پکارتے، جانے انجانے اپنے بیگانے سب کے دل کانپ اُٹھتے۔ اگرچہ پہلوان نوکر رکھ کر انھوں نے باضابطہ کشتی سیکھی تھی۔ روزانہ مشق اور کسرت بھی کرتے، طاقت بھی بدن میں کافی تھی، مگر ناز پروردہ ملائم جسم پر اس محنت کا کوئی اثر نظر نہ آتا تھا۔ تن پر سرسراتی ہوئی ڈھاکہ کی ململ کا کرتا۔ فراش ڈانگے کی بنی ہوئی دھوتی کا بہت سلیقے سے چُنا ہوا کونچا زمین پر لوٹتا جاتا۔ گدّی پر آکر بیٹھتے تو استنبولی عطر کی بھینی بھینی خوشبو چاروں طرف ہوا میں پھیل جاتی۔ پیچھے کچھ فاصلہ پر ایک خانساماں پانوں کا سنہرا ڈبہ لئے با ادب حاضر رہتا۔ دروازے پر

چپراسی اور تمغہ لگائے اردلی ہر وقت موجود۔ صدر دروازے پر بوڑھا چندر بھان جمعدار "کھینی" بنانے اور بھنگ گھونٹنے سے مہلت پاتا تو بنچ پر بیٹھ کر اپنی لمبی داڑھی کو بیچ سے دو حصّوں میں بانٹتا اور مروڑ کر دونوں کانوں کے اوپر چڑھاتا نظر آتا۔ قاعدے کے مطابق ہاتھوں میں ننگی تلوار لئے کئی سنتری پہرہ دیتے رہتے۔ ڈیوڑھی کی دیواروں پر طرح طرح کی ڈھالیں، خمدار تیغے، پرانی بندوقیں اور بلّم برچھے لٹکتے رہتے۔

مکان کے ایک حصّے میں ولایتی فیشن کا ایک ڈرائنگ روم تھا۔ جہاں آٹھویں دسویں صدی عیسوی کے ولایتی سامان تھے۔ بیچ میں ایک بہت بڑا داغدار آئینہ تھا۔ جس کے سنہرے فریم سے لگی ہوئی دونوں طرف ڈینے پھیلائے دو پریوں کی مورتیں ہاتھ میں خوبصورت شمع دان لئے کھڑی تھیں۔ نیچے میز پر سیاہ سنگِ موسیٰ کی گھڑی رکھی تھی جس پر سنہرے نقش و نگار بنے ہوئے تھے۔ گھڑی کے اردگرد چینی کی کئی خوبصورت گڑیاں بھی کھڑی تھیں۔ اونچی اڑانی والی کرسیاں، کوچ، صوفے، کڑیوں سے لٹکتے ہوئے بڑے بڑے جھاڑ، فانوس، جن پر ولندیزی کپڑے کے غلاف چڑھے ہوئے تھے۔ دیواروں پر خاندان کے مورثوں کی قدِ آدم روغنی تصویریں۔ انہیں میں خاندان کے دو ایک ایسے بزرگوں کی تصویریں بھی تھیں جو اپنے وقت میں راجہ تھے۔ پورے کمرے میں ولایتی قالین بچھے ہوئے تھے، جن پر بڑے بڑے رنگین پھول بنے ہوئے تھے۔ خاص طور پر شرادھ کی تقریبات میں جب ضلع کے حاکموں اور صوبہ داروں کی دعوت ہوتی، تو اس کمرے کے دن پھرتے اور دو ایک دن کے لئے اس کا سناٹا دور ہوتا۔ سارے مکان میں یہی ایک کمرہ تھا جس پر نئی تہذیب کی چھاپ تھی۔ لیکن معلوم ہوتا تھا کہ یہی سب سے پرانا اور آسیب زدہ کمرہ ہے۔ استعمال نہ ہونے کی وجہ سے کمرے کی رُندھی رُندھی سی، گھٹی گھٹی سی، بدبودار فضا، انسانوں کی بود و باش سے محروم ہو کر جیسے گونگی ہو گئی تھی۔

مکندلال کی جو شان اور وضع داری تھی وہ اس زمانہ کی رئیسانہ زندگی کا ایک جز ولاینفک اور اسی کے ادب قاعدے کے ٹھیک مطابق تھی۔ اس وضع داری میں، جو فضول خرچیاں ہوتیں، وہی دولت کا سنگار اور شان تھیں یعنی یہ کہ دولت بوجھ بن کر سر پر نہیں چڑھتی، بلکہ داسی بن کر قدموں پر لوٹتی رہتی ہے۔ اس وضع داری کے دربارِ عام میں تو دلودہش ہوتی اور دربار خاص میں عیش و کامرانی ——— دونوں ہی اعلیٰ سے اعلیٰ پیمانے پر۔ ایک طرف دست نگروں کے لئے بے لگام سخاوت تھی، دوسری طرف دل پرشوق کی تسکین کے لئے بے پناہ بےقراری۔ پڑوس میں ایک نو دولت ہمسایہ تھا۔ ایک دفعہ اس نے کسی قصور پر مالک کے مالی کے لڑکے کے صرف کان مل دیئے تھے۔ اس نو دولئے کی تنبیہہ کے لئے جتنا خرچ ہوا تھا، آج کوئی رئیس اپنے لڑکے کو کالج میں تعلیم دلانے پر اتنا صرف نہیں کرتا۔ مالی کے لڑکے کو بھی انہوں نے چھوڑا نہیں۔ اتنے چابک لگائے کہ وہ بستر سے جا لگا۔ غصے میں چابک ذرا زیادہ لگ گئے تھے۔ یہی اس لڑکے کی ترقی کا وسیلہ ہو گیا۔ سرکاری خرچ پر وہ تعلیم حاصل کر کے مختار بن گیا۔

پرانے رئیسوں کے ٹھاٹ کے مطابق، مکندلال کی زندگی بھی دو محلی تھی۔ ایک محل میں گھر گرہستی، دوسرے میں یار باشی۔ یعنی ایک محل میں دس کا ہکے کر دتے تھے تو دوسرے میں گیارھویں نا کر دتی۔ گھر کے اندر تو گھر کے دیوتا تھے اور گھر والی تھی۔ وہاں صبح سے شام تک پوجا، آرتی، مہمانوں کی خاطر تواضع، تیرتھ، تیوہار، برت، کنگلوں کو خیرات، برہمن کے بھوج، ہمسایوں اور محلہ والوں کی دیکھ بھال، آنے جانے والے بزرگوں اور پروہتوں کی سیوا کا سلسلہ لگا رہتا۔ یار باشی کا محل گھر کی سرحدوں سے باہر رہتا۔ وہاں نوابی عمل تھا۔ ہر وقت مجلس آرائی کی سرگرمی۔ یہاں آمد و رفت تھی گھر سے بالکل باہر والیوں کی۔ جنکی صحبت کو، اس زمانے کے رئیس علم مجلسی کی

درس گاہ سمجھتے تھے۔ ان دو مخالف ہواؤں کے جھونکے جو گھر کے اندر اور گھر کے باہر چلتے رہتے، گھر والیوں کو بہر حال سہنے پڑتے۔

مکند لال کی گھر والی، نندرانی، بڑی آن والی تھیں۔ چپکے سہتے جانا اُن سے بن نہ پڑا۔ اس کا سبب بھی تھا۔ انھیں یقین تھا کہ باہر کی کششیں ان کے سوامی کو جتنا بھی کھینچیں ان کی اندرونی کشش کا مرکز وہ خود تھیں۔ اس لئے جب ان کے سوامی اُنکی اس اندرونی کشش پر ظلم کرتے تو وہ کسی طرح اس کو برداشت نہ کر سکتیں۔ ایک ایسا ہی ہوا۔

پانچواں باب

راس لیلا کی دھوم دھام تھی۔ کلکتہ اور ڈھاکہ سے جشن کے سامان پر سامان آرہے تھے۔ گھر کے صحن میں کسی دن کرشن جاترا، کسی دن کیرتن۔ عورتوں، پڑوسیوں اور محلہ والوں کی بھیڑ لگی رہتی۔ اب سے پہلے تو تماشے کا بندوبست مردانہ بیٹھک میں ہوا کرتا تھا۔ گھر والیوں کو رات کی نیند حرام ہو جاتی۔ دل میں درد کے کانٹے چبھتے رہتے۔ بےچین ہو کر دروازے کی اوٹ سے کچھ آہٹ لے کر واپس چلی جایا کرتیں۔

ابکے خیال ہوا کہ "بائی جیون" کا ناچ ندی کے سینے پر بجرے کے اندر ہو۔ وہاں کیا ہو رہا ہے۔ دیکھنے کا کوئی موقعہ نہ ملتا، تو ننداںی راتوں کی، خاموش اندھیاری میں سونی سیج پر گر کے رو لیتیں۔ مگر دن کو گھر کے کام دھندوں کی دیکھ بھال، لوگوں کو کھلانا پلانا، اور خیر صلاح کی پوچھ گچھ تو ہنس ہنس کے کرنا ہی پڑتی۔ دل میں کانٹا ہر وقت چبھتا رہا۔ جان لبوں پر آگئی، مگر کسی کو کچھ خبر نہ ہو سکی۔ لوگوں کے آسودہ گلوں سے یہی نعرہ بلند ہوتا رہا کہ "رانی ماں کی جے"۔

بہرحال جشن کے دن گذر گئے۔ گھر مہمانوں سے خالی ہوا۔ آنگن میں جوٹھے کیلے کے پتوں، ٹوٹے کلھڑوں اور مٹی کے پیالوں پر کوّوں اور کتّوں کے جھنڈ ٹوٹ پڑے تھے۔ اور ایک ہنگامہ محشر بپا کر رکھا تھا۔ فراشوں نے سیڑھیاں لگا کر

لالٹینیں اُتار لیں۔ جھاڑ سے گرے ہوئے موم بتیوں کے ٹکڑے اور سوکھے ہاروں کو لوٹنے کے لئے آس پاس کے لونڈوں میں دھر پکڑ، مار پیٹ شروع ہوگئی۔ اسی ہنگامے میں ندی کی چڑھتی ہوئی موجوں کی فریاد رہ رہ کر نیلے آسمان کو چیر رہی تھی۔ زنانہ محل سے آنگن سے بچی ہوئی پوری، ترکاری، مٹھائی وغیرہ کی سڑاندھ نکل نکل کر ہوا میں بدبو پھیلا رہی تھی۔ چاروں طرف ابتری، بے کیفی، اور اداسی چھائی ہوئی تھی یہ سناٹا اور زیادہ ناقابل برداشت اس وقت ہوگیا، جب مکند لال آج بھی واپس نہ آئے۔ کوئی دسترس ممکن نہ تھا، اس لئے نندرانی کے صبر وضبط کا باندھ دفعتاً ٹوٹ کر بہہ گیا۔

دیوان جی کو بلا کر پردے کے پیچھے سے بولیں "کرتا (مالک) سے کہہ دیجئے گا کہ برندابن میں ناناجی کی طبیعت بہت خراب ہوگئی ہے مجھے ابھی فوراً وہاں جانا ضروری ہے"

دیوان جی کچھ دیر تو کھوپڑی سہلاتے رہے پھر بہت ہی بیٹھے سروں میں بولے "کرتا بابو کو اطلاع دیکے جاتیں، تو بہت اچھا ہوتا رانی ماں، خبر ملی ہے کہ آج ہی کل میں واپس آجائیں گے۔"

"نہیں میں دیر نہیں کر سکتی!"

نندارانی کو بھی خبر مل چکی تھی کہ صبح شام ہی واپس آنے کی بات ہے، اسی لئے ان کو جلدی تھی۔ انھیں یقین تھا کہ تھوڑا رو دھوکے منت سماجت کر کے اب کے بھی وہ سب کچھ بھلادیں گے۔ بار بار ایسا ہی ہوچکا تھا۔ مناسب سزا ہمیشہ ناتمام ہی رہتی ہے۔ اب کے ایسا نہیں ہوسکتا۔ اس لئے سزا کا فیصلہ سنانے کے بعد سزا دینے والی کو خود بھاگنا پڑ رہا تھا۔ گھر چھوڑتے وقت قدم اٹھتا نہ چاہئے تھے — خوابگاہ میں جاکر بچھونے پر لوٹ پڑیں۔ خوب پھوٹ پھوٹ کر روئیں۔ مگر جانا ملتوی نہ ہوا۔

کارتک کا مہینہ تھا۔ دن کے دو بج رہے تھے۔ تیز دھوپ کی وجہ سے ہوا گرم ہو رہی تھی۔ راستے کے کنارے چھوٹے بچّوں کی چیخ و پکار میں ملی ہوئی کوئل کی آواز آ رہی تھی۔ جس راستے سے پالکی جا رہی تھی اس کے سامنے کچے دھان کے کھیت لہلہا رہے تھے۔ انھیں کھیتوں کے اس پار ندی نظر آ رہی تھی۔ نندرانی سے رہا نہ گیا۔ پالکی کا دروازہ ذرا سا کھول کر ادھر نگاہ ڈالی۔ کھیتوں کے اس پار چھوڑ[ع] میں بجرا کھڑا نظر آیا۔ مستول پر جھنڈا لہرا رہا تھا۔ دور سے ایسا معلوم ہوا کہ بجرے کی چھت پر جانا پہچانا گوپی ہرکارہ بیٹھا ہے۔ اس کی پگڑی اور چپراس کے تمغے دھوپ میں چمک رہے ہیں۔ پالکی کے پٹ زور سے بند کر لئے گئے۔ دل اندر ہی اندر بیٹھ ہو گیا۔

ع۔ وہ میدان جس میں برسات کا پانی جمع ہو جاتا ہے۔

چھٹا باب

ٹوٹے ہوئے مستول، پھٹے ہوئے بادبان کے ساتھ طوفانوں کے تھپیڑے
کھاتے ڈگمگاتے ہوئے جہاز کی طرح ٹکندلال گھر کے گھاٹ سے آلگے۔ فکر اور احساسِ
خطا کے بوجھ سے دل بھاری تھا۔ عیش و شبینہ کی یاد سے انھیں اب ایسی ہی کراہت
محسوس ہو رہی تھی جس طرح حد سے زیادہ کھا لینے کے بعد کھانا دیکھ کر جی متلاتے۔ جن
لوگوں نے ان کو اس جشن منانے میں بڑھاوے دیئے تھے اگر اسوقت انکے سامنے
ہوتے تو ان کی خبر چابک سے لیتے۔ انہوں نے دل میں ٹھان لی کہ آئندہ اب ایسا
کبھی نہ ہونے دینگے۔ انکے بکھرے بال، سُرخ سُرخ آنکھیں، بہت زیادہ اترا ہوا چہرہ
دیکھکر فوراً کسی کو یہ ہمت نہ ہوسکی کہ مالکن کے چلے جانے کی خبر دے۔ ٹکندلال ڈرتے ڈرتے
زنانہ محل کی طرف چلے۔ دل ہی دل میں یہ جملہ دھراتے جارہے تھے "بڑی بہو معاف
کرو، قصور ہوا۔ اب کبھی ایسا نہ ہوگا۔" یہی سوچتے سوچتے خوابگاہ کے دروازہ تک
پہونچ گئے تو دم بھر کے لئے ٹھٹکے۔ پھر آہستہ آہستہ اندر گئے۔ انہوں نے یقین کر رکھا تھا
کہ روٹھی رانی بستر پر پڑی ہونگی۔ جاتے ہی قدموں پر گر پڑیں گے۔ لیکن داخل ہوئے تو
دیکھا کہ کمرہ سونا پڑا ہے۔ دل دھڑکتے دھڑکتے جیسے ٹھہر گیا۔ اگر نند رانی کو سیج پر
پاتے تو انہیں یہ بھروسہ ہوتا کہ روٹھنے والی نے منائے جانے کے لئے راستہ کھلا ہی

نہیں رکھا ہے بلکہ کچھ دور آگے بھی بڑھ آئی ہیں لیکن جب بڑی بہو سونے کے کمرے میں نہ ملیں تو مکندلال کو یقین ہوگیا کہ آپکے انکی پراشچت بہت لمبی بھی ہوگی اور کٹھن بھی۔ ممکن ہے آج رات تک انتظار کرنا پڑے، ہوسکتا ہے کچھ اور دیر ہو۔ لیکن اتنی دیر تک انتظار کرنا توان کے بس کی بات نہ تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ ساری سزا اُسی وقت بھگت لیں اور معافی حاصل کرلیں۔ ورنہ پانی تک نہ پیئیں۔ وقت ہوچکا ہے مگر ابتک انہوں نے نہ غسل کیا ہے نہ کھانا کھایا ہے کیا یہ دیکھکر بھی وہ روٹھنے والی چپ رہ سکیں گی۔ سونے کے کمرے سے باہر نکلے، تو دیکھا پیاری نامی داسی دروازہ کے پاس گھونگھٹ نکالے کھڑی ہے۔

پوچھا، "تیری مالکن کہاں ہیں رے؟"

اس نے کہا: "وہ تو پرسوں اپنی ماں کو دیکھنے برندابن گئیں۔"

جیسے ٹھیک وہ سمجھ نہ سکے ہوں۔ رندھی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"کہاں گئی ہیں۔"

"برندابن! ماں بیمار ہیں۔"

مکندلال دم بھر برآمدے کی ریلنگ پکڑے کھڑے رہے۔ پھر جلدی جلدی قدم اُٹھائے باہر بیٹھک میں اکیلے جا بیٹھے۔ منہ سے ایک لفظ بھی نہ بولے۔ قریب آنے کی کسی کو ہمت نہ ہوئی۔

دیوان جی آئے اور ڈرتے ڈرتے بولے "بہورانی کو بلانے کے لئے آدمی بھیج دوں؟"

منہ سے جواب نہ دیا۔ صرف انگلی کے اشارے سے منع کر دیا۔ دیوان جی چلے گئے تو راد ھو خانساماں کو پکارا۔ وہ آیا تو بولے "برانڈی لے آؤ۔" گھر والے سب کے سب حواس باختہ ہو رہے تھے۔ جب زلزلہ آتا ہے اور زمین کے سارے

جسم کو ہلا ڈالتا ہے۔ اسوقت اُسے روکنے یا دبانے کی کوشش بے معنی اور لاحاصل ہوتی ہے۔ کچھ بس نہیں چلتا۔ خاموشی سے اسکی تباہ کاریوں کو سہنا پڑتا ہے۔ اسوقت گھر کی وہی حالت ہو رہی تھی۔

رات دن خالص برانڈی چلنے لگی۔ کھانے سے کوئی سروکار نہیں۔ صحت یوں تو پہلے ہی سے گری ہوئی تھی۔ اس پر جو یہ حد درجہ کی بے احتیاطی ہوئی تو سرسامی کیفیت کے ساتھ قے ہونے لگی اور اسمیں خون بھی نظر آیا۔

کلکتہ سے ڈاکٹر بلایا گیا۔ دن رات سر پر برف چڑھائی جانے لگی۔ مکند لال کی نگاہ جس پر پڑتی اسی پر بوچھار ہونے لگتی۔ انھیں ایسا محسوس ہوتا تھا کہ تمام گھر والوں نے مل کر اُنکے خلاف سازش کر رکھی ہے، دل ہی دل میں انھیں یہ غم و غصہ تھا کہ ان کم بختوں نے جانے کیوں دیا۔ کمودنی ہی ایک ایسی ذات تھی جو ان کے سامنے جا سکتی تھی، وہ آتی پاس بیٹھتی۔ مکند لال آنکھیں پھیلا پھیلا کے اسکا چہرہ دیکھتے۔ جیسے ماں کے چہرے کی کوئی جھلک اس کے چہرے میں ڈھونڈ رہے ہوں۔ کبھی کبھی اس کا سر سینے سے لگا کر آنکھیں بند کر لیتے۔ آنکھوں کے کونے سے آنسو ڈھلکتے رہتے۔ لیکن کبھی بھولے سے ماں کے متعلق بیٹی سے ایک لفظ بھی نہ کہتے۔ ادھر برندابن تار جا چکا تھا۔ مالکن کل ہی گھر واپس آنے والی ہیں۔ پھر خبر آئی کہ راستے میں کہیں ریل کی لائن ٹوٹ گئی ہے۔

ساتواں باب

مہینے کی تیسری تاریخ تھی۔ شام کے وقت آندھی آئی۔ باغ میں درختوں کی ڈالیاں تڑاتڑ ٹوٹنے لگیں۔ رہ رہ کے بارش کے جھونکے دبلے ہوئے جوش سے بگڑ بگڑ کر آتے۔ جشن کے دن مہمانوں کو کھانا کھلانے کے لئے کوروگیٹڈ لوہے کا چھپر دے کر ایک سائبان بنایا گیا تھا۔ وہ چھپر اڑ کے تالاب میں جا گرا۔ ہوا زخمی شیر کی طرح چاروں طرف زمین سے آسمان تک غراتی پھر رہی تھی۔ جو کچھ سامنے آجاتا اُسے اپنی دُم سے سیلی لگا دیتی، دفعتاً ہوا کے ایک تیز و تند جھونکے سے گھر کی کھڑکیاں، دروازے سب تھرا اُٹھے۔ مکندلال کمودنی کو سینے سے چمٹا کر بولے: "کمو بیٹی ڈر نہیں، تو نے تو کوئی قصور نہیں کیا۔ سُن رہی ہے وہ سب کے سب دانت کٹکٹا رہے ہیں۔ ہمیں مارنے آ رہے ہیں۔"

باپ کے سر پر برف کی تھیلی آہستہ آہستہ پھراتی ہوئی کمودنی بولی:۔

"مارنے کو کون آئے گا بابا! یہ تو آندھی چل رہی ہے۔ ابھی تھم جائے گی۔"

"برندابن؟ برندابن۔ چندر — چکرورتی؟ بابوجی کے وقت کا پروہیت — وہ تو کب کا مر چکا — برندابن میں بھوت بن گیا؟ کون بولا کہ وہ آئے گا!"

"بات نہ کرو بابا! ذرا سونے کی کوشش کرو!"

"دیکھو! دیکھو! یہ کون کہہ رہا ہے خبردار! خبردار!"

"کوئی نہیں بابا! یہ تو ہوا ہے۔ درختوں کے پتوں اور ڈالیوں کو ہلا رہی ہے۔"

"کیوں؟ اسے اتنا غصّہ کا ہے کا ہے؟ میں نے کون ایسا قصور کیا ہے؟ تو ہی بتا بیٹی؟"

"کوئی قصور نہیں کیا بابا تم نے؟ تھوڑی دیر سو جاؤ اب!"

"بندرابن کا پیامی! جس کا پارٹ مدھو ادھیکاری کرتا تھا۔

مفت کرت ہو کیوں بدنام

اے بندرابن والے گھنشیام

آنکھیں بند کر کے مکند لال یہی گنگنانے لگے۔

بندرابن میں کس نے بجائی بانسری

یہ تو وہی ہے وہی

اب گھر میں رہوں میں کیسے سکھی

رادھو! برانڈی لاؤ!"

کمودنی باپ کے چہرے کو جھک کر دیکھتی ہوئی بولی "یہ کیا کہتے ہو بابا!"

مکند لال نے آنکھیں کھول کر بیٹی کو دیکھا۔ پھر دانتوں تلے زبان داب کے چپ رہے۔ حواس اپنے قابو میں نہ تھے۔ پھر بھی وہ یہ نہیں بھولے تھے کہ کمودنی کے سامنے شراب نہیں چل سکتی۔

تھوڑی دیر بعد پھر گنگنانے لگے۔

شیام کی بانسری چھین لینی پڑے گی

یہ بستی ہمیں چھوڑ دینی پڑے گی

گیتوں کے یہ ٹوٹے ٹوٹے ٹکڑے سُن سُن کر کمودنی کا دل پھٹا جا رہا تھا۔ ماں پر رہ رہ کے غصّہ آتا۔ باپ کے تلووں سے آنکھیں ملتی جیسے ماں کی طرف سے معافی مانگ رہی ہو۔

مُکند لال دفعتاً پکار اُٹھے "دیوان جی!"

دیوان جی آئے تو ان سے کہا "یہ ٹھک ٹھک کیسی سُن رہا ہوں؟"

دیوان جی بولے "یہ تو ہوا دروازہ ہلا رہی ہے۔"

"دیکھو! وہ بڈھا آیا ہے۔ وہی برندابن چند۔ ماتھے پر تلک لگائے ہاتھ میں لاٹھی لئے، کندھے پر ریشمی چادر ڈالے۔ جاؤ دیکھ آؤ۔"

خون کی قے کچھ دیر کے لئے بند ہو گئی تھی۔ رات کے تین بجے سے پھر شروع ہو گئی۔ مُکند لال نے بچھونے پر ادھر اُدھر ہاتھ پھیلایا۔ اور بڑے ہی درد انگیز لہجے میں بول اُٹھے۔ "بڑی بہو گھر اندھیرا ہے۔ کیا اب بھی چراغ نہ جلاؤ گی۔؟"

بجرے سے واپس آنے کے بعد آج پہلی بار مُکند لال نے بی بی کو پکارا تھا۔۔ اور یہی آخری پکار تھی۔

برندا بن سے واپسی پر دروازہ تک پہونچتے پہونچتے نندارانی غش کھا کر گر پڑیں۔ انھیں اٹھا بیٹھا کے بستر پر لا سلایا گیا۔ لیکن گھر سے اب ان کو کوئی سروکار نہ تھا۔ آنکھوں کے آنسو یکدم خشک ہو گئے تھے۔ بال بچوں میں کوئی تسکین اُن کو نہ ملی۔ گرو جی آئے انہوں نے اشلوک پڑھ کر سنائے مگر وہ منہ پھیرے بیٹھی ہی رہیں۔ ہاتھ میں جو لوہے کی چوڑی تھی وہ بھی نہ اتاری۔ بولیں "انہوں نے میرے ہاتھ دیکھ کے کہا تھا کہ یہ ہاتھ کبھی سُونے نہ ہوں گے، اُنکی بات کہیں

جھوٹی ہو سکتی ہے؟"

دور کے رشتہ کی ایک نند تھیں کھیما۔ آنچل سے آنسو پونچھتی ہوئی بولیں۔ "جو ہونا تھا وہ تو ہو چکا۔ اب اپنے گھر کی طرف دیکھو۔ گھر کا مالک مرنے سے پہلے کہہ گیا ہے" بڑی بہو گھر میں کیا چراغ نہ جلاؤ گی؟"

نندرانی بچھونے پر اُٹھ بیٹھیں۔ دور ایک نقطۂ موہوم پر نظر جمائے ہوئے بولیں "ضرور جاؤں گی چراغ جلانے۔ ابکے اتنی دیر نہ ہوگی" یہ کہتے ہی اُن کے اُترے ہوئے چہرے پر دفعتاً ایک روشنی پھیل گئی۔ ایسا معلوم ہوا کہ سچ مچ ہاتھ میں چراغ لے کر وہ ابھی ابھی چلنے کو تیار ہو گئی ہیں۔

آفتاب خط سرطان کی طرف آ گیا ماگھ کا مہینہ تھا۔ چاند کی چودھویں تاریخ کو نندرانی نے مانگ میں خوب گہرا سیندور لگایا۔ تن پر لال بنارسی ساڑی پہنی اور گھر سے نگاہ پھیر کے مسکراتی ہوئی رخصت ہو گئیں۔

آٹھواں باب

ماں باپ کی موت کے بعد بیر داس نے دیکھا کہ جس درخت کے سائے میں وہ لوگ بیٹھے تھے اس کی جڑیں کھوکھلی ہو چکی ہیں۔ ساری جائیداد کی عمارت جو قرض کے دلدل پر کھڑی تھی رفتہ رفتہ دھنستی جا رہی ہے۔ باپ کا کریا کرم مختصر طور پر کرنے اور رہائش کو پست کرنے کے سوا چارہ نہ تھا۔ کمو کے بیاہ کے متعلق بھی سوالات ہوتے۔ جن کا جواب دینے کے لئے منہ نہ کھلتا۔ آخر اسے لوذ نگر چھوڑنا پڑا۔ کلکتہ آکے، باغ بازار میں ایک کرایہ کا مکان لے کر رہنا شروع کیا۔

پُرانے مکان میں کمودنی کی رہائش کے لئے ایک نہایت ہی دلکش محل خانہ تھا۔ چاروں طرف پھول اور پھل کے درخت، ایک طرف گئوشالہ تھا، پوجا کی کوٹھری تھی، سکھی سہیلیاں تھیں، نوکر چاکر تھے ۔ زنانہ محل کی انگنائی میں جو پھلواری تھی اسمیں اس نے پھول بھی چُنے تھے، گلدستے بھی بنائے تھے، نمک مرچ اور دھنیا کے پتوں کے ساتھ کچی بیریں بھی چبائی تھیں۔ امرٹے بھی چکھے تھے جیٹھ بیساکھ کی آندھیوں میں گرنے والے آم بھی باغ سے چُن چُن کر جمع کئے تھے۔ خانہ باغ کے پورب کنارے پر ایک ڈھینکلی تھی جہاں لڑکیاں لڈو بنانے کا ہنگامہ بپا کرتیں۔ اس ہنگامہ میں بھی اس نے اکثر حصہ لیا تھا۔ مکان سے لگا ہوا سبز کائی سے

ڈھکی ہوئی دیواروں سے گھرا ہوا ایک تالاب بھی تھا جس پر درختوں کی نرم چھاؤں ہر وقت پڑتی رہتی۔ درختوں کی ڈالیوں پر کوئیلیں، فاختائیں اور شیاما چہچہاتی رہتیں۔ اسی تالاب میں وہ روزانہ نہاتی تیراکی کی مشق کرتی۔ کنول کے پھول توڑتی گھاٹ پر بیٹھکر کسی خیال میں کھوئی ہوئی اون بھی بُنتی رہتی۔ موسم موسم مہینے مہینے ہر جشن فطرت کیساتھ ساتھ انسانوں نے اپنا ایک ایک تیوہار جوڑ رکھا ہے۔ اکھے تیرتی، ڈول جاترا (ھولی)، بسنت پنچمی وغیرہ وغیرہ کتنے ہی پرب، تیوہار۔ انسان اور فطرت کی مشترکہ کوشش نے پورے سال کو ایک رنگا رنگ نقشہ بنا دیا ہے۔

اسمیں سبھی کچھ خوبصورت ہے، سُکھ ہی سُکھ ہے، ایسی بات نہیں مچھلی کا بٹوارہ، پُوجا کی گھما گھمی۔ گھر والی کی طرفداری، بچّوں کی لڑائی میں، اچھے لڑکوں کی جانبداری جیسی باتوں پر، خاموش حسد یا اس کے خلاف پُرشور احتجاج، کبھی سرگوشیاں، کبھی کھلے گلے سے فریاد۔ غرضکہ یہ سب کھکھیڑے بھی، اور پھر ان سب سے بڑھ کر ان تمام روزانہ کی بندھی تلی مصروفیتوں کے ساتھ ساتھ ایک دلی بے چینی بے اطمینانی اس کی کہ نجلے گھر کے مالک کب اور کیا کر بیٹھیں گے۔ اُن کی بیٹھک میں کس وقت کونسی ناز یبا بات ہو کر رہے گی۔ اور پھر جو ہوگئی تو دن رات کسی وقت سکون نہیں۔ کمودنی کا دل تھر تھر کانپتا، ماں کمرے میں چھپ کے روتیں، لڑکوں کا چہرہ اُترا اُترا نظر آتا۔ غرض یہ کہ انھیں سازگار اور ناسازگار حالات اور سُکھ دُکھ کے درمیان ہلتا ڈولتا زندگی کا یہ کھڑاگ چلتا رہا تھا۔

اسی ماحول سے نکل کر کمودنی کلکتہ پہونچی۔ یہ شہر اس کے لئے ایک بہت بڑا سمندر تھا جسمیں پینے کے قابل پانی کا ایک قطرہ بھی نہ تھا۔ گاؤں کا آسمان گاؤں کی ہوا بھی جانی پہچانی تھی۔ وہاں کی گھنی جھاڑیاں چمکتی ہوئی ریت کے بیچ سے گذرتی ہوئی ندی کی پتلی سی دھار، مندر کے کلس، دور تک پھیلا ہوا اسمان

میدان، جھاؤ کے درختوں کے کنج، پگڈنڈیاں ـــ ان سب نے مل کر ایک اور زنگارنگ آسمان، گاؤں کے آسمان کے نیچے بنا رکھا تھا۔ یہی تھا کمودنی کا اپنا خاص آسمان ۔ اس آسمان کے نیچے سورج کی روشنی بھی ایک خاص رنگ کی تھی جھیل کھیرے کے کھیت ، بید کی جھاڑیاں، گیرو ے رنگ کا بادبان لگائے ملاحوں کی کشتیاں، بنسواڑی کی نرم نرم چکنی چکنی پتیاں، کٹھل کے درخت کے گہرے سبز پتے ۔ ندی کے اس پار بالو کے ڈھیروں کا ہلکا رنگ ۔ ان سب نے مل جل کر وہاں سورج کی روشنی کو ایک خاص جانی پہچانی رنگت دیدی تھی ـــ کلکتہ کے بے جانے پہچانے مکانوں کی چھتوں، دیواروں، کھڑکیوں پر بکھری ہوئی سورج کی کرنیں آج اُسے ایک اجنبی کی طرح نہایت کڑی اور ناہمدردانہ نگاہ سے دیکھ رہی تھیں یہاں کے دیوتاؤں نے بھی اسے قابلِ اعتنا نہیں سمجھا تھا۔

بپراداس نے اسے ایک کوچ کی طرف کھینچ کے بٹھاتے ہوئے کہا۔

"کیوں ری کمو، جی نہیں لگتا نا؟ دل گھبرا رہا ہے نا؟"

کمودنی ہنستی ہوئی بولی "نہیں! تو بالکل نہیں؟"

"چلے گی میوزیم دیکھنے؟"

"ہاں چلوں گی، ضرور چلونگی۔"

یہ جواب اس نے اس قدر جوش سے دیا تھا کہ اگر بپراداس مرد نہ ہوتا تو ضرور سمجھ جاتا کہ یہ جواب فطری نہیں ۔ اس لئے کہ میوزیم جانا اس کے لئے تو بڑا ہی جبر تھا نہ جانا ہوتا تو سمجھتی کہ جان بچی ۔ کیونکہ باہر والوں کی بھیڑ میں چلنے پھرنے کی اسے عادت نہ تھی ۔ ایسا موقعہ ہو تو اس کی پریشانی کی کوئی حد نہ رہتی، پسینہ آجاتا ۔ ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو جاتے ۔ آنکھوں تلے اندھیرا سا آجاتا۔

بپراداس نے اسے پچیسی کھیلنا سکھایا ۔ وہ خود غیر معمولی طور پر اچھا کھلاڑی

تھا۔ کمو کے کچّے کھیل میں اُسے لطف آتا۔ آخر کھیلتے کھیلتے کمو کا ہاتھ بھی پکّا ہو اتو ہیرا داس کو سنبھل کر کھیلنا پڑتا۔ کلکتہ میں کمودنی کی کوئی ہم عمر سہیلی نہ تھی۔ اسلئے یہ دو بھائی بہن یوں گھُل مِل گئے جیسے دو بھائی ہوں۔ ہیرا داس کو سنسکرت ادب کا گہرا ذوق تھا۔ کمو دِل لگا کے اُسی سے سنسکرت کی ویاکرن (قواعد) سیکھنے لگی۔ جب اس نے کمار سنبھو[1] پڑھنا شروع کیا تو ایک دن اس نے شیوجی کی پوجا کے وقت شیوجی کے درشن پا لئے۔ اسی مہا تپسوی کے درشن جو تپسوینی (پاربتی) اُما کی تپسیا کا سب سے بڑا دھن تھا۔ اس کنواری لڑکی کے دھیان (تصوّر) میں بھی اس کے خیالی بیاہتا جیون کی پاکیزگی اور روحانی روشنی پھیل گئی۔

ہیرا داس کو فوٹو گرافی کا شوق تھا۔ کمو نے بھی فوٹو گرافی سیکھ لی۔ دونوں اسی میں لگے رہتے۔ کوئی تصویر کھینچتا تو کوئی اس کو دھوتا اور چھاپتا۔ بندوق کا نشانہ لگانے میں ہیرا داس کا ہاتھ بہت تیّار رہتا۔ جب دیہات جانا ہوتا تو گھر کے پاس والے تالاب میں ناریل کے خول، بیل کے خول یا اخروٹ وغیرہ لٹکوا دیتا اور ان پر پستول سے نشانہ بازی کی مشق کرتا۔ کمو سے کہتا "اِدھر آ کمو، ذرا تو بھی کوشش کر کے دیکھ نا۔"

غرض یہ کہ بھائی کو جس جس چیز کا شوق تھا کمو نے سب کو اپنا لیا۔ بھائی سے اسراج بجانا سیکھا تو ہاتھ ایسے تیّار ہو گئے کہ خود ہیرا داس نے بھی ہار مان لی۔ بچپن سے جس بھائی کے ساتھ اس کو اتنی عقیدت تھی کلکتہ آکر اسی بھائی کو اس نے سب سے زیادہ قریب پایا۔ کلکتہ آنا اس کے لئے بہت ہی فائدہ مند ثابت ہوا۔ کمو فطرتاً تنہائی پسند تھی۔ پہاڑ پر رہنے والی اُما (پاربتی) ہی کی طرح وہ بھی

---

[1] کمار سنبھو کالی داس کی ایک مشہور سنسکرت تخلیق ہے۔

ایک خیالی نجن کر مانسرور کے کنارے ہی رہا کرتی۔ ایسی پیدائشی تنہائی پسند ہستی کے لئے چاہیئے ایک کھلا ہوا آسمان، چاروں طرف پھیلا ہوا سناٹا اور اس کے اندر کوئی ایسا خیالی پیکر۔ دل وجان سے جس کی پرستش وہ کرسکتی ہو۔

گردوپیش کی دُنیا چھوڑکر اس دوروالی خیالی دنیا میں رہنا عام طور سے لڑکیوں کی فطرت کے موافق نہیں۔ اس لئے عام لڑکیاں اسے بیحد ناپسند کرتی ہیں وہ اس قسم کی خیال پرستی کو یا تو غرور سمجھتی ہیں یا بے دلاپن۔ اس لئے گاؤں میں بھی کمودنی کی کسی لڑکی سے بہت گہری دوستی نہ ہو سکی۔

باپ کی زندگی ہی میں بپراداس کی شادی کی بات قریب قریب ٹھیک ہوچکی تھی۔ اسی اثناء میں مایوں بیٹھنے سے ٹھیک دو دن پہلے ہی لڑکی کو سرسام ہوا اور وہ چل بسی۔ اسکے بعد بھاٹ پاڑے میں بپراداس کی جنم پتری دکھائی گئی تو معلوم ہوا کہ شادی کی سبھ گھڑی آنے میں ابھی دیر ہے۔ اس لئے شادی کا مسٔلہ دب گیا۔ اسی دوران میں باپ کی موت ہوئی۔ اس کے بعد سے گھٹکوں[1] (شادی کے ایجنٹوں) کی خدمات حاصل کرنے کی مہلت ہی بپراداس کو نہ ملی۔ ایک بار ایک گھٹک نے ایک جگہ بھاری جہیز کی اُمید بھی دلائی۔ لیکن اس کا پھل اُلٹا ہی ہوا۔ گھٹک مہاراج کو کانپتے ہاتھوں سے اپنا ٹریل دیوار سے ٹکا کے جلدی جلدی قدم اُٹھائے کمرے سے باہر ہونا پڑا۔

---

[1] گھٹک:۔ شادی بیاہ کی بات کرنے والے۔ جنھیں اگوے بھی کہتے ہیں۔

نواں باب

پہلے ولایت سے سبودھ کی چٹھیاں برابر وقت پر آتیں ادھر کچھ دنوں سے ناغہ ہونے لگا تھا۔ کموّ ڈاک کی راہ بے چینی سے تکتی رہتی۔ ایک بیرے نے خط اسی کے ہاتھ میں لاکر دیا۔ بپراداس آئینہ کے سامنے کھڑا داڑھی بنا رہا تھا۔ کموّ دوڑتی ہوئی جاکر بولی " دادا[1]، چھوڑدا[2] کی چٹھی آئی ہے۔

داڑھی بنانا ختم کرکے بپراداس کوچ پر جا بیٹھا اور جیسے ڈرتے ڈرتے ہی اس نے خط کھولا۔ خط پڑھ چکا تو اسے مٹھی میں اس طرح سختی سے دبا لیا جیسے دفعتاً ایک بہت ہی تیز درد اٹھ گیا ہو۔

کموّ دنی ڈر گئی۔ پوچھا، " چھوڑدا کی طبیعت تو کہیں خراب نہیں ہو گئی ؟

" نہیں وہ اچھا ہی ہے ؟"

" چٹھی میں کیا لکھا ہے انھوں نے ، بتاؤ نا دادا ! "

" یہی پڑھنے لکھنے کے متعلق باتیں ہیں "

ادھر کچھ دنوں سے بپرداس کموّ کو سبودھ کے خطوط پڑھنے نہ دیتا۔ ادھر اُدھر سے

---

[1] دادا۔ بھیا۔ [2] چھوڑدا۔ چھوٹے بھیا۔

کچھ ٹکڑے سنا دیتا۔ ابکے اتنا بھی نہ کیا۔ خط مانگ لینے کی ہمت کمّو کو نہ ہوئی ـــ دل دھڑکنے لگا۔

شروع شروع میں سبودھ نہایت سمجھ بوجھ کے سنبھل سنبھل کے اپنا خرچ چلاتا۔ گھر کی مصیبت اس وقت تک دماغ میں تازہ تھی۔ اب گھر کی حالت کی یاد جتنی مدھم پڑتی جا رہی تھی، خرچ اتنا ہی زیادہ بڑھتا جا رہا تھا۔ لکھتا کہ بڑوں کی طرح رہے بغیر یہاں کی اونچی سوسائٹی تک رسائی ممکن نہیں۔ اور اگر یہی نہ ہو سکا تو پھر ولایت آنا ہی بیکار ہو گا۔

اسی شکنجے میں پھنس کر ہیرا داس کو دو تین بار کافی موٹی موٹی رقمیں اس کے پاس بھیجنی پڑی تھیں۔ ابکے مطالبہ تھا ایک ہزار پونڈ کا ـــ بہت ہی سخت ضرورت تھی۔

ہیرا داس سر پکڑ کر بولا" اتنی بڑی رقم لاؤں کہاں سے؟ خون پانی کر کے کمّو کے بیاہ کیلئے تھوڑی رقم جمع کر رہا تھا۔ کیا اس پر بھی ہاتھ ڈالنا ہو گا۔ کس کام کی سبودھ کی وہ بیرسٹری جس کی قیمت دینے کے لئے کمّو کی زندگی خراب کرنی پڑے"!

اس رات کو ہیرا داس برآمدے میں دیر تک اِدھر سے اُدھر ٹہلتا رہا۔ اُسے خبر نہ تھی کہ کمودنی کی آنکھوں میں بھی نیند نہیں تھی۔ جب بالکل ضبط نہ کر سکی تو دوڑی ہوئی ہیرا داس کے پاس آ کر بولی" سچ سچ بتاؤ دادا، چھوڑ دا کو کیا ہوا ہے۔ تمہارے پاؤں پڑتی ہوں۔ مجھ سے نہ چھپاؤ!"

ہیرا داس سمجھ گیا کہ اب چھپانے سے کمودنی کے شبہات اور قوی ہو جائیں گے۔ تھوڑی دیر چُپ رہا۔ پھر بولا" سبودھ نے روپے مانگ بھیجے ہیں، اتنے روپے بھیجنے کی سکت اسوقت مجھ میں نہیں۔"

کمودنی ہیرا داس کا ہاتھ تھام کے بولی" دادا ایک بات کہوں خفا تو نہ ہو گے؟

"خفا ہونے کی بات ہوگی تو خفا ہوئے بغیر رہوں گا کیسے۔"

"نہیں دادا، نذاق نہ کرو — میری بات سنو — ماتا جی کے گہنے تو میرے لئے ہی ہیں۔ انھیں کو......

"چپ رہ! چپ بھی رہ! تیرے گہنوں پر کیا ہم لوگ ہاتھ ڈال سکتے ہیں؟"

"میں تو ڈال سکتی ہوں؟"

"نہیں تو بھی نہیں ڈال سکتی! خیر یہ باتیں رہنے دے، اب جا کے چپکی سو رہ۔"

کلکتہ کی صبح ہے۔ کوؤں کی کائیں کائیں اور خاکروبوں کی گاڑیوں کی کھڑکھڑاہٹ کے ساتھ ہی رات ختم ہو چکی ہے۔ دور سے اسٹیمروں اور تیل کے کارخانوں کی سیٹی کی آوازیں آ رہی ہیں۔ مکان کے سامنے ہی ایک آدمی کاندھے پر سیڑھی لٹکائے دیواروں پر ضروری اشتہار چپکاتا پھر رہا ہے۔ دو بیل ایک خالی بیل گاڑی کو گاڑی بان کی ڈانٹ پھٹکار پر بھگائے لئے جا رہے ہیں۔ پانی کے نل سے پانی لینے کے لئے ایک ہندوستانی عورت اور ایک اوڑیا برہمن کے درمیان گالی گلوج کا ہنگامہ برپا ہے۔ بپرا داس برآمدے میں بیٹھا ہے۔ گڑگڑی کی نہال ہاتھ میں ہے۔ سامنے زمین پر بے پڑھا اخبار پڑا ہے۔

کموّ آ کر بولی "دادا! نامت کہنا!"

"اب تو میری آزادی سے پر بھی ہاتھ ڈالنا چاہتی ہے۔ تیرے حکم سے مجھ کو رات کو دن، نا کو ہاں کرنا ہوگا۔؟"

"نہیں یہ بات نہیں، سنو، نا؟ میرے گہنے لے کر اگر تمہاری فکر دور ہو جائے تو۔"

"تجھ کو بڑھیا کچھ یوں ہی تھوڑا ہی کہتا ہوں۔ تیرے گہنے لے کے میری فکریں دور ہو جائیں گی۔ تو نے ایسی بات سوچی کیسے؟"

"یہ تو میں جانتی نہیں۔ مگر تمہاری یہ فکر مندی مجھ سے سہی نہیں جاتی۔"

"فکر کو سوچ سوچ ہی کے دور کیا جا سکتا ہے رے پگلی! اس کو دھو کے دے کر ٹال رکھنے ہی سے مصیبت آتی ہے۔ ایک ذرا صبر کر۔ کوئی نہ کوئی بندوبست کئے دیتا ہوں۔!"

اسی دن کی ڈاک سے اس نے سبودھ کو خط لکھا کہ اس کو روپے بھیجنے کے لئے کمو کے جہیز کے سامان پر ہاتھ ڈالنا ہوگا۔ اور یہ کسی طرح ممکن نہیں۔"

دوسری ہی ڈاک سے سبودھ کا جواب آیا۔ "مجھے کمو کے جہیز کے روپے نہیں چاہئیں۔ آپ میرے حصے کی نصف جائداد بیچ کر مجھے روپیہ بھیج دیں"۔ خط کیساتھ ہی مختار نامہ بھی منسلک تھا۔

یہ خط ہیرا داس کے دل میں تیر کی طرح اتر گیا۔ "سبودھ سے اتنی بیدردانہ چٹھی لکھی کس طرح گئی"! اسی وقت بوڑھے دیوان جی کو بلوایا۔ وہ آئے تو پوچھا، "کریم ہاٹ کا تعلقہ تو بھوشن رائے ٹھیکہ لینا چاہتے تھے نا ہ کتنے روپے دیں گے؟"

دیوان جی بولے، "بیس ہزار تک مل جا سکتے ہیں!"

"بھوشن رائے کو فوراً بلوا بھیجو۔ اس سے باتیں کرنا چاہتا ہوں"۔

ہیرا داس خاندان کا بڑا لڑکا تھا۔ اس کی پیدائش کے وقت اسکے دادا نے یہ پورا تعلقہ اسے خاص طور پر بخش دیا تھا۔ بھوشن رائے بہت بڑے مہاجن تھے بیس پچیس لاکھ روپے کی تجارت تھی۔ ان کی جنم بھومی کریم ہاٹ ہی میں تھی۔ اسلئے بہت دنوں سے وہ اپنے اس گاؤں کو ہتیانا چاہتے تھے۔ بعض بعض دفعہ مالی مشکلات کی وجہ سے ہیرا داس راضی ہو جاتا۔ مگر رعایا وہاں کی رو پڑتی۔ کہتی اس بنئے کو تو ہم لوگ کسی طرح زمیندار نہیں مان سکتے۔ اس لئے یہ تجویز کئی بار عمل میں آتے آتے رک گئی تھی۔ ابکے ہیرا داس نے دل کڑا کر لیا۔ اسے یقین تھا کہ سبودھ کی مانگ

اسی پر ختم نہ ہو جائے گی۔ دل ہی دل میں بولا " خیر اب کے تو میرے اس تعلقہ کی سلامی کے روپے ہی سبودھ کو بھیج دیئے جائیں گے، پھر دیکھا جائے گا۔"

دیوان جی، بپراداس کے منہ پر تو کچھ جواب دینے کی ہمت نہ کر سکے، کموّ کے پاس چپکے سے جا کر بولے، " دیدی! بڑے بابو تمہاری باتیں بہت مانتے ہیں۔ انھیں منع کرو۔ یہ بڑی بے انصافی ہو رہی ہے۔"

بپراداس سے تمام گھر والے محبت کرتے تھے۔ کسی اور کے لئے بڑے بابو اپنی خاص ملکیت تباہ کریں۔ یہ ان سے برداشت نہ ہو سکتا تھا۔

دن چڑھتا گیا۔ بپراداس اسی تعلقہ کے کاغذات لئے سر مغزی کرتا رہا۔ نہ غسل کیا نہ کھانا کھایا۔ کمو نے بار بار اس کو اندر بلوا بھیجا۔ جب نہ آیا تو منہ سکھائے کمرے میں آئی۔ ایک خزاں رسیدہ درخت کی طرح بپراداس اُداس اور پژمردہ بیٹھا نظر آیا۔ کمو کے دل پر ایک تیر سا لگا۔

غسل اور کھانے سے فراغت کر کے بپراداس جب حقّہ کا پیچوان ہاتھ میں لئے پلنگ پر تکیہ سے ٹیک لگا کر نیم دراز ہوا تو کموّ اس کے سرہانے بیٹھ کے آہستہ آہستہ اس کے بالوں پر انگلیاں پھیرتی ہوئی بولی :- " دادا، اپنا تعلقہ تم ٹھیکہ نہیں دے سکتے۔"

" تیرے سر پر کیا نواب سراج الدولہ کا بھوت چڑھا ہے؟ ہر بات میں زبردستی۔"

" نہیں دادا، ہنسی میں بات نہ اڑاؤ۔"

اب بپراداس سے رہا نہ گیا۔ اُٹھ کر سیدھا ہو بیٹھا۔ اور کمو کو سرہانے سے کھینچ کر سامنے بٹھایا۔ پھر رندھے ہوئے گلے کو ذرا صاف کرنے کے لئے کھانس کر بولا۔

" سبودھ نے کیا لکھا ہے۔ جانتی ہے لے یہ دیکھ!"

یہ کہہ کر جیب سے سبودھ کی چٹھی نکال کر کمو کے ہاتھ پر رکھ دی۔ کمو پوری چٹھی پڑھنے کے بعد دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپاتی ہوئی بولی " باپ رے باپ! چھوڑ دا ایسی چٹھی کیسے لکھ سکے؟"

بپر اداس بولا، "جب وہ میری جائداد اور اپنی جائداد میں فرق سمجھنے لگا ہے، تو پھر میں اپنا خاص تعلق کیسے الگ رکھ سکتا ہوں۔ آج اس کا باپ زندہ نہیں۔ مصیبت کے وقت میں اس کو نہ دوں گا تو کون دے گا۔

یہ سُننے کے بعد کمو کچھ اور نہ کہہ سکی۔ خاموشی سے آنسو اس کی آنکھوں سے بہنے لگے۔ بپر اداس پھر تکیہ پر ٹیک لگائے آنکھیں بند کر کے لیٹ گیا۔

بہت دیر تک بھائی کے پاؤں دباتے دباتے آخر کمو بولی " دادا، اماں کے گہنے تو ابھی تک اُنہیں کے ہیں۔ ان کے رہتے ہوئے تم کیوں......"

بپر اداس چونک کر بول اُٹھا، " اتنی بات تو اب تک نہ سمجھ سکی کہ تیرے گہنے بیچ کر اگر سبودھ ولایت میں کھیل تماشے دیکھتا پھرے، تو میں کیا اس کو کبھی معاف کر سکتا ہوں۔ کیا وہ پھر کبھی بھی سر اُٹھا کے چل سکے گا۔ اتنی کڑی سزا تو اسے کیوں دینا چاہتی ہے؟"

کمو چُپ بیٹھی رہی۔ کوئی راستہ اس کی سمجھ میں نہ آیا۔ تب وہ پھر وہی سوچنے لگی جو، اب سے پہلے کئی بار سوچ چکی تھی " —— اس دنیا میں کیا کبھی ناممکن بات ممکن نہیں ہوتی؟ کسی گرہ میں کسی ستارے کی چال میں دفعتاً کیا ایسی تبدیلی نہیں ہو سکتی کہ سب دشواریاں دم کے دم میں دُور ہو جائیں —— ساری رکاوٹیں سامنے سے بالکل ہٹ جائیں؟ ادھر کئی دن سے بہت اچھا شگون نظر آتا تھا۔ اس کی بائیں آنکھ بار بار پھڑک اٹھتی تھی۔ مگر اس کی طرف دھیان دینے کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوتی تھی۔

اب کے وہ اسس شگون کو پکڑ بیٹھی تھی۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ اِس شگون کو اب کے سچّا اور اچھّا ثابت کر ہی کے رہے گی۔

دسواں باب

بادل گھر کے آئے ہوئے تھے۔ بیرا داس کی طبیعت اچھی نہ تھی۔ پلنگ پوش بدن پر ڈالے لیٹے لیٹے اخبار پڑھ رہا تھا۔ کموٗ کی چہیتی بلّی پلنگ پوش کے ایک حصّے پر قبضہ کئے گٹھری بنی نیند کے مزے لے رہی تھی۔ بیرا داس کا کتا اس بلّی کی بدتمیزی کو بہ مشکل برداشت کئے ہوئے مالک کے قدموں کے پاس لیٹا ہوا نیم خوابی کے عالم میں کبھی کبھی غرّا اُٹھتا تھا۔

ایسے ہی میں ایک گھٹک نمودار ہوا۔

"نمسکار!"

"مالک مجھے اچھی طرح جانتے تھے (جھوٹ) آپ اس وقت بچّے تھے۔ میرا نام ہے، نیل منی گھٹک۔ انگ منی گھٹک کا بیٹا ہوں۔"

"ضرورت کیا ہے؟"

"ایک بڑے ہی اچھے گھرانے کے لڑکے کا پتہ لگا ہے۔ آپکے گھرانے ہی کے لایق ہے۔"

بیرا داس اب ذرا سیدھا ہو بیٹھا۔
گھٹک نے راجہ بہادر مدھوسودن گھوشال کا نام بتایا۔

بیرا داس نے حیرت سے پوچھا " ان کے کوئی لڑکا بھی ہے؟"
گھٹک نے دانتوں تلے زبان دبا کے کہا، "نہیں انہوں نے تو ابھی تک شادی ہی نہیں کی۔ بہت بڑی حیثیت ہے۔ اب انہوں نے کاروبار خود سے دیکھنا چھوڑ دیا ہے۔ اب گھر بسانے کی خواہش ہوئی ہے۔"
بیرا داس تھوڑی دیر گڑگڑی سے شوق کرتا رہا۔ پھر دفعتاً جیسے اپنی طبیعت پر زور دے کر بول اٹھا، " ان کی عمر کے جوڑ کی کوئی لڑکی میرے گھر میں نہیں۔"
گھٹک اتنی آسانی سے پیچھا چھوڑنا نہ چاہتا تھا۔ لڑکے کی قصیدہ خوانی طرح طرح سے کرنے لگا۔ لاکھوں کی حیثیت ہے۔ گورنر کے دربار میں انکی رسائی ہے، بہت ہی بارسوخ ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔
بیرا داس چپکا بیٹھا سنتا رہا۔ پھر بے ضرورت ہی زور دیکر بول اٹھا، " عمر میں بہت فرق ہے۔ جوڑ نہیں۔"
گھٹک بولا، " خیر سوچ کے دیکھئے گا۔ میں دو چار دن بعد پھر حاضر ہو جاؤں گا؟"
بیرداس ایک لمبی سانس لے کے پھر لیٹ گیا۔
بھائی کے لئے گرم چائے کی پیالی لئے کمو کمرے میں داخل ہونا چاہتی تھی۔ دروازے کے باہر ہی گمچھے میں لپٹی ہوئی ایک ٹوٹی پھوٹی سی بھیگی چھتری اور کیچڑ میں لت پت تالتلے والا ایک جوڑ کھڑپا دھرا ہوا دیکھ کر رک گئی۔ اندر جو باتیں ہو رہی تھیں ان کا کافی حصّہ اس کے کان میں جا پڑا۔ گھٹک اس وقت کہہ رہا تھا، " راجہ بہادر برس کے اندر ہی اندر مہاراجہ بہادر ہو جائیں گے۔ یہ بات طے ہے، خود لاٹ صاحب کی زبان سے نکلی ہوئی بات ہے۔ اس لئے اتنے دنوں بعد انھیں فکر ہوئی ہے کہ مہارانی کی گدی اب خالی نہیں رکھی جا سکتی۔

آپکے گھرانے کے جو پنڈت ہیں وہ میرے دور کے رشتہ دار ہوتے ہیں۔ انھیں کے پاس لڑکی کی کنڈلی دیکھی تھی۔ ستارے ایکدم مل رہے ہیں۔ میں نے ایک بھی کنڈلی اس جیسی نہیں۔ دیکھ لیجئے گا۔ میں آپ سے کہے دیتا ہوں یہ رشتہ ہوا ہی سمجھئے۔ یہ "پرجاپتی" کا اٹل فیصلہ ہے۔

ٹھیک اسی وقت کمو کی بائیں آنکھ پھڑپھڑ کی۔ نیک شگون کی کیا بے مثال چال ہے۔ رکھنیو اچاریہ نے کتنی ہی بار اس کا ہاتھ دیکھ کر حکم لگایا تھا کہ وہ رانی بنیگی وہی پیشین گوئی اپنی پہچان آپ لے کر آج اس کے سامنے خود سے آحاضر ہوئی ہے اس کے گھرانے کے پنڈت کئی دن ہوئے اپنی سالانہ رقم وصول کرنے کلکتہ آئے ہوئے تھے وہ کہہ گئے تھے کہ ابکے اساڑھ کے مہینے سے برش راشی والے کا ستارہ چڑھتا ہوا ہے، راجگانہ ٹھاٹ نظر آتا ہے۔ عورت کے بھاگ سے دولت حاصل ہوگی۔ دشمن تباہ ہوں گے۔ کچھ خرابی کے آثار بھی ہیں جسمیں پتنی کو دکھ بھوگنا پڑیں گے۔ ممکن ہے مفارقت بھی ہو جائے۔ بپرا داس کی راس بھی "برش راشی" تھی صحت کی خرابی رہ رہ کے ہوگی۔ اس کا ثبوت ابھی سے نمایاں تھا۔ کل ہی رات سردی لگی تھی زکام کے آثار تھے۔ اساڑھ کا مہینہ بھی شروع ہو چکا تھا۔ پتنی کے دکھ بھوگنے اور موت کی بات سوچنے کی ابھی ضرورت ہی نہ تھی۔ اسلئے فی الحال وقت اچھا تھا۔

کمو بھائی کے پاس بیٹھتی ہوئی بولی " دادا ! سر میں درد ہو رہا ہے کیا ؟"

بھائی نے کہا " نہیں تو"

" چلئے تو شاید ٹھنڈی ہو گئی ہوگی ؟ تمہارے کمرے میں کوئی اور آدمی تھا اس لئے اندر نہ آسکی۔"

بپرا داس نے کمو کے چہرے پر ایک نگاہ ڈالی۔ پھر ایک ٹھنڈی سانس کھینچ کر چپکا بیٹھا رہا۔ قسمت کی بیدردی سب سے زیادہ ناقابل برداشت ہوتی ہے۔

وہ سونے کا رتھ تو سامنے لا کھڑا کر دیتی ہے، مگر اس کے پہیے چلنے والے نہیں ہوتے۔ بھائی کے چہرے پر اسی فکر و تردّد کے آثار کمو کا دل دکھانے لگے۔

دیوتاؤں کے دان کے متعلق دادا کو اس قدر شک و شبہ کیوں ہے؟ بیاہ کے مسئلہ میں اپنی پسند کو بھی کچھ دخل ہوتا ہے، یہ فکر کمودنی کے دماغ میں کبھی پیدا نہ ہوئی تھی۔ بچپن ہی سے اس نے یکے بعد دیگرے چار بہنوں کو بیاہی جاتے دیکھا تھا۔ سب اونچی ذات کے برہمن گھرانوں ہی میں گئی تھیں۔ لیکن ذات کے علاوہ ان میں اور کوئی پسند کی بات تو تھی ہی نہیں۔ پھر بھی وہ بال بچوں کے ساتھ اپنے گھر چلا رہی تھیں۔ دن کٹ رہے تھے۔ کبھی کوئی دکھ بھی اٹھانا پڑتا تو یہ نہ سوچ سکتیں کہ اس کے سوا کچھ اور بھی ہو سکتا تھا۔ ماں کیا بچے چُن چُن کے لیتی ہے۔ اچھے ہوں یا بُرے، کپوت ہوں یا سپوت، اسے تو قبول ہی کرنا پڑتے ہیں۔ شوہر کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔ "بدھاتا" تو کچھ دوکان کھول کر بیٹھتے نہیں۔ تقدیر پر کس کا روز چلتا ہے۔

اتنے دنوں کے بعد کمو کی بدنصیبی کے تپتے ہوئے صحرا کو پھلانگتا ہوا اسکے تصور کا راج کمار بھیس بدلے آہی گیا۔ جیسے رتھ کے پہیوں کی آواز اس کے کانوں میں یہ کہہ رہی — ہو کہ "وہ دیکھو وہ آگیا!" اس کے ظاہری بھیس کی ذ جانچ کرنا ہی نہیں چاہتی تھی۔

جلدی جلدی وہ اپنے کمرے میں گئی اور جاتے ہی جنتری کھول کر دیکھی تو آج منورتھ دیتیا[1] تھی۔ گھر کے نوکروں میں کچھ برہمن بھی تھے۔ شام کو انھیں اندر بلا کر پھل کھلائے، حسب حیثیت کچھ نقد بھی دی۔ سب نے آشیرباد دی "تم راجی

---

[1] دلی آرزوئیں پوری ہونے کے لئے برت رکھنے کی تاریخ۔

بن کے رہو۔ دودھوں نہاؤ، پوتوں پھلو۔"

بپرا داس کی بیٹھک میں گھٹک کی دوسری بار آمد ہوئی۔ "شیو! شیو!" چپتے چپتے بڈھے نے جمائی لی۔ اب کے بار فوراً انکار کر دینے کی ہمت بپرا داس کو نہ ہوئی۔ دل میں سوچا "اتنی بڑی ذمّہ داری کیسے لوں! کیسے سمجھوں کہ کمّو کے لئے یہ رشتہ سرے سے بالکل ہی نامناسب ہے؟" پرسوں آخری جواب دینے کا وعدہ کر کے اس نے گھٹک کو اس دن رخصت کر دیا۔

۶

گیارھواں باب

شام کی تاریکی، چھائی ہوئی بدلی اور بارش سے اور زیادہ گہری ہو رہی تھی۔ کمّو کے کمرے میں اسباب کچھ زیادہ تو تھا نہیں۔ ایک چھوٹا سا پلنگ۔ الگنی پر دو تین دُھلی ہوئی ساڑیاں اور چمپئی رنگ کا ایک گچھا۔ ایک کونے میں کٹھل کی لکڑی کا بنا ہوا ایک صندوق تھا۔ اسمیں اس کے روزمرہ کے استعمالی کپڑے تھے پلنگ کے نیچے سبز رنگا ہوا ٹین کا بکس تھا، جس میں پان کے لوازمات رکھے تھے۔ ایک اور بکس میں کنگھی چوٹی کے سامان تھے۔ دیوار میں لگے کاٹھ کے تختوں پر کچھ کتابیں، دوات قلم، خط لکھنے کے کاغذ۔ ماں کے ہاتھ کا بُنا ہوا، باپ کے روزانہ استعمال کا اُونی کارپٹ شو کا جوڑا۔ پلنگ کے سرہانے رادھا اور کرشن کی تصویر لگی ہوئی تھی۔ ایک اور گوشہ میں دیوار سے ٹکایا ہوا ایک اسراج تھا

کمّو نے ابتک کمرے میں روشنی نہیں کی تھی۔ کاٹھ کے صندوق پر بیٹھی کھڑکی کے باہر کی طرف دیکھ رہی تھی۔ سامنے اینٹوں، کلوں، اور مشینوں والا کلکتہ تھا۔ جیسے قدیم زمانے کا برما کی لکڑی سے بنا ہوا کوئی بہت بڑا اژدہا ہو۔ بارش کے دھاروں کے اندر سے دھندلا دھندلا سا نظر آرہا تھا۔ رہ رہ کے اس کے جسم پر بجلی کی چمک کے شرارے پھیل جاتے۔ کمّو کا دل اس وقت اسکی قسمت کی

بنائی ہوئی خیالی دنیا میں تھا۔ وہاں کے لوگ گھر اور دروازے سب کچھ اسکے تصوّر کا بنایا ہوا تھا۔ انھیں کے درمیان وہ ستی لکشمی بنی بیٹھی تھی۔ ہمہ نیاز، ہمہ شوق ہمہ عقیدت، ہمہ خدمت۔ اس کی ماں کی کتاب زندگی کے آخری باب کے صفحہ پر ایک گہری سی سیاہ لکیر بن کر رہ گئی تھی۔ تھوڑی دیر کے لئے وہ اپنے شوہر کے قصور کو برداشت نہ کرسکیں تھیں۔ اپنا ضبط کھو بیٹھی تھیں۔ کمو خود ایسی غلطی کبھی نہ کریگی۔

بیرا داس کے پاؤں کی چاپ سُن کر کمو چونک پڑی۔ بھائی کو دیکھتے ہی بولی

"دادا، چراغ جلادوں۔؟"

"نہیں کمو ضرورت نہیں"۔ کہتا ہوا بیرا داس اسی صندوق کے ایک کنارے پر آبیٹھا۔ کمو جلدی سے نیچے اُتر کر زمین پر بیٹھ گئی اور اس کے پاؤں آہستہ آہستہ دبانے لگی۔

بیرا داس محبّت بھرے لہجے میں بولا "بیٹھک میں باہر کا ایک آدمی تھا۔ اس لئے تجھے بلا نہ سکا۔ تو اتنی دیر سے اکیلی ہی بیٹھی ہے نا؟"

کموُ شرماتی ہوئی بولی۔ "نہیں تو بہت دیر سے کھیما پھوپھی بیٹھی تھیں، ابھی تو گئی ہیں"۔ پھر بات ٹالنے کے لئے کہا "بیٹھک میں کون آیا تھا دادا!"

"یہی بات تو میں تجھ سے کہنے آیا ہوں، اس سال جیٹھ کے مہینے میں تو نے اٹھارہ برس پورے کر کے انیسویں میں قدم رکھا۔ سمجھی؟"

"ہاں دادا سمجھی تو! لیکن کیا کوئی قصور ہوا؟"

"قصور کی بات نہیں۔ آج نیل منی گھٹک آیا تھا۔ میری اچھی بہن، شرما مت اتنا۔ بابوجی زندہ تھے، جب تیری عمر دس سال کی ہوگی، تو میری شادی طے ہو چکی تھی، ہو جاتی تو تیری مرضی معلوم کرنے کی راہ کوئی نہ دیکھتا۔ لیکن آج میں تو ایسا نہیں کرسکتا۔ راجہ مدھو سودن گھوشال کا نام تو نے سُنا ہوگا۔ ذات کے معاملے میں وہ

لوگ چھیڑتے نہیں۔ لیکن عمر میں تجھ سے بڑا تفاوت ہے۔ میں کسی طرح راضی نہیں ہوسکتا۔ اس وقت تیری زبان سے ایک لفظ بھی سُن لوں تو صاف جواب دیدوں دیکھ شرم سے کام نہ لے کمّو!"

"نہیں شرماؤنگی نہیں!" کہکر وہ کچھ دیر چُپ رہی۔ پھر بولی "جن کا ذکر تم کر رہے ہو انکے ساتھ میری بات پکّی ہوئی ہی سمجھو۔" یہ اسی گھٹک کی بات کی آوازِ بازگشت تھی۔ نہ جانے کب اور کس طرح یہ بات اس کے دل کی گہرائیوں میں اُتر گئی تھی۔

بیرا داس حیران ہوکر بول اُٹھا، "کیسے پکّی ہوگئی؟"

کمّو چپکی بیٹھی رہی۔

بیرا داس اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا، "دیکھ لڑکپن نہ کر کمّو!"

کمودنی نے کہا، "لڑکپن نہیں کر رہی ہوں دادا! ایک ذرا بھی نہیں! تم نہیں سمجھ سکتے۔"

بھائی سے اس کو گہری عقیدت تھی۔ لیکن وہ تو غیبی آواز کو مانتا ہی نہیں۔ کمودنی جانتی تھی کہ یہیں پر اس کے بھائی کی نگاہ کوتاہی کرتی ہے۔

بیرا داس نے کہا، "تو نے ان کو دیکھا نہیں۔"

"نہیں دیکھا تو کیا ہوا۔ ٹھیک سے پہچان لیا ہے میں نے۔"

بیرا داس اچھی طرح جانتا تھا کہ یہی وہ مقام ہے جہاں بھائی بہن کے درمیان ناپیداکنار فاصلہ ہے۔ کمو کے دل کے اندر والے اس اندھیرے محلّے پر بھائی کا کوئی عمل دخل نہ تھا۔ پھر بھی بیرا داس نے اور ایک بار کہا، "دیکھ کمّو! یہ ساری زندگی کا سودا ہے۔ بے سمجھے بوجھے کھٹ سے کوئی خیالِ خام اپنے دل میں نہ جمانے"

کمّو بے چین ہوکر بول اٹھی "خیالِ خام نہیں دادا۔ میں تمہارے قدم چوم کے

کہتی ہوں کہ کسی اور کے ساتھ میں بیاہ کر ہی نہیں سکتی"

بیرا داس چونک پڑا۔ جہاں دلیل و عقل سے کوئی سروکار نہ ہو، وہاں بحث کی جائے تو کس بُنیاد پر۔ اماوس کی اندھیاری کیساتھ کُشتی تو نہیں لڑی جا سکتی بیرا داس سمجھ گیا کہ ہونہ ہو کوئی غیبی اشارہ کمّو اپنے دل میں جما بیٹھی ہے۔ بات بھی یہی تھی۔ آج ہی صبح کو اس نے اپنے دیوتا کو مخاطب کر کے دل ہی دل میں کہا تھا "یہ جو رنگ رنگ کے بے جوڑ پھول ہیں۔ ان کا جوڑ ملاتی ہوں۔ آخر میں جو پھول بچ رہے گا اس کا رنگ اگر ٹھاکر (دیوتا) کی طرح نیلا ہوا تو یہ سمجھوں گی کہ ٹھاکر کی مرضی یہی ہے"۔ سب سے آخر والا پھول نیلا ہی نکلا سوسن کی کلی تھی۔

دور سے ملک خاندان کے مندر سے، شام کی آرتی اُتارنے کے لئے پیتل کے گھنٹے کی آواز آئی۔ کمو نے ہاتھ جوڑ کے پرنام کیا۔ بیرا داس دیر تک چُپ بیٹھا رہا۔ بجلی رہ رہ کے چمک رہی تھی۔ بارش تھمنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔

؛؛

بارھواں باب

بہرا داس نے کئی بار کمودنی کو سمجھانے کی کوشش کی۔ کموّ نے کوئی جواب نہ دیا۔ چپکی بیٹھی آنچل کا کونہ مروڑتی رہی۔

بیاہ کی بات پکی ہوگئی۔ صرف ایک بات پر طرفین میں کچھ رد و قدح چلتی رہی۔ یہ کہ بیاہ ہو کہاں۔ بہرا داس کی خواہش تھی کہ کلکتہ ہی میں ہو مدھوسودن کی ضد تھی کہ ہو تو نور نگر ہی میں ہو

لڑکے والوں ہی کی بات رہی۔

انتظام کے لیئے کچھ دن پہلے ہی سے نور نگر آنا پڑا۔ بیساکھ اور جیٹھ کی تپش کے بعد اساڑھ کے دو ڈونگڑے برسے تو تپتی ہوئی زمین پر دیکھتے ہی دیکھتے ہریالی چھاگئی۔ کمو کی زندگی پر بھی اندر باہر ایک نئے قسم کا رنگ آگیا۔ اپنے تصور کے پیدا کیۓ ہوئے آدمی سے ہونے والی ملاقات کی خوشی، اس کے دل میں رہ رہ کے لہریں

مارنے لگتی۔ موسم خزاں کی سنہری روشنی، آنکھوں ہی آنکھوں میں اس سے باتیں کرتی۔ بہت ہی قدیم زمانے کی حکایات دِل سونے کے کمرے کے سامنے کمُو مُرمُرے بکھیر دیتی۔ چڑیاں آتیں اور چُگنے لگتیں۔ روٹی کے ٹکرے ڈال دیتی۔ حیران آنکھیں لئے گلہریاں اِدھر اُدھر دیکھتی دوڑتی آتیں۔ اور دُم کی ٹیک لگاکر کھڑی ہوجاتیں۔ سامنے کے پنجوں سے روٹی کے ٹکرے اٹھاتیں اور کُترکُتر کے کھانے لگتیں۔ کمودنی آڑ میں بیٹھی خوش خوش دیکھتی رہتی۔ اس کی دل کی دنیا میں آج کل دکھنی ہوائیں چل رہی تھیں۔ سہ پہر کو ہاتھ پاؤں دھونے خانہ باغ کی باؤلی میں جاتی، تو گلے تک پانی میں ڈوبی پہروں چُپ چاپ بیٹھی رہتی۔ ایسا معلوم ہوتا کہ پانی اس کے انگ انگ سے گفتگو کررہا ہے۔ دن ڈھلے سورج کی آڑی کرنیں پچھم طرف رنگترے کی ڈالیوں میں سے گذرتی ہوئی گہرے سیاہ رنگ کے پانی پر پڑتیں تو سنہری لکیروں کی طرح جھل مِل جھل مِل کرتی نظر آتیں۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے دیکھتی رہتی۔ اسی دھوپ چھاؤں میں اس کے سارے جسم کے اندر ایک ناقابل بیان مسرت کی کپکپی سی پیدا ہوجاتی۔ دوپہر کو مکان کی کھلی چھت کی مہتابی پر اکیلی جا بیٹھتی۔ سامنے ہی جامن کے درخت سے فاختہ کی کوکو کانوں میں آتی رہتی۔ اس کی جوانی کے مندر میں جس دیوتا کے قدم آگئے تھے اس کی خیالی تصویر رادھا اور کرشن کی یکجا تصویر کا حُسن سمیٹے لے رہی تھی۔ چھت پر ہاتھ میں اسراج لئے بیٹھتی اور دھیرے دھیرے بھائی کی سکھائی ہوئی بھوپالی راگنی بجاتی اور گنگناتی۔

میرے گھر آئے پریتم پیارے
رگ رگ میں دوڑے پریم کے دھارے

رات کو بستر پر بیٹھتی تو پرنام کرتی۔ صبح کو سوکر اُٹھتی تو پرنام کرتی۔ کس کو پرنام کرتی ہے یہ صاف نہ کھلتا۔ لیکن ایک اندھی۔ عقیدت کا جوش اس میں اُبلا پڑتا تھا۔

لیکن تصور کی بنائی ہوئی مورتی کے مندر کے پٹ تو ہمیشہ ہی بند نہیں رہ سکتے .... سرگوشیاں کرنے والی سانسوں کی گرمی، اور بے چینی، جب اس مورتی کے حسن پر وار کرنے لگتی، تو پھر دیوتا کے رُوپ کا دھیان قائم کیسے رہ سکتا۔ پجارن کے لیے وہی گھڑی بڑی کٹھن ہوتی۔

ایک دن تیلنی پاٹا کی ایک بڑھیا تینکوڑی نامی گھر میں آئی اور کمودنی کے منہ پر بول بیٹھی "ہماری کمو کی قسمت میں راجہ بھی جُڑا تو کیا۔ وہی جو بیراگینن گاتی پھرتی ہیں نا

کتّوں کا سیاروں کا اجاڑ اہوا اک بن۔!
کٹ چھنٹ کے بنا ہے میرے راجہ کا سنگھاسن

یہ راجہ بھی ویسے ہی گیدڑوں کے اُجاڑے ہوئے بن کا راجہ ہے۔ ارے وہی رجب پور والے آنند منشی کا لڑکا مدھو۔ دیس میں جب کال پڑا تو برما سے چاول منگا منگا کے بیچ بیچ کے دو پیسے کمالئے۔ پھر بھی بڑھیا ماں بے چاری کی

ہڈی کھانا پکاتے پکاتے گھس گئی۔

عورتیں راز جوئی کے لیے بے چین ہو کر تین کوٹی کے گرد آ بیٹھیں اور اُسے گھیر کے پوچھا "لڑکے کو تم جانتی ہو کیا؟"

"جانوں گی نہیں۔ اس کی ماں تو ہمارے ہی محلہ کی لڑکی تھی۔ پروہت چکرورتی کے گھرانے کی (ذرا نیچی آواز کر کے) سچی بات کہوں بچیتون۔ اچھے برہمن گھرانوں میں ان لوگوں کی شادی وادی نہیں ہوتی تھی۔ خیر ہٹاؤ اس بات کو، لکشمی دیوی تو ذات پات کا بچار نہیں کرتیں!"

یہ پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ کمودنی کا دماغ اس موجود زمانے کے مطابق نہ تھا۔ ذات پات اور خاندانی شرافت و نجابت اس کی نگاہ میں ایک نہایت ہی اہم بات تھی۔ دل جتنا فکر ہوتا اتنا ہی زیادہ ان لوگوں پر اسے غصہ آتا، جو اس قسم کی ذلیل باتیں کرتیں۔ کمرے سے اُٹھ کر باہر چلی جاتی۔ رو پڑتی۔ سب ایک دوسرے کی چٹکی لیتیں۔ اور کہتیں "اُفوہ، ابھی سے اتنا درد۔ یہ تو ستی ساوتری سے بھی بڑھ گئی۔"

بپرا داس کا مزاج موجودہ زمانے کا پروردہ تھا۔ پھر بھی ذات اور خاندان کی بدنامی کا خیال اس کو بھی آ ہی جاتا۔ اس لیے اس نے بھی افواہ کو دبانے کی پوری کوشش کی لیکن جیسے پھٹے ہوئے تکیے کو دبانے سے روئی اور زیادہ نکل آتی ہے۔ وہی انجام اس کی کوششوں کا بھی ہوا۔

اِدھر گاؤں کے ایک بوڑھے رعیت دامودر بسواس سے یہ خبر ملی کہ بہت دنوں پہلے گھوشال خاندان نور نگر کے پاس والی بستی شیوا کلی کا مالک تھا۔ اب وہ بستی چیٹرجی خاندان کے قبضہ میں تھی۔ پوجا کے موقعہ پر "مورتی بھسان" کے سلسلے میں مقدمہ بازی ہوئی تو مورتی کے ساتھ ساتھ گھوشال خاندان کا بھی پوری

طرح "بھسان" ہوگیا۔ مالک نے نہ جانے کیا تدبیر کی کہ گھوشال گھرانے کو صرف خانہ بدر ہی نہیں سماج بدر بھی ہونا پڑا۔ یہ بیان کرتے کرتے دامودر کے چہرے پر فخر کی سرخی دوڑ جاتی۔ گھوشال خاندان والے ایک زمانہ میں چیڑجی خاندان والوں کے ہم پلہ ہم ذات اور ہم حیثیت تھے۔ یہ تو ایک اچھی خبر تھی۔ لیکن ہیرا داس کے دل میں یہ دغدغہ ہوا کہ کہیں یہ شادی بھی اسی پرانے عناد کے تحت نہ ہو؟

تیرھواں باب

اگھن کے مہینے میں بیاہ تھا۔ ۲۵۔ آسن کو لکشمی پوجا ہوچکی تو دفعتاً آسن کی ستائیسویں کو گھوشال کمپنی کے انجینیرنگ شعبہ کے اوورسیر صاحب ڈیرے، خیمے اور دوسرے ساز و سامان لئے آپہونچے۔ ان کے ساتھ ساتھ ایک ٹولی بیچارے مزدوروں کی بھی۔ آخر ماجرا کیا ہے؟ شیوا کلی میں "گھوشال دیگھی" کے کنارے خیمہ ڈالا گیا۔ اس لئے کہ براور براتی کچھ دن پہلے ہی سے آکے وہاں ٹھہرینگے۔

"یہ کیسی بات ہے؟" بیرا داس نے کہا، "وہ جتنے آدمیوں کے ساتھ آنا چاہیں آئیں، جتنے دن ٹھہرنا چاہیں ٹھہریں۔ سارا بندوبست ہم لوگ کردیں گے۔ خیمے ڈیرے کی کیا ضرورت ہے۔ ہمارا تو اپنا مکان ہے۔ اسے خالی کئے دیتے ہیں۔"

اوورسیر صاحب بولے، "مہاراجہ بہادر کا یہی حکم ہے۔ تالاب کے چاروں طرف جنگل جھاڑی صاف کردو۔ آپ زمیندار ہیں، آپ سے اجازت چاہتا ہوں۔"

بیرا داس کا چہرہ سرخ ہوگیا۔ "کیا یہ مناسب ہے؟ جنگل تو ہم لوگ بھی صاف کرا دے سکتے ہیں۔"

اوورسیر نے بہت ہی عاجزانہ لہجے میں عرض کی، "اسی جگہ پر ہمارے

مہاراجہ بہادر کے بزرگوں کا مکان تھا۔ اس لئے انکو یہ شوق ہوا ہے کہ اس جگہ کو وہ خود اپنے طور پر صاف کرالیں۔"

بات کچھ ایسی نامناسب نہ تھی۔ لیکن برادری والوں نے نکتہ چینی شروع کردی۔ رعایا کہنے لگی" یہ ہمارے مالکوں پر چوٹ کرنے کی تدبیر ہے۔ تجوری جو دفعتًا پھول گئی ہے، تو اسے دبائے رکھنا مشکل ہو گیا ہے۔ اسی کا ڈھنڈھورا پیٹنے کے لئے ہی تو یہ سارا ہنگامہ کھڑا کیا جارہا ہے۔ پہلا زمانہ ہوتا تو دولہا برائی اور یہ سارا سازوسامان دم کے دم میں غرقاب کرتے دیر نہ لگتی۔ چھوٹے بابو ہوتے تو وہ کبھی برداشت نہ کرسکتے۔ دیکھا جاتا کہ یہ بابو یہ تنبو ٹمبو کہاں گاڑتے ہیں!"

گاؤں کی پرجا نے بیرا داس سے آکر عرض کی" جو خرچ ہو، ہم لوگ ہی برداشت کریں گے۔"

چھ آنہ پٹی کے مالک نب گوپال آکر بولے" خاندان کی بے عزتی نہیں سہی جاسکتی۔ ایک دن ہمارے ہی پرکھون نے گھوشال خاندان کی اینٹ سے اینٹ بجادی تھی۔ آج وہ لوگ ہمارے ہی علاقہ پر چڑھ آئے ہیں، روپے کی شان دکھلانے کوئی پرواہ نہیں دادا۔ جو بھی خرچ ہوگا دیکھا جائے گا۔ ہم لوگ تو موجود ہیں۔ جائیداد کا بٹوارہ ہوا ہے، خاندان کی عزت کا تو بٹوارہ نہیں ہوا۔"

اتنا کہہ کے نب گوپال سب کو ٹھیل ٹھال کے خود ہی کرتا دھرتا بن بیٹھے۔

بیرا داس کئی دن سے کمّو کے پاس نہ جاسکا تھا۔ اس کے چہرے پر نگاہ ڈالنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ کمّو کے سامنے دولہا والوں کی اس جسارت کا ذکر کوئی ذرا دبا کے کرتا اتنی شرافت، اتنی ہمدردی بھلا برادری والوں میں کا ہے کو ہوتی۔ بلکہ اس کے سامنے تو لوگ اور بڑھا چڑھا کے کہتے۔ عورتوں کو غصہ اسی غریب پر آتا۔ اسی کے سبب خاندان کا سر نیچا ہوا۔" ہونہہ! مہارانی ہونے چلی تھیں۔ کیا

شان ہے راجہ صاحب کی ؟"

خاندان شرافت والی بات تو کمو نے اپنی عقیدت کے زور سے دبا رکھی تھی لیکن سسرال والوں کا یہ رویّہ ، یہ دولت کی شان دکھلانے والا اوچھا پن اس سے بھی کسی طرح سہا نہ گیا۔ دل کھٹا ہو گیا۔ اب وہ ہمیشہ لوگوں سے دُور دُور رہنے کی کوشش کرتی۔ گھوشال خاندان کی ذلت تو اب اس کی ذلت تھی۔ بھائی کی زبان سے کچھ سننے کے لئے اس کا دل بے قرار تھا۔ لیکن بھائی سے ملاقات ہی نہیں ہوتی تھی۔ وہ تو اب کھانا کھانے کو بھی اندر نہ آتا تھا۔

ایک دن بپرا داس زنانخانہ کے پائیں باغ میں باورچی خانہ کے لئے جگہ ڈھونڈھتے آنکلا۔ دفعتاً پائیں باغ کے تالاب کے گھاٹ پر سب سے نیچی سیڑھی پر کمو سر جھکائے پانی کی طرف ٹکٹکی لگائے بیٹھی نظر آئی۔ بھائی کو دیکھتے ہی فوراً اُوپر آئی اور آتے ہی رُندھی رُندھی آواز میں بولی "دادا ! کچھ بھی سمجھ میں نہیں آتا ؟" یہ کہہ کے مُنہ پر آنچل ڈال کے پھُوٹ پھُوٹ کر رونے لگی۔

بھائی دھیرے دھیرے اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتا ہوا بولا "لوگوں کی باتوں پر دھیان نہ دے بہن !"

"لیکن وہ لوگ یہ کیا کر رہے ہیں ؟ اس سے کیا تم لوگوں کی بدنامی نہ ہوگی؟"

"کچھ ان کی طرف سے بھی تو سوچ کے دیکھ ! اپنے پُرکھوں کی جنم بھومی پر آ رہے ہیں۔ بھلا دھوم نہ کریں گے۔ بیاہ کے مسئلے سے ذرا اس بات کو الگ کر کے دیکھ !"

کمو چُپ رہی۔ بپرا داس سے رہا نہ گیا۔ بیتاب ہو کر بول اٹھا "اگر تیرے دل میں ایک ذرا بھی کھٹکا ہو تو بیاہ کی بات میں ابھی ختم کر دوں !"

کمو دنی تڑپ کر بولی "چھی چھی ! ایسا بھی کہیں ہوتا ہے ؟"

انترجامی[1] کے سامنے تو بیاہ کی حقیقی گانٹھ پڑ چکی۔ جو کچھ باقی ہے وہ تو بس ظاہر کی رسمیں ہیں!"

بیرا داس یہ حد سے بڑی ہوئی عقیدت مندی دیکھ کر مضطرب ہو اُٹھا۔ بولا "دونوں طرف خلوص اور سچائی ہو، جبھی بیاہ کا بندھن بھی سچا ہوتا ہے۔ سریلا سے سریلا اسراج بھی بیسُرا ہو کر رہ جاتا ہے، اگر بجانے والی انگلیاں بے سُری ہوں۔ دیوبالا کی طرف نگاہ ڈال کے دیکھ۔ جیسی سیتا تھیں، ویسے ہی رام تھے۔ جیسے مہادیو تھے، ویسی ہی ستی، جیسی آرندھتی تھیں، ویسے ہی بشسٹ۔ آجکل کے جو بابو لوگ ہیں وہ خود تو اپنے اندر کوئی بڑائی رکھتے نہیں، اس لئے وہ عورتوں ہی کے لئے یکطرفہ پاکیزگی اور پتی ورتا کا غل مچاتے پھرتے ہیں۔ اپنی طرف سے مشعل میں تیل تو دیتے نہیں، اور مشعل کو حکم دیتے ہیں کہ جلتی رہ۔ وہ بیچاریاں بے تیل ہی کے جل جل کے راکھ ہوئی جاتی ہیں۔"

کمو کو یہ سب کچھ سمجھانا بیکار ہی تھا۔ وہ تو ابھی سے دل ہی دل میں زور زور سے جپنے لگی تھی کہ وہ اچھے ہوں یا بُرے، ہمارے لئے تو سب کچھ ہیں ؎

دکھ میں پامرد، سُکھ سے بے پروا
طیش اور خوف میں پڑے نہ ذرا

صرف رشی دھرم کا ہی نہیں ستی دھرم کا بھی یہی مسلک ہے۔ اس دھرم میں سکھ اور دُکھ دونوں ہی ابدی اور لامتناہی ہیں۔ اسمیں نہ غم و غصہ ہے، نہ خوف و ہراس، اور محبت؟ —— تو اس کی کون سی ایسی ضرورت ہی ہے۔ محبت میں تو دینے پانے کا حساب ہوتا ہے۔ عقیدت اُس سے اُونچی ہے۔ اسمیں تو صرف نذر دینے

---

[1] عالم الغیب

کا سوال ہے، لینے کا نہیں۔ نیاز ہی نیاز ہے۔ ناز کی گنجائش نہیں۔ ستی دھرم تو ترکِ ذات ہے، جسے انگریزی میں "امپرسنل" کہتے ہیں۔ مدھوسودن کی ذات میں عیب ہو سکتے ہیں۔ "سوامی" نام کا جو ایک تصور ہے، وہ تو ماورائے جسم و جسمانیات ہے۔ بالکل ہی منزہ و مقدس۔ اسی پاکیزہ تصور کے خیالی روپ کے سامنے کمودنی نے اپنے پورے وجود کو بطور نذر پیش کر دیا۔

چودھواں باب

گھوشال دیگھی کے کنارے کا جنگل صاف ہو گیا۔ اس طرح کہ وہ جگہ اب پہچانی بھی نہ جاتی تھی۔ پورا میدان بالکل مسطح ہو گیا تھا۔ بیچ بیچ میں سرخی مے بنے ہوئے رنگین راستے تھے۔ راستوں کے کنارے روشنی کے لئے ستون۔ تالاب کے اندر جو سوار وغیرہ کا جنجال تھا سب ہٹا دیا گیا تھا۔ گھاٹ کے کنارے دو نئی نئی ولایتی کشتیاں چمکتے ہوئے بادبانوں سے آراستہ۔ ان میں سے ایک کشتی پر لکھا تھا۔ "مدھومتی" اور دوسری پر "مدھوکری"۔ جس خیمہ میں راجہ بہادر بذات خود رونق افروز ہونے والے تھے۔ اس کے سامنے ہی زرد بانات، اور سرخ ریشم سے "مدھوچکر" لکھا ہوا ایک چوکھٹا لگا ہوا تھا۔ ایک اور خیمہ تھا زنانہ محل سرا کے لئے وہاں سے گھاٹ کی آخری سیڑھیوں تک، چٹائی کی دیواریں کھڑی کر دی گئی تھیں۔

گھاٹ کے اوپر ایک بہت بڑا سا نیم کا درخت سایہ فگن تھا۔ اسی درخت کے تنے پر کھدا ہوا تھا۔ "مدھوساگر" ایک چھوٹے سے قطعہ زمین پر چھوٹے بڑے گملوں میں دو رویہ سورج مکھی، رات کی رانی، گیندا، ہزارہ بارہ ماسا بہار لگے تھے۔ دوسری طرف کاٹھ کے بکسوں میں لگے ہوئے ولایتی پھول۔ بیچ میں ایک چھوٹا سا حوض۔ اس کے بیچ میں لوہے کی ڈھلی ہوئی ایک عورت کی ننگی مورت، منہ میں بگل لئے، اسی میں سے

فوارہ چھوٹے گا۔ اس گوشہ کا نام رکھا گیا تھا" مدھو کنج"۔ دروازہ پر کارو گیٹڈ لوہے کے منقش گیٹ۔ اوپر جھنڈا لہرا رہا تھا، جس پر لکھا ہوا تھا" مدھو پوری" غرض یہ کہ چاروں طرف مدھو نام کی چھاپ لگی ہوئی تھی۔ رنگ برنگ کے بانات سے بنے ہوئے شامیانے جا بجا نصب تھے۔ ان کی چوٹی پر رنگین لالٹینیں لگی تھیں۔ دم کے دم میں تیار ہو جانے والے اس طلسمی قلعہ کو دیکھنے کے لئے گاؤں کی خلقت اُمڈی آ رہی تھی ایک طرف جھلکتے ہوئے زرد رنگ اور لال کنارے والی پگڑیاں باندھے۔ زر دوزی کے فیتے لگی ہوئی لال بانات کی وردیاں پہنے، چپراس لگائے چرمر چرمر کرنے والے ولایتی جوتے پہنے اردلی چپراسی گھومتے پھرتے تھے۔ شام کے وقت بندوق کے خالی فیر ہوتے تھے۔ دن رات گھنٹے پہر کے گھڑیال بجتے تھے کچھ اردلیوں کی کمر میں لمبی سی تلوار بھی لٹکی ہوئی تھی جو زمیندار کی زمین کو ٹھوکے دیتی چلتی۔ چٹرجی گھرانے کے پرانے برقنداز میلی، پھٹی، بوسیدہ وردیاں پہنے انکے سامنے گھر سے باہر جاتے بھی شرماتے تھے۔ یہ حال دیکھکر چٹرجی خاندان والوں کے دلوں میں آگ لگ گئی۔ نور نگر کے تنِ مردہ میں جیسے برچھی اتار دی گئی ہو، اور اسی برچھی کی انی پر گھوشال گھرانے کا نشان فتح مندی لہرا رہا ہو۔

بیاہ کی مبارک تقریب کا یہ افتتاح تھا۔

پندرھواں باب

پیرا داس نے رِنب گوپال کو بلوا کر کہا "نب! تقریب کے سازوسامان میں اس طرح حریفانہ مقابلہ کرنا تو گنوارپن ہے۔"

رِنب گوپال نے کہا، "چار منھ والے (دیوتا) نے تو اپنے پاؤں کی ٹھوکر سے چاروں طرف آدمی ہی آدمی پیدا کر دیئے۔ ان کے چار مُنہ شاید صرف بڑی بڑی باتیں ہی کرنے کے لئے ہیں۔ ورنہ جتنے بھی پیدا کئے ہیں ان میں سے تو روپے میں ساڑھے پندرہ آنے آدمی گنوار ہی ہیں۔ ان کے سامنے اپنی عزت سلامت رکھنے کے لئے گنوارپن ہی کا راستہ اختیار کرنا پڑے گا۔"

پیرا داس بولا "اسمیں بھی تم کامیاب نہ ہو سکو گے۔ بہتر یہ ہے کہ سیدھے سادے طریقے ہی سے کام کیا جائے۔ وہی بھلا معلوم ہو گا۔ کوئی اچھا سا برہمن پنڈت بلا کر سام وید کے سادہ طریقوں سے بیاہ کی رسم ادا کر دوں۔ وہ راجہ ہوئے ہیں، کریں سازوسامان۔ ہم لوگ تو برہمن ہیں، ہم لوگوں کو تو دھرم کا طریقہ ہی اختیار کرنا چاہیئے۔"

نب گوپال نے کہا، "دادا! تم زمانہ کو بھول گئے۔ یہ ست جگ نہیں۔ تم پانی پر چلنے والی ناؤ کو دلدل میں چلانا چاہتے ہو۔ تمہاری پرجا ہے۔ بسو سرکار تمہارے تعلقہ دار ہیں۔ بھادو پرمانک ہے، قمر الدین بسواس ہے۔ پانچو منڈل ہیں۔ یہ بھلا

تمہاری اس کچے کیلے اور بھات والے برہمنی طریقے کے کچھ معنی مطلب بھی سمجھیں گے؟
یہ بھی کیا - یاگ یگ کے بیٹے پوتے ہیں۔ ان بیچاروں کے کلیجے پھٹ جائیں گے۔
تم چپکے بیٹھے رہو۔ تمہیں کچھ سوچنے کی ضرورت نہیں۔"

تب گوپال گاؤں والوں کے ساتھ ملکے دوڑ دھوپ کرنے لگے۔ سب نے سینہ ٹھونک ٹھونک کے کہا۔ روپے کی کیا فکر ہے۔ نوکر چاکر، پیک برقنداز، سب کے بدن پر چڑھیں، نئی نئی لال بانات کی چادریں، اور رنگین دھوتیاں۔ ایک بہت اونچا سا نوبت خانہ بھی کھڑا ہو گیا۔ لال کپڑے سے ڈھکا ہوا، جھالریں ٹنگی ہوئی۔ سات کوس دور ہی سے اس کی چوٹی نظر آتی۔ دونوں مالکوں کی کوشش سے چار چار ہاتھی مل گئے ان پر ساز کسے گئے۔ وقت بے وقت، بے مقصد بھی یہ ہاتھی گھوشال دیگھی کی طرف ٹہلا کرتے۔ "جو بھی ہو ہیٹسن کے بوروں کے اندر تو ہاتھی پیدا نہیں ہوتے۔" یہ فقرہ کس کے سب نے قہقہے تو لگا ہی لئے۔

اگھن کی ستائیسویں بیاہ کی تاریخ مقرر ہوئی۔ ابھی بھی دس بارہ دن باقی تھے۔ اتنے ہی میں لوگوں کے منہ سے یہ خبر سنی گئی کہ راجہ بہادر اپنا لاؤ لشکر لئے آرہے ہیں۔ فکر یہ ہوئی کہ اب کیا کرنا چاہیئے۔ مدھوسودن نے ان لوگوں کو کچھ خبر نہ دی شاید یہ سمجھا کہ شریفانہ برتاؤ تو معمولی آدمیوں کا طریقہ ہے۔ اس حالت میں خود ہی گر پڑ کے اسٹیشن جانا اور ان کا استقبال کرنا کیا مناسب ہوگا۔ خبر نہ دینے کا مناسب جواب تو خبر نہ لینا ہی ہے۔

یہ تو درست ہے۔ لیکن اینٹ کا جواب پتھر سے دے کے تو سنسار کے دکھ کم نہیں کئے جا سکتے۔ کمّو کے لئے بپراداس کے دل میں بڑی گہری محبت تھی۔ ایسا

نہو بعد میں کوئی بات اس کے لئے بری پڑے۔ یہ خیال تمام دلیلوں اور معقولیتو ں
سے بالا تھا۔ عورتوں پر ظلم کرنا تو بہت ہی آسان ہے۔ ان بے چاریوں کی پناہ گاہ
تو ہر طرف سے کھلی ہی رہتی ہے۔ سماج نے تو زبردست ہاتھوں ہی میں چابک
تھما دیا ہے۔ جو غیر مسلح ہیں، بے پناہ ہیں، ان کی زخمی پیٹھ کی طرف کوئی قانون کوئی
دستور نگاہ نہیں ڈالتا۔ ایسی حالت میں محبت کی پونجی کو بغض و حسد کے طوفان
میں ڈبو کر، اپنی آن بچانے کی کوشش کرنا، پرلے درجہ کی بزدلی اور نامردی ہے۔
بپرا داس کے دل کا یہی فیصلہ تھا۔

کسی کو خبر دیئے بغیر، بپرا داس گھوڑے پر سوار ہو کر اسٹیشن پہونچا۔ گاڑی آئی
تو شام کے پانچ بج چکے تھے۔ راجہ بہادر اپنے سیلون سے اپنے حشم و خدم کے ساتھ
اترے۔ بپرا داس کو دیکھا تو نہایت ہی خشک انداز میں ایک اچٹتا سا سلام کر کے
فرمایا "یہ کیا! آپ نے خود کیوں تکلیف کی۔"

بپرا داس نے کہا، "خوب! یہ بھی کوئی بات ہے کہ پہلی بار تو آپ نے میرے
گاؤں میں قدم رکھا ہے، اور میں استقبال کے لیئے بھی نہ آتا۔"

راجہ بولا، "آپ غلطی کر رہے ہیں۔ میں آپ کے گاؤں میں تو ابھی آیا نہیں۔ وہ تو
بیاہ کے دن آؤں گا۔"

بپرا داس اس جملہ کا مطلب اچھی طرح نہ سمجھ سکا۔ اسٹیشن کے بھیڑ بھڑکے میں
تو بحث کرنے کا موقعہ نہ تھا۔ اس لئے صرف اتنا کہا:-

"گھاٹ پر بجرہ تیار ہے۔"

راجہ بولے، "ضرورت نہوگی، ہم لوگوں کا اسٹیم لانچ آگیا ہے۔"

بپرا داس سمجھ گیا کہ اخلاق سے پیش آنا ممکن نہیں ہے۔ پھر بھی ایک بار کہا،
کھانے پینے کا سب سامان رسوئی گھر والی ناؤ میں حاضر ہے۔

اتنا ہنگامہ کیوں کیا آپ نے؟ کسی چیز کی ضرورت نہ ہوگی۔ دیکھئے یہ یاد رکھئے کہ میں اپنے پرکھوں کی جنم بھومی میں آیا ہوں۔ آپ لوگوں کے گاؤں میں نہیں آیا۔ آپ کے یہاں آنے کی بات تو بیاہ کے دن کی ہے۔"

بپرا داس کو یقین ہوگیا کہ یہ انسان کسی طرح نرم ہونے والا نہیں۔ اُس کا دل اندر ہی اندر بیٹھ گیا۔ اسٹیشن کے ویٹنگ روم کی آرام کرسی پر جا لیٹا۔ جاڑے کی شام تھی۔ جلد ہی اندھیرا چھا گیا۔ اُتر کی طرف سے گاڑی کی آمد کا گھنٹہ بجا۔ اسٹیشن پر روشنی ہوگئی۔ بپرا داس نے گھوڑے پر سوار ہوکر لگام ڈھیلی چھوڑ دی کہ گھوڑا اپنی مرضی سے چلتا رہے۔ گھر پہونچا تو رات کافی آچکی تھی۔ کہاں گیا تھا۔ کیا ہوا۔ کسی سے کچھ نہ کہا۔

اسی رات کو سردی لگی اور کھانسی شروع ہوگئی، اور رفتہ رفتہ بڑھتی ہی گئی بے پرواہی نے مرض کو اور اُکسایا۔ آخر کار کمُو نے اُسے زبردستی کھینچ کے بستر پہ لٹا دیا۔ شادی کی تقریب کا سارا انتظام اکیلے نب گوپال ہی کے سر آپڑا۔

سولھواں باب

دو دن بعد ہی نب گوپال نے آکر کہا " کیا کیا جائے، دادا! کوئی صلاح دو۔"

بپرا داس نے پریشان ہو کے پوچھا "کیوں! کیا بات ہے؟"

"ان کے ساتھ کچھ انگریز ہیں —— غالباً دلال ہوں گے، یا پھر ولایتی عنبر کے بیوپاری۔ کل بیر پور کے "ترچوند" میں کچھ نہیں تو کم از کم دو سو چڑیاں شکار کر کے کیچڑ سے نکال لے گئے۔ آج جا رہے ہیں "چندن ڈیہہ" کی جھیل پر۔ جاڑے کے زمانے میں وہاں مرغابیاں اور بطیں گرنے کا موسم ہے۔ راکشسوں کی طرح "جیو ہتیا" کریں گے۔ اھیراون[1] مہی راون رھیئر مبار گھٹوت کچ، اپنگ کمبھ کرن ان سب کی پنڈ دینے کا پورا سامان ہے۔ دس منہ والے راون کے جبڑے پکڑ کے پریت لوک تک پہونچنے کا منصوبہ ہے۔"

بپرا داس دم بخود بیٹھا رہا۔ کچھ نہ بولا۔

نب گوپال نے پھر بولنا شروع کیا "تمہیں نے تو حکم دیا تھا کہ اس جھیل میں کوئی شکار نہ کھیلے۔ اس دفعہ ضلع کے مجسٹریٹ کو بھی تم نے روک دیا تھا۔ ہم لوگ

---

[1] ان راکشسوں کے نام جن کا ذکر مہابھارت وغیرہ مذہبی کتابوں میں آئے ہیں۔

تو ڈرتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو، تمہیں بھی راج ہنس سمجھ کر گولی مار دے۔ آدمی شریف تھا چلا گیا۔ لیکن یہ لوگ تو گائے، ہرن، پنکھ، پکھیرو کسی پر بند نہیں۔ پھر بھی اگر کہو تو ایک بار کم سے کم .....“

بیرا داس گھبرا کے بول اُٹھا۔” نہیں، نہیں، کچھ نہ کہنا۔“

بیرا داس ضلع بھر میں شیر کے شکار کے لئے سب سے زیادہ نام آور تھا۔ ایک دن ایک چڑیا کا شکار کرنے کے بعد، اسے ایسا پچھتاوا آیا کہ، علاقہ بھر میں منادی کرادی کہ کوئی چڑیوں کا شکار نہ کرے۔

سرہانے بیٹھے کمّو اس کا سر سہلا رہی تھی۔ جب گوپال جا چکا تو بڑی سختی سے بول اٹھی،” دادا! منع کرا بھیجو۔“

”کیا منع کردوں؟“

”یہی کہ چڑیوں کا شکار نہ کیا جائے۔“

” وہ لوگ کچھ اور سمجھیں گے۔ برا مان جائیں گے!“

” مان جائیں تو مان جائیں! ذلّت و عزّت کا سوال کیا صرف انھیں کیلئے ہے۔“

بیرا داس نے کمّو کے چہرے پر نگاہ ڈالی اور دل ہی دل میں مسکرایا۔ وہ جانتا تھا کہ کمّو بڑے آہنی ارادے کے ساتھ دل ہی دل میں ستی دھرم کی تربیت کر رہی ہے۔ یہ جھنجھلاہٹ یہ بیزاری کیا صرف چڑیوں کی جان کی خاطر ہے!

بیرا داس شفقت بھرے لہجے میں بولا۔” غصّہ نہ کر کمّو۔ میں نے بھی تو ایک دن چڑیا کا شکار کیا تھا۔ اس وقت یہ سمجھا ہی نہ تھا کہ یہ ظلم ہے۔ ان لوگوں کا بھی یہی حال ہے۔“

بڑے جوش و خروش کے ساتھ شکار،” پکنک“ شام کو بینڈ کی آواز کے ساتھ انگریز مشّاقوں کا ناچ چلنے لگا۔ سہ پہر کو ٹینس، پھر تالاب میں کشتیوں پر بادبان چڑھا کے اور بازی رکھ کر کشتیوں کی دوڑ ـــــ یہ تماشے دیکھنے کے لئے تالاب کے کنارے لوگ

آکھڑے ہوتے۔ رات کو ڈنر کے بعد زور شور سے نعرے بلند ہوتے "فور ہی اِز اے جولی گڈ فیلو[*]!"

ان سب جشنوں کے ہیرو ہیروین ہوتے صاحب اور میم صاحب لوگ۔ یہ دیکھ کے گاؤں والے حیران ہوتے۔ یہ لوگ جو شولا ہیٹ سر پر اوڑھے بنسی ڈال ڈال کے مچھلیوں کا شکار کھیلتے تو یہ منظر ان لوگوں کو اور زیادہ حیرت زدہ بناتا۔ دوسری طرف صرف لاٹھی کے کھیل، ناؤ کے چکر، تھیٹر کے تماشے اور چار عدد ہاتھیوں کا جلوس۔ بھلا اُن شاندار جشنوں کا مقابلہ کیا کرتے۔

بیاہ کے دو دن پہلے دلہن کے پاؤں بیٹھنے کی رسم تھی۔ قیمتی گہنوں سے لیکر کھیلنے کی گڑیاں تک دولہا کی طرف سے دلہن کے یہاں سوغات میں آنے لگے تو دیکھنے والوں کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ ان سوغاتوں کے لانے والے نہ جانے کتنے تھے۔ چٹرجی گھرانے نے بھی خوب ہاتھ کھول کے ان لوگوں کو رخصت کیا۔

اس کے بعد گاؤں والوں کی عام دعوت کے سلسلے میں دونوں سمدھیانوں کے درمیان کروکشیتر کی جنگ شروع ہونے کا سامان شروع ہوگیا۔ صبح ہی صبح ڈگڈگی پیٹی گئی کہ مدھوساگر کے کنارے مدھوپوری میں علاقے بھر کی عام دعوت ہے اعلان سنتے ہی نپ گوپال کے تن بدن میں آگ سی لگ گئی۔ یہ کیا ڈھٹائی ہے۔ زمیندار تو ہم لوگ ہیں پھر اس علاقے میں انہوں نے مدھوپوری کہاں سے کھڑی کرلی۔

اس طرف دعوت کا سامان اتنے ہنگاموں کے ساتھ شروع ہوا کہ سارے گاؤں کو معلوم ہوگیا کہ صرف معمولی بھلا ھار نہیں۔ مچھلی، دہی، کھویا، سندیش، گھی، میدہ، شکر بڑے شور وغل کے ساتھ لایا جارہا ہے۔ درختوں کے نیچے بڑے بڑے چولھے جل رہے ہیں

---

[*] ایک انگریزی گیت کا مصرع

ہے۔ پکانے کے لئے بڑی چھوٹی ہانڈیاں ہنڈے، کلیاں۔ گاگریں مٹکے منگیاں بیل گاڑیوں کی قطاریں، آلو بینگن، ساگ سبزی کچے کیلے لادے چلی آرہی ہیں۔ کھانا کھلایا جائے گا، شام کو گیس کی روشنی میں۔

ادھر چیٹرجی گھرانے میں دوپہر کا کھانا تھا۔ رعایا کے دل بادل مل جل کے خود ہی سارا سامان کر رہے تھے۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کے لئے الگ الگ سامان تھا مسلمان پرجا کی تعداد زیادہ تھی۔ پو پھٹنے سے پہلے ہی ان لوگوں نے کھانا پکانا شروع کر دیا تھا۔ کھانے کے سامان زیادہ نہ سہی۔ مگر چیٹرجی گھرانے کی جے کے نعرے چھ گنے زور سے بلند تھے۔ تب گوپال خود ہی شام کے ۵ بجے تک بے کھائے پیئے ایک ایک سے پوچھ پوچھ کے کھلاتے رہے۔ اس کے بعد شروع ہوئی بنگالی برہمنوں کی رخصتی۔

حیثیت دار رعیتوں نے اپنی ہی طرف سے دان دکھشنا کا سامان کر دیا تھا۔ مبارکبادوں اور آشیر بادوں کی آوازوں سے فضا میں ایک طوفان سا آگیا۔

مدھو پوری میں دن بھر کھانے پکتے رہے۔ جنکی خوشبو دور دور تک پھیلی۔ مٹی کے کوزوں، طشتریوں، رکابیوں اور کیلے کے پتوں کا ایک پہاڑ سا کھڑا ہو گیا تھا۔ پھل اور ترکاریوں کے چھلکوں پر کوؤں کی کائیں کائیں نے ایک قیامت برپا کر رکھی تھی۔ رلاج کے کتوں نے بھی ایک دوسرے کو بھنبھوڑ کھانے کے لئے وہ ہنگامہ کر رکھا تھا کہ کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ وقت ہو چکا تھا۔ روشنیاں جل چکی تھیں۔ مٹیا برج کی روشن چوکی اَیمن کلیان اور کیدار اتنک بجا چکی تھی ساتھ والے مصاحبین چہرہ پر اضطراب پیدا کئے رہ رہ کے راجہ بہادر کے پاس آتے اور سرگوشیاں کرے کہ کھانے والے ابتک کافی تعداد میں نہیں آئے۔

آج ہاٹ کا دن تھا دوسرے علاقے کے لوگ جو سودا لینے ہاٹ آئے تھے

ان میں سے اکثر کیلے کے پتے بچھے دیکھ کر بیٹھ گئے۔ چند کنگال اور بھکاری بھی آ نکلے۔

مدھوسودن ایک خالی خیمہ میں اپنا غصہ سے سیاہ چہرہ لئے خاموش جا بیٹھا منہ سے صرف ایک دبی ہوئی "ہونھ" نکلی۔

چھوٹا بھائی رادھو آ کے بولا "اب ٹھہر کے کیا کرو گے؟ چلو۔"

"کہاں؟"

"واپس چلیں کلکتے! ان سبھوں نے مل کے بدمعاشی کی ہے۔ ان سے بڑے بڑے گھرانوں کی لڑکیاں صرف تمہاری انگلی کے اشارے کی منتظر ہیں۔ ایک ہلکا سا اشارہ پاتے ہی قدموں میں ہوں گی۔"

مدھوسودن نے گرج کر کہا "چلا جا یہاں سے

ایک سو سال پہلے جو ہوا تھا۔ وہی آج بھی ہوا۔ اب کے بھی ایک طرف سے ساز و سامان کی چوٹی دوسری طرف والوں کی چوٹی سے بہت اونچی بتائی گئی تھی۔ دوسری طرف والوں نے راستے سے گذرنے نہ دیا۔ لیکن اصل ہار جیت تو باہر سے دیکھی نہیں جا سکتی، وہ تو لوگوں کی نگاہوں سے چھپی ہی رہتی ہے۔

چٹرجی خاندان کی رعایا نے جی کھول کے ہنس تو لیا۔ بپرا داس تو بستر بیماری پر تھا۔ اس کے کان تک کوئی خبر نہ پہونچی۔

سترھواں باب

بیاہ کے دن راجہ کا حکم ہوا کہ دلہن کے گھر جاتے وقت ذرا بھی دھوم دھام نہ ہو۔ نہ روشنی ہوئی نہ باجے بجے۔ صرف اپنے ساتھ اپنے پروہت اور دو عدد بھائیوں کو لیکر پالکی پر خاموشی کے ساتھ دولہا دلہن کے گھر آ پہنچا۔ لوگوں نے فوری طور پر سمجھا بھی نہیں کہ یہ ہوا کیا۔ اِدھر مدھوپوری میں خیموں کے اندر شامیانوں کے نیچے براتیوں نے بینڈ بھی بجایا، شور و غل بھی مچایا۔ قہقہے بھی لگائے۔ کھانا پینا بھی ہوا کھیل تماشے بھی ہوتے رہے۔

تب گوپال سمجھ گیا کہ یہ منہ توڑ جواب ہے۔ ایسی حالت میں دلہن والے براتیوں کی خوشامدیں کرتے ہیں۔ ہاتھ پاؤں جوڑتے ہیں۔ طرح طرح سے خاطر مدارات کرتے ہیں۔ مگر تب گوپال نے کچھ نہ کہا۔ ایک بار پوچھا تک نہیں کہ براتیوں کو ہوا کیا؟"

کمودنی دلہن بن کے بیاہ کی مجلس میں جانے سے پہلے بھائی کے سلام کو آئی۔ اس کا سارا جسم کانپ رہا تھا۔ بیرا اس کو اس وقت ‎١٠٥‎ ڈگری بخار تھا۔ سینہ اور پیٹھ پر رائی اور سرسوں کا لیپ چڑھا ہوا تھا۔ کمودنی نے اس کے قدموں پر سر رکھ دیا۔ اب اس سے رہا نہ گیا، پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی کمیما اپشی نے ہاتھ سے اس کا منہ بند کرتے ہوئے کہا۔ "چھی چھی! اس وقت اس طرح رونا نہیں چاہئیے۔"

بیراداس نے ایک ذرا اُٹھ کے اسے اپنے پاس کھینچ کے بٹھایا۔ پھر کچھ دیر اس کے چہرے کی طرف ٹکٹکی لگا کے چپ چاپ دیکھتا رہا۔ دونوں آنکھوں سے آنسو ٹپکتے رہے۔ یکھا پشی بولیں۔" وقت ہو گیا ہے"

بیراداس نے کمو کے سر پر ہاتھ رکھا اور رندھے ہوئے گلے سے صرف اتنا کہہ سکا۔"سب کو خوش رکھنے والا بھگوان تجھے بھی خوش رکھے!"

اتنا کہہ کے بعد سے بستر پر گر گیا۔

بیاہ کے وقت کمو کی آنکھوں سے برابر آنسوؤں کی جھڑی گرتی رہی۔ دولہا کے ہاتھ میں جس وقت اس کا ہاتھ دیا گیا، تو برف کی طرح ہاتھ ٹھنڈا تھا۔ اور تھر تھر کانپ رہی تھی۔ منہ دکھائی کی رسم کے وقت، کیا اس نے اپنے سوامی کے چہرے پر نگاہ بھی ڈالی تھی۔ شاید دیکھا ہی نہ ہو۔ ان لوگوں کا برتاؤ دیکھ کر اس کے دل میں سوامی کا خوف ہی سما گیا تھا۔ سب کچھ اسی کے نیچے دب گیا تھا چڑیا سمجھ رہی تھی کہ اس کے لئے نشیمن نہیں قفس بنایا جا رہا ہے۔

مدھوسودن دیکھنے میں بدصورت نہ تھا، مگر چہرے پر بڑی سختی اور روکھا پن تھا۔ کالے چہرے پر سب سے زیادہ جو چیز نمایاں تھی وہ چڑیا کی چونچ جیسی مڑی ہوئی لمبی ناک تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے لبوں پر جھکی ہوئی پہرہ دے رہی ہے۔ چوڑے مضبوط ماتھے پر گھنی گھنی بھوئیں جیسے بہتے ہوئے چشمے کو روکنے والی جھاڑیاں اُگی ہیں بھوؤں کے نیچے دونوں تیر جیسی چبھتی نگاہ رکھنے والی آنکھیں مونچھ اور داڑھی دونوں صاف، دبے ہوئے ہونٹ، بھاری ٹھوڑی۔ کڑے کڑے بال حبشیوں کے بال کی طرح گھونگر والے بہت ہی نہیں ترشے ہوئے۔ بھرا بھرا ڈیل جتنا سن تھا اس سے کم معلوم ہوتا تھا۔ صرف کنپٹی کے پاس چند بال پکنے لگے تھے قد ناٹا تھا۔ قریب قریب کمودنی کے برابر۔ دونوں ہاتھوں کی پشت کالے کالے

بالوں سے ڈھکی تھی ۔ یہ ہاتھ پورے ڈیل کے تناسب سے چھوٹے تھے۔ سب کچھ ملا کے دیکھئے تو یہی معلوم ہوگا کہ یہ آدمی نہایت ہی خشک ہے۔ سر سے پاؤں تک جیسے ایک سخت عہد۔ ایک فولادی عزم چھایا ہوا ہے۔ شاید قسمت کے دیوتا کی توپ سے چھوٹ کے ایک گولا نکل آیا ہے جو بس آگے بڑھا ہی جاتا ہے۔ پہلی ہی نظر میں یہ محسوس ہو جاتا کہ اس آدمی کو فضول باتوں، فضول کاموں اور فضول آدمیوں سے سروکار رکھنے کی فرصت نہیں۔

بیاہ کی رسم کچھ اس طرح ادا ہوئی کہ سب کے دل رُندھ گئے۔ دولہا والوں اور دولہن والوں کی یہ پہلی مڈبھیڑ کچھ ایسی بے سُری اور بے ہنگم سی ہوئی کہ اس مبارک تقریب کی ساری خوشی اسمیں گم ہو کر رہ گئی۔ رہ رہ کے کمودنی کے دل میں یہی تکلیف دہ سوال چٹکیاں لے رہا تھا کہ "ٹھاکر نے کیا مجھے دھوکہ دیا؟" اس شبہ کو دبا رکھنے کی وہ جی جان سے کوشش کر رہی تھی۔ کمرہ بند کر کے تنہا بیٹھتی اور بار بار سرٹیک کے پرنام کرتی۔ کہتی "بھگوان دل کمزور نہ ہونے پائے"۔ اس کے لئے سب سے زیادہ کٹھن تھا، بھائی سے ان تمام معاملات کو چھپانا۔

ماں کی موت کے بعد ببرادا اس کی دیکھ بھال، ساری خدمتیں، کمودنی ہی کے ذمہ تھیں۔ کپڑے نکالنا، رکھنا، روزانہ کا خرچ لکھنا۔ کتابوں کی الماری کی صفائی کرنا، گھوڑے کو دانہ کھلوانا، بندوق کا انتظام، کتے کی رکھوالی۔ کیمرا کی درستی، سنگیت کے سازوں کی نگہداشت، سونے اور بیٹھک کے کمروں کے فرش فروش کی جھاڑ پونچھ، غرض سب کچھ کمو کے ہاتھ میں تھا۔ اُسے اُسکی ایسی عادت سی ہوگئی تھی کہ کوئی کام ہو جبتک خود اس کا ہاتھ اس میں نہ لگتا اسے تشفی نہ ہوتی۔ وہی بھائی بستر مرض پر تھا۔ رخصتی سے چند روز پہلے وہ اس کی خدمت اس طرح کرنا چاہتی تھی کہ اس عرصہ میں اسے اپنی ذات کا خیال تک نہ آئے۔ یہ سعی کتنی لاحاصل تھی

کموؔ کے اسراج بجانے پر بپرا داس کو بڑا ناز تھا۔ شرمیلی کموؔ بجانے پر جلدی راضی نہ ہوا کرتی۔ ادھر دو دن سے وہ خود اسراج لئے آ بیٹھتی اور بھائی کی پسند کی راگنی کناڑا، مالکوس بجا کے سناتی۔ اسی الاپ کے اندر ڈوبی ہوئی دیوتاؤں سے اسکی عقیدت تھی، التجائیں تھیں، اُمیدیں تھیں، دغدغے تھے، سپردگی تھی۔ بپرا داس آنکھ بند کئے خاموش سنتا رہتا۔ بیچ بیچ میں فرمائشیں کرتا جاتا۔ سندھو، بہاگ، بھیروی ــــ ان درد بھری راگنیوں کے پردے میں اس کے شکستہ دل کی کراہیں چھپی تھیں ــــ انہیں سروں میں بھائی بہن کے دل کی تڑپ گلے مل رہی تھی۔ زبان سے دونوں نے کچھ بھی نہیں کہا۔ نہ ایک نے دوسرے کو تسلی دی، نہ دل کا درد کہا۔

بپرا داس کا نہ بخار اُترا، نہ سینے کا درد تھما، نہ کھانسی کم ہوئی، بلکہ "مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی"۔ ڈاکٹر نے کہا "انفلوئنزا ہے، ممکن ہے نمونیا کی طرف رُخ ہو۔ بڑی احتیاط کی ضرورت ہے"۔ کموؔ کی پریشانی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ بات طے تھی کہ بیاہ کے دوسرے دن یہاں ٹھہر کے، تیسرے دن کلکتہ واپسی ہوگی۔ لیکن خبر ملی کہ مدھو سودن نے دفعتاً یا ارادہ کر لیا ہے کہ دوسرے دن ہی رخصتی کرا لے جائے گا۔ سمجھ گئی کہ یہ ارادہ کچھ رواج کی پابندی کے لحاظ سے نہیں، کسی ضرورت کے سبب سے نہیں، محبت کی وجہ سے نہیں، بلکہ سزا دینے کے خیال سے بدلا گیا ہے۔ ایسی حالت میں التجا کرنا، اسکی خودداری اور آن پر بجلی گرانا تھا۔ پھر بھی سہاگ رات ہی کموؔدنی نے اپنا سر نیچا کر کے ساری شرم و حیا دور کر کے کانپتے ہوئے لہجے میں شوہر سے درخواست کی کہ کم سے کم دو دن اور اسے میکے میں رہنے دیا جائے۔ تاکہ وہ بھائی کو ایک ذرا بحال دیکھ کے قدرے اطمینان سے جا سکے۔ مدھو سودن نے نہایت ہی مختصر جواب دیا، "سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہو چکا ہے"۔ اس محکم یک طرفہ "ٹھیک ٹھاک" کرنے میں کموؔ کے دلی درد و کرب کا تل بھر بھی لحاظ نہ کیا گیا۔ اسی رات کو

مدھوسودن نے اُس سے گفتگو کرنے کی کوشش کی۔ لیکن ایک بات کا بھی جواب اس نے نہ دیا۔ کروٹ پھیر کے بستر کے ایک کنارے سوئی رہی۔

ابھی اندھیرا ہی تھا۔ چڑیوں کی درد بھری پہلی چہکار سُنتے ہی وہ بستر سے اٹھکر باہر چلی گئی۔

بپرداس ساری رات تڑپتا ہی رہا۔ شام کے وقت بخار کی حالت ہی میں وہ بیاہ کی محفل میں جانے کی ضد کر رہا تھا۔ لیکن ڈاکٹر نے بڑی مشکلوں سے اسے روک رکھا۔ پل پل پر آدمی بھیج کر وہ خبر لیتا رہا۔ یہ خبریں زمانہ جنگ کی خبروں ہی کی طرح زیادہ تر گڑھی ہی ہوتی تھیں۔ بپرداس نے پوچھا "دولہا کب آیا۔ باجے والے کی تو آواز آئی نہیں؟"

خبر دینے والے شبو نے کہا "ہم لوگوں کے جمائی بابو (دولھا بابو) بہت ہی حساس ہیں۔ گھر میں بیمار ہے، اس لئے سب کچھ روک دیا ہے۔ ایسا سکون ہے کہ براتیوں کے پاؤں کی چاپ بھی سنائی نہیں دیتی۔"

"ارے شبو کھانے کا سامان پورا پڑا تھا؟ مجھے تو بس یہی فکر لگی ہوئی تھی؟ یہ تو کلکتہ نہیں ہے نا؟"

"پورا نہیں پڑا؟ یہ کیا کہتے ہیں حضور؟ کتنا ہی پھینکا گیا۔ اور ابھی سیکڑوں آدمیوں کے کھلانے بھر کے لئے بچ رہا ہے۔"

"وہ لوگ خوش ہوئے کہ نہیں؟"

"کسی کی زبان سے ذرا بھی شکایت سننے میں نہیں آئی۔ چوں تک تو کسی نے کی نہیں؟ میں نے کتنی ہی شادیاں دیکھی ہیں۔ براتیوں کی خاطر مدارات کرتے کرتے تو بیچارے گھراتیوں کے حواس بیترا ہو جاتے ہیں۔ یہ لوگ تو ایسے خاموش ہیں کہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ ہیں بھی یا نہیں۔"

"کلکتہ کے لوگ ہیں نا۔ اس لئے شریفانہ طریقے سے واقف ہیں۔ وہ لوگ جانتے ہیں کہ جس گھر سے لڑکی لینی ہے۔ اسکی بے عزتی اپنی بے عزتی ہے"!

واہ، واہ! کیا بات کہی ہے ہجورنے۔ یہ بات ان لوگوں کو سنا دوں گا۔ سن کے بہت خوش ہوں گے۔"

کمّو کل شام ہی کو سمجھی تھی کہ بھائی کا مرض بڑھنے ہی کے رُخ پر ہے۔ بھائی کی خدمت وہ نہ کر سکے گی یہ دکھ اس کے دل میں مرغ تہہ بسام کی طرح پھڑپھڑا رہا تھا۔ اسے یہ یقین تھا کہ اس کی خدمت۔ اس کی تیمارداری اس کے بھائی کے لئے دوا سے زیادہ ضروری ہے۔

نہا دھو کر پوجا کے پھول لئے جب وہ بھائی کے کمرے میں داخل ہوئی اس وقت تک سورج نہ نکلا تھا۔ کسی سخت مرض سے دیر تک جنگ کرنے کے بعد مریض میں جو ایک قسم کی بے کیف تھکن اور دنیا سے ایک قسم کی بے تعلقی سی پیدا ہو جاتی ہے، بیرا داس کے دل پر اس وقت وہی کیفیت طاری تھی۔ زندگی کی ناتوانیاں، گھر بار کی فکر، اس وقت سب کچھ اس کی نگاہوں میں ایک سنسان سپاٹ میدان کی طرح دھندلی سی ہو گئی تھیں۔ رات بھر دروازہ بند تھا۔ ڈاکٹر نے صبح کو پورب طرف کی کھڑکی کھول دی تھی۔ اشوک کے شبنم آلودہ پتّوں کی آڑ سے شنجرفی آسمان پر آہستہ آہستہ صبح کی سفیدی پھیلتی جا رہی تھی۔ پاس ہی ندی میں تاجروں کی کشتیاں بڑے بڑے پیوند لگے بادبان چڑھائے، اس سُرخ آسمان کے نیچے سفید نظر آنے لگی تھیں۔ نوبت خانہ سے نہایت ہی نرم سُروں میں رام کلی کی دھن بجنے کی آوازیں آرہی تھیں۔

پلنگ کے پاس بیٹھ کر کمّو نے اپنے دونوں ٹھنڈے ہاتھوں میں بیرا داس کے تپتے ہوئے ہاتھ لے لئے۔ بیرا داس کا ٹیریر کُتا پلنگ کے نیچے اداس چپ لیٹا ہوا

تھا۔ پلنگ کی پٹی پر کمو کو بیٹھتے دیکھ کر اُٹھ کھڑا ہوا اور اپنے دونوں اگلے پنجے کمو کی گود میں رکھ کر، دُم ہلا ہلا کے درد بھری نظروں سے کچھ پوچھنے لگا۔

ہیرا داس کے دل میں اندر ہی اندر ایک فکر کا دھارا بہہ رہا تھا۔ دفعتاً بیقرار ہو کر بول اُٹھا۔ "بہن! یہ سب کچھ بے حقیقت ہے۔ کون بڑا ہے کون چھوٹا۔ کون اُوپر ہے کون نیچے۔ یہ سب کچھ من گھڑت ہے! لہروں پر بلبلوں میں سے کس کا مقام کہاں ہے، لیکن اس سے کیا ہوتا ہے؟ تو اپنے دل میں آپ سکون پیدا کر لے، پھر کوئی تجھے کوئی گزند نہ پہونچا سکے گا۔"

"مجھے آشیرباد دو دادا۔ مجھے آشیرباد دو" کہہ کر کمو دونوں ہاتھوں سے منہ ڈھانک کر آنسوؤں کو روکنے لگی۔

ہیرا داس تکیئے سے ٹیک لگا کے ایک ذرا اُٹھ بیٹھا اور کمو کا سر جھکا کے ماتھے پہ بوسہ دیا۔"

ڈاکٹر کمرے میں داخل ہو کر بولا "بس کرو کمو دیدی! ان کو بہت سکون اور آرام چاہیئے۔"

کمو نے مریض کے تکیئے ٹھیک کئے، بدن پر گرم چادر اڑھا دی۔ پاس کی تپائی پر جو چیزیں بے ترتیبی سے پڑی تھیں، انھیں ترتیب سے رکھا۔ پھر بھائی کے کان کے قریب جُھک کر آہستہ سے کہا "طبیعت اچھی ہو جائے تو کلکتے چلے آنا دادا۔ وہاں تمہیں دیکھ تو سکونگی۔"

ہیرا داس نے اپنی دونوں بڑی بڑی محبت بھری آنکھیں کمو کے چہرے پر جما کر کہا "کمو! پچھم کے بادل پورب چلے جاتے ہیں، پورب کے پچھم۔ یہ سب ہوا ہی تو کرتی ہے۔ زندگی میں بھی ایسی ہی ہوائیں چلتی ہیں۔ اس حقیقت کو اسی آسانی کے ساتھ مان لے جس طرح بادلوں والی بات کو۔ اب آج سے ہم لوگوں کے متعلق زیادہ

نہ سوچنا۔ جس گھر میں جا رہی ہے اس گھر کی لکشمی بن کے رہنا۔ ہم سب کی یہی دعا ہے اب تجھ سے ہملوگ کچھ اور نہیں چاہتے۔"

بھائی کے قدموں کے پاس کمو سر رکھے سوچتی رہی، "اب آج سے کوئی مجھ سے کچھ نہیں چاہے گا۔ یہاں کی روزانہ زندگی میں اب میرا کوئی دخل، کوئی ہاتھ نہ ہوگا۔" اتنے بڑے افتراق کی بات خواہ ہی تو قبول نہیں کر لی جا سکتی۔ طوفان جب ناؤ کو گھاٹ سے کھینچ کر بہالے جاتا ہے تو لنگر اسوقت مٹی کو پکڑے رہنے کی کوشش کرتا ہے۔ اسی طرح کمو اس وقت بھائی سے بے قراری کے ساتھ چمٹی رہنے کی کوشش کر رہی تھی۔ ڈاکٹر نے پھر آکر کہا، "بس کرو دیدی بس!" اس نے اپنی آنسوؤں سے ڈبڈباتی ہوئی آنکھیں پونچھ ڈالیں۔ کمرے سے باہر آکر دروازے کے پاس پڑے ہوئے تخت پر بیٹھ کر آنچل سے مُنہ ڈھانپ کر چپکے چپکے رونے لگی۔ پھر دفعتاً اسے یاد آیا کہ بھائی کے گھوڑے "بیسی" کو جانے سے پہلے اپنے ہاتھ سے روٹی کھلاوے اس ارادے سے اس نے رات کو گڑ ملا کے روٹی پکا رکھی تھی۔ سائیس آج صبح اُسے پائیں باغ میں چھوڑ آیا تھا۔ کمو نے جاکر دیکھا تو وہ امڑے کے درخت کے نیچے گھاس چرتا پھر رہا ہے۔ دور سے کمو کے پاؤں کی چاپ سُنتے ہی اس نے کان کھڑے کئے اور اسے دیکھتے ہی ہنہنانے لگا۔ بایاں ہاتھ اس کی پیٹھ پر رکھ کر دائیں ہاتھ سے کمو اسے روٹی کھلانے لگی۔ کھاتے کھاتے اس نے ایک بار اپنی دونوں بڑی بڑی کالی کالی محبت بھری آنکھیں کمو کے چہرے پر جما دیں۔ روٹی کھلانا ختم ہوا تو اس نے بیسی کی دونوں آنکھوں کے بیچ ماتھے کو چوما اور اندر چلی گئی۔

اٹھارواں باب

ہیرا داس کو توی اُمیّد تھی کہ انہیں دو دنوں میں کسی وقت مدھوسودن اُسے دیکھنے ضرور آئے گا۔ لیکن جب اس نے ایسا نہ کیا، تو ہیرا داس سمجھ گیا کہ دونوں خاندانوں میں جو شادی کے ذریعہ یہ اتحاد ہوا ہے، وہ دراصل افتراق کی بُنیاد ہے۔ مرض کی شدّت کے باوجود اس نے اس تلخ حقیقت کو بھی نہایت ہی سکون سے برداشت کر لیا۔ ڈاکٹر کو بلا کر پُوچھا "ایک ذرا اسراج بجا سکتا ہوں؟"

"نہیں آج رہنے دیجئے!"

"تو پھر کمّو کو بلا دو۔ وہی تھوڑی دیر بجائے، پھر نہ جانے کب اسے بجاتے سن سکوں گا۔ کون جانے۔"

ڈاکٹر بولا "نو بجے کی گاڑی سے ان لوگوں کو جانا ہے۔ نہیں تو دن رہتے رہتے کلکتہ نہ پہونچ سکیں گے۔ کمو کو اب وقت کہاں؟"

ہیرا داس نے ٹھنڈی سانس بھر کے کہا "ہاں، یہاں اب اس کو وقت کہاں۔ انیس برس تو یہاں بسر کر چکی۔ اب یہاں ایک گھنٹہ بھی اور گذار نہیں سکتی۔"

رخصتی کے وقت دولھا دلہن دونوں سلام کرنے آئے۔ مدھوسودن نے شرافت کو راہ دیتے ہوئے کہا "جبھی تو آپ کے درشن نہیں ہوئے۔ واقعی آپ کی

طبیعت اچھی نہیں!"

ہیرا داس نے اس بات کا کوئی جواب نہ دیتے ہوئے کہا، "بھگوان تم دونوں کو سکھی رکھیں۔"

"دادا اپنی صحت کا ایک ذرا خیال رکھنا!" یہ کہتی ہوئی کمو پھر ایک بار اسکے قدموں پر گر کے رونے لگی۔

لوگوں کی چیخ پکار، سنکھ کی آواز، گھنٹوں کی ٹناٹن اور نوبت خانہ کے سازوں نے بیک وقت مل کر شور کا ایک طوفان سا باندھ دیا۔ وہ لوگ رخصت ہو گئے۔

ایک دوسرے کی چادر اور آنچل میں گانٹھ باندھے جب دولہا دلہن دونوں چلے تو یہ منظر ہیرا داس کی نظر میں نہ جانے کیوں بدنما سا معلوم ہوا۔ پرانے زمانے میں تیمور اور چنگیز وغیرہ نے انسانوں کی ہڈیوں کے مینار بنوائے تھے۔ لیکن یہ جو چادر اور آنچل کا گٹھ بندھن ہوتا ہے، اس کے تیار کئے ہوئے زندگی اور موت کے مینار ہائے فتح اگر ناپے جائیں تو اُن کی چوٹی نہ جانے کس دوزخ سے جا لگے۔ مگر یہ عجیب خیال آج اس کے دل میں کیسے آیا؟"

پوجا پاٹ سے ہیرا داس کو کبھی کوئی دلچسپی نہ تھی۔ پھر بھی وہ آج ہاتھ جوڑ کے دل ہی دل میں دعائیں مانگنے لگا پھر دفعتاً چونک پڑا۔ ڈاکٹر کو بلا کر کہا "ڈاکٹر ذرا دیوان جی کو بلاؤ!"

ہیرا داس کو دفعتاً یاد آ گیا کہ بیاہ کے لئے گاؤں آنے سے کچھ دن پہلے جب وہ سبودھ کو روپے بھیجنے کے لئے پریشان تھا۔ حساب کے کاغذات اُلٹتے پلٹتے۔ دن کے گیارہ بج چکے تھے۔ ٹھیک اسی وقت نہایت پریشان حال حلیہ بنائے ہوئے ایک شخص آیا تھا۔ داڑھی موچھ کئی دن سے نہ بنائی جانے کی وجہ سے بڑھی ہوئی۔ ہڈیاں پسلیاں نکلی ہوئی، پھٹی ہوئی سینڈل پاؤں میں، گلے میں میلی سی چادر لٹکی

سی دھوتی پہنے، نمسکار کرکے بولا تھا، "بڑے بابو! کچھ یاد آتا ہے۔ پہچانا آپ نے؟"
بیرا داس ذرا غور سے دیکھ کر بولا، "تم بیکنٹھ ہو؟ شاید۔"

لڑکپن میں بیرا داس جس اسکول میں پڑھتا تھا۔ اسی سے ملی ہوئی ایک کوٹھری میں، بیکنٹھ اسکول کی کتابیں، کاپیاں، قلم، چھری، گیند بلے، اور ساتھ ہی ساتھ شکر سے پاگی ہوئی موم پھلی بھی بیچتا تھا۔ اس کی کوٹھری بڑے لڑکوں کی خوش گپی کا اڈہ تھی۔ طرح طرح کی گپیں سنانے اور لطیفے گڑھنے میں بیکنٹھ کا کوئی ثانی نہ تھا۔

بیرا داس نے پوچھا، "تمہاری یہ حالت کیسے ہوگئی؟"

کئی سال ہوئے ایک اچھے خاصے کھاتے پیتے گرہست گھرانے میں بیٹی بیاہ دی تھی۔ ان لوگوں کو چونکہ جہیز کی خاص ضرورت نہ تھی۔ اسلئے دولھا کو جہیز زیادہ نہ دینا پڑا۔ بس بارہ سو روپے اور اسی بھر سونے کے گہنوں ہی پر معاملہ چک گیا۔ بیٹی اکلوتی اور چہیتی تھی اس لئے مجبور ہو کے ماننا ہی پڑا۔ ایک وقت کل روپے اکٹھا نہ ہو سکے۔ اس لئے لڑکی کو جلا جلا کر ان لوگوں نے باپ کا خون چوس لیا۔ یعنی پونجی سب ختم ہوئی پھر بھی ڈھائی سو روپے باقی ہی رہ گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لڑکی غریب کو اٹھتے بیٹھتے ذلیل کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی گئی۔ جب حالت برداشت سے باہر ہوگئی تو وہ باپ کے گھر بھاگ آئی۔

جیل کے قیدی نے جیل کے قاعدے کو توڑا اس لئے اس کا جرم اور بھی سنگین ہوگیا۔ اب یہ بقیہ ڈھائی سو روپے پھینک کر بیٹی کو بچا لینے کے بعد ہی باپ کو مرنے کی فرصت مل سکتی تھی۔

یہ کہانی سنکر بیرا داس کے چہرے پر ایک اُداس سی مسکراہٹ آئی۔ معقول طریقہ پر امداد کرنے کی صلاحیت اس میں اس وقت نہ تھی۔ تھوڑی دیر سوچتا

رہا پھر کمرہ میں جا کے تھیلی جھاڑی۔ روپے روپے کے دس نوٹ نکلے، دہی لا کے بیکنٹھ کے ہاتھ پر معذرت کے ساتھ رکھ دیئے اور کہا، "اور دو چار جگہ دیکھو۔ اس سے زیادہ مجھ سے اس وقت ممکن نہیں۔"

بیکنٹھ اس بات پر ذرّہ برابر یقین کرنے کو تیار نہ تھا۔ پاؤں گھسیٹتا واپس گیا۔ سینڈل کی چاپ ہی سے اس کی ناراضی ٹپک رہی تھی۔

اس دن کا یہ واقعہ ہیرا داس کے دماغ سے بالکل نکل گیا تھا۔ آج دفعتاً اسے یاد آ گیا۔ دیوان جی کے آتے ہی حکم ہوا۔ "بیکنٹھ کو آج ہی ڈھائی سو روپے بھیجنے ہونگے"۔ دیوان جی خاموش کھڑے سر سہلاتے رہے۔ صدم صنا میں بے حساب خرچ کر کے بیاہ تو خیر انجام دے دیا گیا۔ لیکن اس کا حساب تو بہت دنوں تک چکانا پڑے گا۔ ایسے وقت میں تو ڈھائی سو روپے۔ بہت بڑی رقم تھی۔

دیوان جی کے چہرے کا انداز دیکھ کر اس نے اپنی انگلی سے ہیرے کی انگوٹھی نکالی اور کہا، "چھوٹے بابو کے نام سے بینک میں جو روپے جمع ہیں انہیں میں سے ڈھائی سو نکال لو۔ میری یہ انگوٹھی اسی کے عوض رہے گی۔ اور دیکھنا روپے کمو کی طرف سے بیکنٹھ کو بھیجے جائیں۔"

انیسواں باب

بیاہ کی رام لیلا کا آخری باب ابھی باقی تھا۔

یہ طے پا چکا تھا کہ صبح سویرے ہی "کشنڈیکا" کی رسم ادا ہو جائے گی تو دولہا دلہن رخصت ہوں گے۔ نب گوپال نے اس کا سب انتظام ٹھیک کر رکھا تھا۔ اتنے میں بیرا داس سے رخصت ہو کے جب راجہ بہادر واپس تشریف لائے تو حکم ہوا: "کشنڈیکا" کی رسم دولہا کے گھر یعنی مدھوپوری میں ادا کی جائے گی۔

تجویز کا یہ حاکمانہ انداز نب گوپال کے لئے ناقابل برداشت تھا۔ اور کوئی ہوتا تو اس وقت فوجداری ہو جاتی۔ پھر بھی نب گوپال نے جبتک اپنے زبانی اعتراض کو تقریباً لاٹھی کی جھنکار کا ہم پلہ نہیں بنا لیا، اس وقت تک دم نہ لیا۔

زنانخانہ میں یہ بے عزتی اور زیادہ شدت سے محسوس کی گئی۔ دور سے عزیز رشتہ دار آئے ہوئے تھے۔ ان میں چھپے دشمنوں کی کمی نہ تھی۔ سب کے سامنے یہ ذلت ---- کھیما یعنی منہ پھلا کے بیٹھی رہیں۔ جب دولہا دلہن ان کے پاس آشیرباد لینے آئے تو ان کے منہ سے آشیرباد بھی نکلنا نہ چاہتی تھی۔

سب نے کہا یہی رسم کلکتہ جا کر ادا کی جاتی تو کسی کو کچھ کہنے سننے کا موقعہ نہ ملتا۔ میکے کی یہ ذلت دیکھ کر کمو کا دل بیٹھ گیا۔ اس کو محسوس ہونے لگا جیسے اپنے،

خاندان کے بزرگوں کی روح کے سامنے وہی قصوروار ہے۔ دل ہی دل میں بار بار وہ اپنے ٹھاکر سے شکوہ کرنے لگی "ہے بھگوان! میں نے تمہارا کون سا گناہ کیا تھا کہ تم نے مجھے ایسی سزا دی۔ میں نے تو تمہیں پر بھروسہ کر کے یہ سب کچھ منظور کیا تھا!"

دولہا دلہن گاڑی میں سوار ہوئے۔ مدھوسودن کلکتہ سے جو بینڈ پارٹی لایا تھا، اس نے ناچ کی ایک گت بجانا شروع کی۔ ایک بہت بڑے شامیانے کے نیچے ہوم کی رسم ادا کرنے کا انتظام کیا گیا تھا۔ انگریز صاحب اور میم جو مہمان تھے ان میں سے کچھ تو گدے دار کرسیوں پر بیٹھے رہے۔ کچھ قریب آ کے جھک جھک کے دلہن کو دیکھنے لگے۔ اسی دوران میں ان لوگوں کے لئے چائے بسکٹ آیا۔ ایک میز پر بہت بڑا سا ایک ویڈنگ کیک بھی سجا ہوا تھا۔ ہوم کی رسم انجام پا چکی تو یہ لوگ مبارکباد دینے لگے۔ کمو کا چہرہ شرم سے سرخ ہو گیا۔ وہ سر نہوڑائے کھڑی رہی۔ ایک ادھیڑ عمر کی موٹی کھوٹی سی میم اس کی بنارسی ساڑی کا آنچل ہاتھ میں لے کر دیکھنے لگی۔ پھر اس کے بازو پر موٹا سا بازو بند جو بندھا تھا، اُسے گھما گھما کر دیکھا اور انگریزی میں تعریف بھی کی۔ رسم کے متعلق انگریزوں کی ایک ٹولی مدھوسودن سے بولی:۔

"بہت ہی دلچسپ" دوسری بولی "جی ہاں، سچ مچ بڑی ہی دلچسپ!"

اسی مدھوسودن کو کمو نے اپنے بھائی اور دوسرے رشتہ داروں سے برتاؤ کرتے دیکھا تھا۔ آج اس کو انگریز دوستوں کی محبت میں، شرافت اور تواضع کا پتلا بنا ہوا دیکھا، چہرہ پر ہنسی پھوٹی پڑ رہی تھی۔ جس طرح چاند کا ایک رُخ روشن اور دوسرا بالکل ہی اندھیرا رہتا ہے۔ مدھوسودن کا کردار بھی ویسا ہی تھا۔ انگریزوں کے سامنے اس کا چہرہ پورے چاند کی طرح خوشدلی سے دمکتا ہوا۔ دوسرا رُخ ایکدم سیاہ، بدنما، مہیب، برف کی جمی ہوئی چٹانوں کی طرح سخت!

سیلون میں اپنے انگریز دوستوں کے ساتھ مدھوسودن سوار ہوا۔ دوسرے

ویمنز روڈ بے میں عورتوں کے ساتھ کمو تھی۔ ان میں سے کوئی تو اس کے ہاتھ اُٹھا کے
دبا دبا کے دیکھ رہی تھی۔ کوئی تھوڑی اونچی کر کے چہرہ کے حُسن پر تنقید کر رہی تھی کوئی
کہتی "لاغر ہے"۔ کوئی کہتی "مریض ہے" کوئی بڑی بھلنساہت سے پوچھتی "کیوں جی!
بدن پر کون سا رنگ ملتی ہو۔ شاید ولایت سے تمہارے بھائی نے کوئی چیز بھیج دی
ہے" سب نے مل کر یہ فیصلہ کیا کہ "آنکھیں بڑی نہیں ہیں، البتہ پاؤں عورتوں
کی ناپ سے بڑے ہیں"۔ بدن پر جتنے زیور تھے، سب کی ایک ایک کر کے جانچ
کی گئی۔ پھر ان پر فیصلہ صادر ہوا "سب پُرانے زمانے کے ہیں۔ وزن میں بھاری
اور کھرے سونے کے — لیکن قربان جائیے، کیا فیشن ہے!"
ان لوگوں کے ڈبے کی ایک کھڑکی اسٹیشن کی اُلٹی طرف کھلی ہوئی تھی۔ کمو
اسی طرف دیکھتی رہی۔ کوشش کرتی رہی کہ ان لوگوں کی باتیں اس کے کانوں میں
نہ جائیں۔ دیکھا کہ ایک کتا تین ٹانگوں پر لنگڑاتا ہوا ادھر اُدھر زمین سونگھتا
پھر رہا ہے۔ ایک ٹانگ اس کی کٹی ہوئی تھی۔ اس نے سوچا کاش کوئی چیز کھانے
کی اس وقت اپنے پاس ہوتی، لیکن کچھ بھی نہ تھا۔ دل ہی دل میں افسوس کرنے
لگی کہ صرف ایک ٹانگ کی کمی کی وجہ سے اس غریب کتے کی ساری آسانیاں
دشواریوں میں بدل گئی ہیں۔ اتنے ہی میں کمو کے کانوں میں آواز آئی کوئی آدمی سیلون
کے سامنے کھڑا کہہ رہا ہے "دیکھیے اس غریب دیہاتی لڑکی کو ایک آرکاٹی
آسام کے چائے کے باغات میں بھگائے لئے جا رہا تھا۔ وہاں سے بھاگ
آئی ہے۔ گوالندو تک ٹکٹ کے پیسے ہیں؛ اس کا وطن ڈمراؤں ہے۔ اگر
آپ لوگ کچھ مدد کر دیں تو غریب لڑکی کی جان بچ جائے"۔ سیلون سے ایک
سخت پھٹکار کی آواز کمو کے کان میں آئی۔ اب اس سے نہ رہا گیا۔ اس نے
اپنی زرد کار تھیلی کھولی اور اس میں سے ایک دس کا نوٹ نکالا۔ پھر دائیں طرف

کی کھڑکی کھول کے اس آدمی کے ہاتھ میں نوٹ دے کر فوراً کھڑکی بند کر لی۔
عورتوں میں سے ایک نے دیکھ لیا۔ بول اُٹھیں، "دیکھتی ہوں ہم لوگوں کی دلہن رانی کا ہاتھ بہت کھلا ہوا ہے۔" دوسری بولیں: "یہ ہاتھ نہیں کھلا ہے لکشمی کے رخصت کرنے کے لئے دروازہ کھلا ہے"۔ ایک اور بولیں، "روپے اڑانا ہی سیکھا ہے، جمع کرنا سیکھتیں تو کام آتا۔" کمو کی اس حرکت کو ان لوگوں نے غرور ٹھہرایا۔
"مردوں نے جسے ایک پیسہ کبھی نہ دیا، اسے یہ مہارانی جھٹ سے دس روپے دے بیٹھیں۔ آخر اتنا دماغ کس بات پر ہے؟" ان لوگوں نے سوچا کہ یہ بھی شاید وہی چیٹرجی اور گھوشال خاندانوں کی باہمی رقابت کا ایک شاخسانہ تھا۔

اتنے ہی میں ان لوگوں کے بیچ سے ایک موٹی موٹی سی سانولے رنگ کی عورت، بڑی بڑی آنکھیں، چہرہ پر محبت بکھری ہوئی، قریب قریب کمو کی ہم عمر اسکے پاس آ بیٹھی، اور آہستہ آہستہ اس سے بولی، "دل کا کیا حال ہے بہن؟ ان سبھوں کی باتوں پر کان نہ دینا۔ دو چار دن یوں ہی طعن تشنیع چلے گی، پھر جب حلق کے اندر والا زہر ختم ہو جائے گا تو سب چُپ ہو رہیں گی۔" یہ عورت کمو کی منجھلی دیورانی تھی۔ نبین کی بی بی۔ نام تو اس کا نستارنی تھا۔ لیکن سب لوگ اُسے موتی کی ماں ہی کہہ کر پکارتے۔

موتی کی ماں نے پھر بات چھیڑ دی "اس دن لوز نگر اسٹیشن پہونچی تو تمہارے بھیا کو دیکھا تھا!"

کمو چونک پڑی۔ اس کا بھائی استقبال کے لئے اسٹیشن گیا تھا۔ اس کی اطلاع اس کو بالکل نہ تھی۔ ابھی پہلی بار سن رہی تھی۔

"واہ، واہ! کتنے اچھے آدمی ہیں۔ میں نے تو آج تک ایسا آدمی کبھی دیکھا ہی نہیں۔ وہی جو کیرتن کے ایک گلنے میں سنا تھا ۔

تیرے گورے جسم پر جیسے رس کی بہیا آگئی
جو دنیا کی تمام ناریوں کے دل وجان بہا لیگئی

مجھے وہی دوھا یاد آگیا۔

دفعتاً کمو کو ایسا محسوس ہوا کہ جیسے جسم سے جان اب نکلی تب نکلی۔ وہ کھڑکی سے باہر جھانکتی رہی۔ باہر کے میدان درخت آسمان جیسے آنسوؤں کی برکھا سے دھندلا سے گئے ہیں۔

موتی کی ماں کو یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ کمو کی دکھتی رگ کہاں پر ہے۔ اسلئے وہ گھما پھرا کے اسکے بھائی کے متعلق ہی باتیں کرتی رہی۔ پوچھا، "شادی ہوئی ہے یا نہیں؟"

کمو نے کہا، "نہیں"

موتی کی ماں بول اُٹھیں۔ "قربان جاؤں۔ ایسا دیوتاؤں جیسا روپ۔ اور ابتک گھر خالی؟ نہ جانے کس خوش قسمت کے نصیب میں ہے یہ دولہا۔"

کمو سوچ رہی تھی "بھیا اسٹیشن گئے تھے۔ اپنی تمام عزت وخودداری کو تہہ کر کے صرف میری وجہ سے۔ اور "وہ" ایک بار انھیں بیماری میں دیکھنے بھی نہ آئے۔ صرف زور سے ایسے آدمی کو زیر کرنے کی جراءت کی میں سمجھتی ہوں ان کی صحت اسی وجہ سے خراب ہوگئی ہے۔"

بیکار کے پچھتاوے اس کے دل میں آنے لگے، "دادا اسٹیشن گئے ہی کیوں؟ انہوں نے اپنے آپ کو خواہ مخواہ گرایا کیوں؟ صرف میرے ہی لئے نا۔ میں مر نہ گئی کم بخت؟" جو ہو چکا وہ ہو چکا۔ اب اس کو پلٹایا تو نہیں جا سکتا۔ لیکن اسی خیال پر وہ سر پٹکتی رہی۔ رہ رہ کے یاد آتا وہی بیماری سے اترا ہوا پرسکون چہرہ، وہی دعاؤں سے چھلکتی ہوئی دونوں محبت بھری آنکھیں۔

بیسواں باب

ٹرین ہوڑہ پہونچی تو اس وقت سہ پہر کے چار بجے تھے۔ آنچل اور چادر میں گانٹھ لگائے دولہا دلہن ٹرین سے اُتر کر "بردہم" گاڑی میں جا بیٹھے۔ کلکتہ جیسے شہر میں دن کا وقت، چاروں طرف ہنگاموں کا ہجوم دیکھکر کمو سمٹی جا رہی تھی، وہ جو اک گہرا احساس حیا پروری انیس سال کے کنوارپنے کی زندگی میں رگ رگ کے اندر سرایت کر چکا تھا۔ دم بھر میں کان کے کنڈل کی طرح کیونکر نکال کر پھینک دیا جا سکتا، ایک منتر ایسا ہے تو ضرور جس سے یہ پردہ حیا آپ ہی آپ سرک جاتا ہے۔ لیکن وہ منتر اس کے دل میں ابتک جاگ نہ سکا تھا۔ بغل میں جو مرد بیٹھا تھا وہ تو آج بھی باہر والا ہی معلوم ہوتا تھا۔ اپنا ہو جانے میں ابتک اس کی طرف سے رکاوٹ ہی ہوتی رہی تھی۔ اس کے طور طریقے میں جو ایک خشکی اور کرختگی تھی وہ کمو کو آج تک اپنے پاس سے دور ہی ٹھیلی جا رہی تھی۔

اس طرف مدھوسودن کے لئے کمو ایک نیا تجربہ، نئی دریافت تھی، عورت ذات سے واسطہ یا قرب حاصل کرنے کا موقعہ، اس کاروباری آدمی کو کم ہی ملا تھا۔ اس کی کاروباری زندگی کے ماحول میں کاروباری عورتوں تک کا سایہ اس پر کبھی نہ پڑا تھا۔ یہ کہنا غلط ہوگا کہ کسی عورت نے اس کے دل کو

بھی ڈگمگایا ہی نہیں، لیکن ایسا کبھی ہوا بھی تو زلزلے کے ایک ہلکے سے جھٹکے کی طرح عمارت پر کبھی کوئی زخم نہ آیا۔ مدھوسودن نے عورت کو بہت ہی سرسری طور پر گھر کی بہو یا اور داسیوں کے روپ ہی میں دیکھا تھا۔ وہ گھر کے کام کاج کرتی رہتیں۔ جھگڑے کرتیں سازشیں کرتیں۔ چھوٹی چھوٹی سی باتوں پر رونا پیٹنا بھی شروع کر دیتیں۔ مدھوسودن کا ان سبھوں سے محض دور ہی دور کا واسطہ رہتا۔ اس کی بی بی بھی اب زندگی کے غیر اہم حصے کا ایک جزو بنکر رہ جائے گی۔ روزانہ کی گرستی کے حقیر سایہ میں اس کی زندگی بھی گھر کے مالکوں کی خدمت میں گذرنے لگے گی۔ اس سے زیادہ اس نے اس سلسلے میں کچھ اور نہ سوچا تھا۔

بی بی کے ساتھ برتاؤ کرنا بھی ایک فن ہے۔ اس میں بھی پانے اور کھونے کا کٹھن مسئلہ پنہاں ہوسکتا ہے۔ اس کے کاروبار کے بڑے بڑے بہی کھاتوں میں اس کے لئے تل بھر جگہ بھی نہ تھی۔ جس طرح پھل دار درخت اپنی جگہ لاکھ بڑا سہی، مگر تیتری سے میل جول اُسے قبول کرنا پڑتا ہے۔ اپنی ہونے والی بی بی کے متعلق بھی مدھوسودن کا یہی خیال تھا۔

بیاہ کے بعد اب جو پہلی بار کمو پر اس کی نگاہ پڑی تو اس کے حسن میں ایک عجیب دیویوں جیسی پاکیزگی نظر آئی۔ شاید معمولی دنیاوی کشش سے روحانی عنصر اسمیں زیادہ تھا —— پہلے ہی لمحہ میں اسے ایسا محسوس ہوا جیسے کمو کا حسن اس کی تمنا کی پہونچ سے بہت بلند ہے۔ جیسے وہ صبح کا ستارا تھی۔ رات کی دنیا سے الگ اور صبح کے عمل سے بھی پرے۔ مدھوسودن نے غیر شعوری طور پر کمو کو ایک طرح خود سے کچھ بلند محسوس کیا تھا۔ اگرچہ یہ احساس ابھی زیادہ واضح نہ تھا۔ پھر بھی اس کے دل میں یہ فکر ضرور پیدا ہوگئی کہ اس کے ساتھ برتاؤ کس طرح کرنا چاہئے کونسی بات کس طرح کہنی مناسب ہوگی۔

گفتگو کیونکر شروع کرے۔ یہ سوچتے سوچتے دفعتاً مدھوسودن کمو سے پوچھ بیٹھا۔ "ادھر سے دھوپ آرہی ہے نا؟"

کمو نے جواب نہ دیا۔ مدھوسودن نے دائیں طرف کا پردہ کھینچ لیا۔ کچھ دیر پھر چُپ چاپ ہی گذری۔ پھر یک بیک بول اُٹھا "سردی تو نہیں لگ رہی ہے؟" پھر جواب کا انتظار کرکے بغیر سامنے کی سیٹ پر رکھا ہوا ولایتی کمبل کھینچ کر اپنی اور اس کی ٹانگوں پر ڈال کے اس کے ساتھ ایک ہی کپڑے کے نیچے قربت حاصل کی۔

جسم اور روح دونوں ہی میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ کمو چونک کے کمبل کو ہٹانا ہی چاہتی تھی کہ اپنے پر جبر کرکے ایک ذرا سرک کے گاڑی کے بٹ سے لگ بیٹھی۔

چند لمحے اس طرح گذرے۔ پھر دفعتاً مدھوسودن کی نظر کمو کے ہاتھ پر جا پڑی "دیکھوں! دیکھوں!" کہہ کے اس نے کمو کا بایاں ہاتھ پکڑ کر اپنی آنکھوں کے قریب کھینچا۔ اور پوچھا "تمہاری انگلی میں یہ انگوٹھی کیسی ہے؟ نیلم ہے نا؟"

کمو چُپ رہی۔

"دیکھو نیلم ہم کو سازگار نہیں ہوتا۔ یہ تمہیں اُتار ہی دینا ہوگا۔"

ایک دفعہ مدھوسودن نے ایک نیلم خریدا تھا۔ اسی سال اس کا پٹسن سے لدا ہوا جہاز ہوڑہ کے پُل سے ٹکرا کر ڈوب گیا تھا۔ اس وقت سے ابتک نیلم کو اس نے معاف نہیں کیا تھا۔

کمودنی نے آہستہ آہستہ ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی۔ مگر مدھوسودن نے نہ چھوڑا، بولا "اسے میں اُتار لیتا ہوں۔"

کمو چونک کر بولی، "نہیں رہنے دو!"

ایک بار بھیسی کھیلنے میں اس کی جیت ہو گئی تھی۔ بھائی نے اس کے انعام میں

میں یہ انگوٹھی دی تھی مدھوسودن دل ہی دل میں ہنسا۔ انگوٹھی کا بڑا موہ ہے؟ اس بات میں اپنے ساتھ کمو کی ہم ذوقی دیکھ کے اس کو تسکین سی ہوئی۔ سمجھا کہ وقت بے وقت سونے کا ہار، کڑے، بازوبند وغیرہ تحفے میں پیش کرکے روٹھنے والی کو منانے کا آسان راستہ مل گیا۔ یہ راستہ مدھوسودن کے لئے بہت ہی سہل تھا، یہ ماننا ہی پڑے گا۔ ویسے عمر کچھ زیادہ ہی سہی مگر یہ راہ تو اسکے لئے کھلی ہوئی تھی۔

اپنے ہاتھ سے ایک بہت ہی قیمتی ہیرے کی انگوٹھی اُتار کر ہنستے ہوئے بولا "ڈرو نہیں اس کے بدلے تمہیں دوسری انگوٹھی پہنائے دیتا ہوں"۔

کمو سے اب رہا نہ گیا۔ کوشش کرکے ہاتھ چھڑا لیا۔ اب مدھوسودن کا فی جھلّا گیا۔ اپنے مالکانہ اختیار کی ہتک اُس سے برداشت نہ ہو سکتی تھی۔

نہایت ہی خشک لہجے میں بولا "دیکھو! یہ انگوٹھی تمہیں اتارنی پڑے گی"۔

کمودنی منہ پھرائے چپ بیٹھی رہی۔ اس کا چہرہ سُرخ ہو گیا تھا۔

مدھوسودن نے پھر کہا "سنتی ہو؟ میں کہتا ہوں اسے اُتارنا ہی دینا تمہارے لئے بہتر ہے۔ دیدو مجھ کو!" یہ کہہ کے ہاتھ کھینچنا چاہا۔

کمو ہاتھ ہٹاتی ہوئی بولی "میں اتارے دیتی ہوں"۔ یہ کہہ کے انگوٹھی اتار لی۔

"دیدو! مجھے دیدو"۔

"میں ہی اُٹھا کے رکھ دوں گی"۔

مدھوسودن چڑھ کے بولا "رکھنے کا فائدہ ہی کیا۔ سمجھتی ہو کہ یہ بہت ہی قیمتی چیز ہے۔ تم کسی طرح بھی اسے پہن نہیں سکتیں۔ یہ لے کے دیتا ہوں"۔

کمودنی بولی "میں پہنوں گی نہیں!" اور یہ کہہ کے اس نے اپنے زرکار بٹوے میں اسے رکھ لیا۔

"اس معمولی چیز کے لئے اتنا درد کیوں ہے؟ دیکھتا ہوں کہ ضد

تمہاری طبیعت میں بہت زیادہ ہے۔"

مدھوسودن کا لہجہ بہت ہی خشک تھا۔ کان کو بہت ہی ناخوشگوار معلوم ہوا۔ جیسے کاغذ گھسیٹنے کی بے رس آواز۔ کمودنی کے سارے جسم میں ایک جھرجھری سی پیدا ہوگئی۔

"انگوٹھی تمہیں کس نے دی تھی" کمودنی خاموش رہی

"تمہاری ماں نے دی تھی؟"

کوئی جواب دینا ہی تھا اس لئے بہت ہی آہستہ آہستہ زیرلب بولی" دادا نے"

دادا! یہ تو معلوم ہی ہو رہا ہے! دادا کی حالت تو مدھوسودن کو پوری طرح معلوم ہی تھی۔ اسی دادا کی دی ہوئی انگوٹھی۔ یہ نحوست زدہ انگوٹھی۔ اس گھر میں نہیں لائی جا سکتی۔ لیکن سب سے زیادہ مدھوسودن کے دل میں یہ بات کانٹے کی طرح کھٹک رہی تھی کہ آج بھی کمودنی کی نگاہ میں بھائی ہی سب کچھ ہے ایسا ہونا فطری تھا۔ مگر فطری ہونے سے یہ لازم تو نہیں کہ ہر بات سہی بھی جا سکے۔ پرانے زمیندار کی جائیداد جب کوئی نودولت مہاجن خرید لیتا ہے تو اس کی عقیدت مند اور وفادار رعایا پرانے زمیندار کو یاد کر کے ٹھنڈی سانسیں بھرتی ہے۔ یہ دیکھکر نئے زمیندار کے تن بدن میں آگ سی لگتی ہے۔ مدھوسودن کا بھی یہی حال تھا۔ سوچ رہا تھا۔ کہ جس طرح بھی ہو اور جس قدر جلد ہو سکے کمودنی کو یہ بتا دینا چاہئے کہ آج سے صرف وہی اس کا سب کچھ ہے۔ پھر وہ یہ بھی کسی طرح باور کرنے کو تیار نہ تھا کہ بایوں کی رسم کے موقعہ پر دولہا والوں کی جو ذلت ہوئی تھی اس میں بپرادا س کا کوئی ہاتھ نہ تھا۔ حالانکہ بیاہ کے دوسرے ہی دن تب گوپال نے اس سے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ "بھائی! شادی کے گھر میں تم لوگوں نے جو اپنی ہاٹ

کھولا والی آڑھت کا طور طریقہ دکھلایا تھا اس کا ذکر کیا اشارہ بھی دادا سے نہ کرنا۔ انہیں ذرہ برابر خبر نہیں۔ ان کی صحت بہت خراب ہے۔"

انگوٹھی کی بات تو فی الحال اُس نے دبا دی مگر دل میں رہ گئی۔

اِدھر روپ کے علاوہ ایک اور سبب سے کمودنی کا بھاؤ بڑھ گیا تھا۔ برات جس وقت نور نگر میں تھی اسی وقت مدھوسودن کو تار سے اطلاع ملی تھی کہ اب کے السی کے سودے میں تقریباً بیس لاکھ روپے کا نفع ہوا ہے۔ اسے فوراً یقین ہو گیا کہ یہ نئی دلہن کے قدموں کی برکت ہے۔ عورت کی قسمت سے دولت ہوتی ہے۔ اس کا ثبوت ہاتھ ہی ہاتھ مل گیا۔ اس لئے اس وقت کمو کو اپنی بغل میں بیٹھا پا کے اسے ایک خاص قسم کی مسرت اور آسودگی اس خیال سے محسوس ہو رہی تھی کہ بھاری نفع کی ایک جیتی جاگتی دستاویز وہ گھر لے جا رہا ہے۔ اگر یہ خیال نہ ہوتا تو شاید آج بروہم گاڑی ہی میں کوئی آفت مچ ہو جاتی۔

اکیسواں باب

راجہ کا خطاب ملتے ہی گھوشال خاندان کے کلکتہ والے عالی شان مکان کے صدر دروازہ پر "مدھوسودن پرساد[1]" کا کتبہ کھُد گیا تھا۔ اسی قلعہ کے آہنی دروازہ کے ایک جانب آج ایک نوبت خانہ کھڑا کیا گیا تھا۔ سامنے باغ میں ایک بہت وسیع شامیانہ تنا ہوا تھا جس کے نیچے بینڈ بج رہا تھا۔ پھاٹک کے اوپر آدھے چاند کی شکل میں گیس کے حروف سے لکھا ہوا تھا۔ "پرجاپتی کو بندگی[2]" شام کے وقت روشنی ہوگی اور اس میں یہ حروف جگمگائیں گے۔ دروازہ سے مکان تک جو کنکر کی سڑک بنائی گئی تھی۔ اس پر دونوں طرف دیودار کے پتوں اور گیندے کے پھولوں کی مالاؤں سے آرائش کی گئی تھی۔ مکان کی پہلی منزل پر جانے کی جو سیڑھیاں سامنے تھیں، ان پر سُرخ بانات بچھائی گئی تھی۔ عزیزوں اور دوستوں کی بھیڑ سے گھری ہوئی دولہا دلہن کی گاڑی پورٹیکو میں آگئی۔ سنکھ پھُنکے، گھنٹے بجنے لگے۔ بینڈ نے اپنا ترانہ شروع کیا۔ نوبت خانہ نے نفیری چھیڑی۔ غرض یہ کہ دسیوں قسم کی آوازیں بیک وقت اُٹھ کر آپس میں گڈمڈ ہوگئیں۔ ایسا معلوم ہوا جیسے تیزی سے دوڑتی

---

[1] قلعہ یا محل [2] محبت کا دیوتا، جو، جوڑے ملاتا ہے۔

شور مچا کہ کوئی مال گاڑی قریب آگئی ہو۔ مدھوسودن کی دور کے رشتہ کی کوئی خالہ تھیں بوڑھی سن سفید۔ مگر مانگ میں سیندور کی چوڑی پٹری، چوڑے پلّو کی لال ساڑی موٹے موٹے ہاتھوں میں سونے کے موٹے موٹے کڑے اور سیپ کی چوڑیاں۔ ایک چاندی کے پیالی سے پانی لے کے انہوں نے دلہن کے قدموں پر چھڑک دیا۔ پھر آنچل سے پونچھ لیا۔ پھر ہاتھ میں لوہے کا ایک کڑا پہنایا اور دلہن کے منہ میں ذرا سا شہد ڈال کر بولیں،" واہ واہ! اتنے دنوں بعد ہمارے نیلے آکاش پر پورا چاند نکلا۔ نیلے سرو ور (جھیل) میں سنہرا کنول پھولا"۔ دولہا دلہن گاڑی سے اُترے۔ مہمانوں میں جو جوان اور تجربہ کار تھے، یہ دیکھ دیکھ رشک وحسد کر رہے تھے۔ ایک نے کہا،" دیوسورگ لوٹ لایا ہے۔ اپسرا سنہری زنجیروں میں بندھی ہے"۔ دوسرا بولا،" پرانے زمانے میں ایسی لڑکیوں کے لئے راجاؤں میں لڑائی ہو جاتی تھی۔ آجکل کے دور میں ایسی کے منافع ہی سے کام چل جاتا ہے۔ کلجگ کے دیوتا بھی بالکل ہی بدذوق ہیں۔ قسمت کے چکر جتنے ہوتے ہیں سب ہی بے ڈھنگے!"

اس کے بعد دولہا دلہن کے گھر میں آنے کے متعلق جو رسمیں تھیں انھیں ادا کرتے کرتے رات آدھی ڈھلنے کو آئی۔

کموکو اپنی بڑی بہنوں میں سے صرف ایک ہی کا بیاہ یاد تھا۔ آغاز شباب سے پہلے ہی وہ کلکتہ آکر اپنے بڑے بھائی کے سایہ شفقت میں رہنے لگی تھی۔ کنوار پنے کی خیالی دُنیا اس وقت تک مادی دنیا کی سنگینی اختیار نہ کر سکی تھی۔ لڑکپن میں جب اس نے اپنے ہونے والے پتی کے لئے شیو کی پُوجا کی تھی تو اس کے تصور میں مہا تپسوی شیو ہی کا روپ آیا جو رو پہلی برف کی چوٹیوں پر بیٹھا ریاضت کیا کرتا تھا۔ معیاری عورتوں کا مثالی تصور اُسے اپنی ماں کی ذات سے ہوا تھا۔ کتنی شفیق، کتنی پُرسکون، گویا صبر وضبط کی مورت، کتنا بے داغ کردار، دن رات دکھ سہنا،

پوجا پاٹ کرنا۔ گھر بھر کی سیوا کرنا۔ شوہر کی بے راہ رَویاں اور بدسلوکیاں ہی جیسے ان کے کردار کا زنگار تھیں۔ اس پر بھی وہ نہایت ہی روشن کردار تھا۔ بہت ہی عالی ہمت اور خوددار۔ اس میں اوچھاپن، چھل کپٹ، نام کو بھی نہ تھا۔ ان کا احساسِ خودداری اس زمانہ کا نہیں، بلکہ بہت ہی قدیم زمانے کا روایتی احساسِ خودداری تھا ان کی زندگی کا ہر لمحہ یہی ثابت کرتا تھا کہ جان سے آن، اور دولت سے شان، زیادہ قیمتی شے ہے۔ وہ اور ان کے گرد و پیش اُن جیسے اور لوگ بھی بڑے پیمانے پر انسان تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ خود چوٹ کھالو، مگر اپنی عزت اور آن پر آنچ نہ آنے دو۔ بے داغ کردار کا غرور اپنی شان کا اشتہار نہیں ہوتا۔

جس دن کمو کی بائیں آنکھ پھڑکی تھی، اسی دن وہ اپنی ساری عقیدت، سارے جذبہ سپردگی کے ساتھ مستقبل کی زندگی کے لئے تیار ہو گئی تھی۔ کہیں کوئی رکاوٹ، کوئی پیچیدگی پیدا ہوگی، اس کا اس کو وہم و گمان بھی نہ تھا۔ دمینتی نے کس طرح پہلے ہی سے یہ جان لیا تھا کہ وِدربھا کے راجہ نل سے ہی اس کو بیاہ کرنا ہوگا۔ اس کے دل کو ضرور ہی کچھ پیام ملا ہوگا۔ کمو کو بھی کیا ویسا ہی کوئی پیام نہیں ملا تھا۔ انتخاب کے سارے سامان تو موجود تھے۔ راجہ بھی آئے۔ لیکن جس کی صورت آئینہ دل میں دیکھی تھی۔ وہ کہاں ہے؟ حسن صورت کی کمی بھی اس کے لئے کوئی رکاوٹ نہ بنتی۔ عمر کا فرق بھی اس کو بددل نہ کرتا۔ لیکن راجہ! وہ اصلی راجہ کہاں تھا؟

شادی کے رسوم انجام دینے کے بعد آج جس آواز نے حجلۂ عروسی کے دروازہ پر اس کا استقبال کیا، اس میں برق آسا سرور و عیش کی وہ گرج کیوں نہ تھی، جس میں اس نئی نویلی دلہن کو ساتوں آسمانوں کے رشیوں کی آشیرباد سنائی دیتی۔ محفل شادی کو جو سرور و کیف سے بھر دیتے وہ نغمے شادی کے ان منتروں سے کیوں نہ پھوٹے تھے۔

"جگت پتا پاروتی کے پرمیشور کو بندگی!"

وہی جگت پتا جن کی ذات میں لازوال رجولیت اور نسائیت کا سنگم اس طرح تھا جیسے لفظ سے معنی کا ربط ہو۔

بائیسواں باب

مدھوسودن جب پہلے پہل کلکتہ میں رہنے کے لئے آیا تو اس نے ایک پرانا مکان خرید لیا تھا۔ وہی چوروپیہ مکان آجکل اس کا زنانخانہ تھا۔ اس کے بعد اس کے سامنے ہی ایک نئے فیشن کا مکان اُس سے ملا کے بنوا لیا تھا۔ یہی نیا مکان اس کی بیٹھک تھا۔ اگرچہ یہ دونوں محل آس پاس تھے، لیکن دونوں ہی بالکل دو متفرق جُگ کے تھے۔ باہر کے محل میں ہر طرف سنگ مرمر کا فرش تھا۔ اس پر ولایتی قالین۔ دیواروں پر رنگ برنگے منقش کاغذ لگے ہوئے تھے۔ ان کاغذوں پر لٹکتی ہوئی طرح طرح کی تصویریں تھیں۔ کوئی انگریوِنگ، کوئی ادلی گرافی، کوئی آئل پینٹنگ کا شاہکار۔ کسی میں ڈربی کے گھوڑ دوڑ والے مشہور گھوڑے دکھائے گئے تھے۔ کسی میں غیر ملکوں کے مناظر فطرت، کسی میں کوئی نہا کے اٹھتی ہوئی ننگی عورت، ان کے علاوہ دیواروں پر کہیں کہیں خوبصورت چینی کے برتن آویزاں تھے۔ مراد آبادی تانبے کے تھال اور تھالیاں، جاپانی پنکھے، تبتی چمڑے۔ غرض یہ کہ طرح طرح کی جوڑ بے جوڑ چیزیں وہاں یکجا کی گئی تھیں۔ گھر کی آرائش کے یہ تمام سامان خریدنے اور انھیں سجانے کا کام مدھوسودن کے انگریز اسٹنٹ کے ذمے تھا۔ ان سب کے علاوہ محل کے اندر کوچ اور صوفے،

ریشمی کپڑوں سے ڈھکی ہوئی کرسیاں تھیں۔ شیشہ کی الماریوں میں چمکتی ہوئی رنگین جلدوں والی انگریزی کتابیں جنھیں فراش کے جھاڑنوں کے سوا اور کسی ہاتھ نے آج تک چھوا نہ تھا۔ چھوٹی سی تپائی پر البم رکھے تھے۔ کسی میں گھر والوں کی تصویریں تھیں، تو کسی میں غیر ملکی ایکٹر ایکٹرسوں کی۔

زنانخانہ میں نچلی منزل کے کمرے بالکل اندھیرے اور دھوئیں سے سیاہ ہو رہے تھے۔ انگنائی میں ایک طرف تو پانی کا نل تھا، جہاں برتن مانجھنے، کپڑے دھونے کا سلسلہ جاری رہتا۔ ضرورت نہ ہو جب بھی پانی نل سے گرتا رہتا۔ اوپر کے برآمدے میں عورتوں کی بھیگی ساڑیاں لٹکتی رہتی تھیں۔ اُوپر کے چھجے سے کالا توے کی بیٹ رہ رہ کر آنگن میں ٹپکتی رہتی۔ برآمدے کی دیواروں پر جابجا پان کی پیک کے دھبوں کے علاوہ اور طرح طرح کی گن گیوں کے آثار نمایاں تھے آنگن کی پچھم طرف سائبان کے پیچھے باورچی خانہ تھا۔ وہاں سے پکتے ہوئے کھانوں کی خوشبو اور کوئیلے کا دھواں دونوں ہی نکل کر اوپر کے کمروں میں پھیل جانے کا موقع پاتے تھے۔ باورچی خانے کے باہر ایک طرف مدت سے بیکار پڑی ہوئی ایک چھوٹی سی کھلی ہوئی زمین تھی۔ جس کے ایک کونے میں جلے ہوئے کوئیلے چولھے کی راکھ، ٹوٹے پھوٹے گملے، پھٹی ہوئی چٹائیاں، کائی لگی ہوئی جھنجھریاں تھیں دوسرے کونے میں دو چار گائیں اور بچھڑے بندھے ہوئے تھے اور ان کے پاس گھاس اور گوبر کی ڈھیر جمی جا رہی تھی۔ ساری فضا جیسے فرسودہ اور گھٹی گھٹی سی معلوم دیتی تھی۔ ایک کنارے پر ایک اکیلا نیم کا درخت کھڑا تھا۔ اس کی جڑیں گائیں باندھتے باندھتے گڑھے پڑ گئے تھے۔ روز روز ڈالیاں کھینچ کھینچ کر پتے توڑ توڑ کر لوگوں نے اس بے چارے درخت کو جھکا دیا تھا۔ زنانخانہ کے حصے میں کھلی ہوئی جگہ صرف یہی تھی۔ باقی زمینیں باہر والے محل کے سامنے تھیں۔

جن میں چاروں طرف ہری ہری بیلیں تھیں۔ پھولوں کی کیاریاں تھیں۔ چاروں طرف نہایت صفائی کے ساتھ چھانٹا ہوا سبزہ زار تھا۔ کنکر اور سرخی سے بنائی ہوئی سڑکیں تھیں، جن پر جا بجا پتھر کی مورتیں اور لوہے کی بنچیں لگی ہوئی تھیں۔

زنانخانہ میں تیسری منزل پر کمودنی کی خوابگاہ تھی۔ ساگوان کا ایک بہت ہی بڑا سا پلنگ تھا جس پر مہین جالی کے پردے لگے ہوئے تھے۔ ریشمی جھالریں لگی ہوئی تھیں۔ پلنگ کی پائینتی پر ایک عورت کی ننگی قد آدم تصویر تھی۔ جو سینہ پر ہاتھ رکھے شرم کی اداکاری کر رہی تھی۔ سرہانے خود مدھوسودن کی ایک روغنی تصویر تھی جس میں اس کے کشمیری شال کے بیل بوٹے پوری طرح اجاگر تھے۔ ایک طرف دیوار میں لگے ہوئے کپڑے رکھنے کے دراز تھے، جن پر ایک آئینہ لگا ہوا تھا۔ آئینے کے دونوں جانب چینی مٹی کے شمع دان تھے۔ سامنے چینی مٹی کی ایک تھال میں پاوڈر کا ڈبہ، چاندی مڑھی ہوئی کنگھی، تین چار قسم کے ایسنس اور ایسنس چھڑکنے والی پچکاریاں، اور اسی طرح کے اور بہت سے سنگار کے سامان جو انگریز اسٹنٹ کے خریدے ہوئے تھے۔ نئے نئے ڈیزائن کے گلابی شیشہ کے گلدان، جن میں تازہ گلدستے لگے ہوئے تھے۔ ایک طرف لکھنے کی میز دھری تھی، جس پر قیمتی پتھر کا قلمدان، قلم اور کاغذ رکھے تھے خوب موٹے گدے دار صوفے اور کوچ، جا بجا چھوٹی تپائیاں، کوئی چائے پینے کے لئے۔ کوئی تاش کھیلنے کے لئے

نئی مہارانی کی خوابگاہ کیسی ہونی چاہیئے، اس فکر میں مدھوسودن نے کافی وقت صرف کیا تھا۔ زنانخانہ کی سب سے اوپر والی منزل پر اس خوابگاہ کو اتنے اہتمام سے سجنا ایسا ہی مضحکہ خیز معلوم دے رہا تھا جیسے میلی گدڑی لپیٹے ہوئے کسی فقیر کے سر پر زر و جواہر کا تاج پہنانا۔

بہت رات گئے جب شور غل دھوم دھام ہا ہنگ پکار تھمی تو آخر کمو اس

خوابگاہ میں پہونچائی گئی۔ اس کو وہی موتی کی ماں ساتھ لائی۔ یہی طے پایا تھا۔ کہ آج رات کو وہی کمو کے ساتھ سو رہے گی۔ عورتوں کی ایک پوری ٹولی ساتھ ساتھ آ رہی تھی۔ انکی راز جوئی اور دلچسپی کسی طرح ختم ہونے کو نہ آتی تھی۔ لیکن موتی کی ماں نے ان سب کو ٹالا۔ کمرے میں پہونچتے ہی کمو کو گلے لگا کر بولی، "میں دم کے دم ذرا دوسرے کمرے سے ہو آؤں۔ جب سے تھوڑی دیر تم جی کھول کے رو لو بھابھی۔ آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا رہے ہیں"۔ یہ کہہ کے وہ چلدی۔

کمو ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ رونا تو پھر ہولے گا۔ سب سے پہلے تو اس کو ضروری تھا اپنے آپ کو ذرا سنبھال لینا۔ اندر ہی اندر اس کو یہی خیال سب سے زیادہ، کچو کے دے رہا تھا کہ وہ آپ اپنی نگاہ میں ذلیل ہو گئی۔ اتنے دنوں سے جو منصوبے اس نے بنا رکھے تھے، اس کا باغی دل ٹھیک ان کے خلاف راستے پر چلا گیا تھا۔ اس دل کو سزا دینے کی اُسے مہلت نہیں مل رہی تھی۔ بار بار کہتی "ٹھاکر! مجھے طاقت دو! حوصلہ دو! میری زندگی پر کالکھ نہ پھیرو! میں تو تمہاری داسی ہوں، مجھے جتا دو! یہ تو تمہاری ہی جیت ہوگی"۔

ڈھلتی ہوئی عمر، گٹھے ہوئے بھرے بھرے جسم اور سانولی رنگت کی ایک خوبصورت بیوہ کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولی، "موتی کی ماں نے تمہیں ایک ذرا فرصت دی ہے اسی فرصت میں آ گئی ہوں۔ وہ تو کسی کو تمہارے پاس گھسنے دے گی نہیں۔ تمہیں گھیر رکھا ہے جیسے میں ہاتھ میں کھنتی لئے پھر رہی ہوں موقعہ پاتے ہی دیوار میں سیند لگا کے تمہیں چُرا لوں گی۔ میں بھی تمہاری دیورانی ہوں۔ میرا نام ہے شیام سندری۔ تمہارے شوہر میرے جیٹھ ہیں۔ ہم لوگ تو یہ سمجھتے تھے کہ آخر میں حساب کے جمع خرچ کی بہی ہی بنے گی ان کی دلہن۔ اس بہی کھاتے میں جادو ہے بہن! اتنی عمر میں تمہاری جیسی سندری اسی کھاتے

کے زور ہی سے میسر آئی ہے، اب اسے بھی ہضم کر لے تو میں جانوں۔ ورنہ یہاں تو بہی کھاتے کا زور چلتا نہیں دکھائی دیتا۔ ! ہاں !! سچ سچ کہو بہن، ہمارا یہ بوڑھا جیٹھ تمہیں پسند آیا ؟

کمو دم بخود بیٹھی رہی۔ بڑی تلاش پر بھی کوئی جواب سمجھ میں نہ آیا۔ شیاما پھر بول اُٹھی، "سمجھ گئی میں، نہ بھی پسند ہو تو کیا ہے۔ سات پھیرے جب لگ چکے تو اب اکیس پھیرے بھی اُلٹے لگائے جائیں جب بھی یہ پھندا کھلنے والا نہیں۔"

کمو بولی، "یہ کیا کہتی ہو دیدی !"

شیاما نے جواب دیا۔ "صاف صاف کہہ دینے ہی میں کیا حرج ہے بہن، تمہارا چہرہ دیکھ کے میں کیا سمجھ نہیں سکتی لیکن میں تمہیں الزام نہ دوں گی۔ وہ میرا لاکھ اپنا سہی مگر میں کیا اپنی آنکھیں کھو بیٹھی ہوں۔ بڑے کرڑے ہاتھوں میں پڑی ہو بہو ! ایک ذرا سوچ سمجھ کے چلنا۔"

اتنے ہی میں موتی کی ماں کو لوٹ آتے دیکھتے ہی بول اُٹھی، "ڈرو نہیں۔ ! ڈرو نہیں ! بکول بھول، میں چلی۔ میں نے سوچا تم موجود نہیں ہو۔ ایسے میں نئی بہو کو ایک ذرا دیکھ آؤں۔ بھئی سچی بات تو یہ ہے کہ یہ بخیل کا مال ہے۔ اس کو سنبھال ہی کے رکھنا ہوگا۔ یہی کہہ رہی تھی جیٹھ کیلئے تو یہ ہوا ! ادھ کپاری کا درد ۔ یعنی دلہن کو اس نے حاصل تو کر لیا ہے سر کے بائیں طرف والے حصّے کے زور سے اب دائیں طرف کے زور سے اسے رکھ سکے تو پھر کسر پوری ہو جائے" اتنا کہہ کے وہ کمرے سے باہر نکل گئی۔ پھر اُلٹے پاؤں پلٹ کر آئی اور پانوں کی ڈبیا کھول کر پان بڑھاتی ہوئی بولی "ایک پان لے لو، زردہ تمباکو کھاتی ہو ؟"

کمو بولی، "نہیں"۔ تب ایک چٹکی زردہ لے کر اپنے منہ میں رکھتی ہوئی آہستہ آہستہ رخصت ہو گئی

"ابھی ابھی میں اس پا جی کو کھلا پلا کر رخصت کر کے آتی ہوں۔ دیر نہ ہوگی"
اتنا کہہ کے موتی کی ماں بھی چل دی۔

شیام سندری نے کمو کے دل میں ایک بے کیفی سی پیدا کر دی۔ کمو کو آج
سب سے زیادہ ضرورت تھی مایا جال کی۔ وہ تنہا بیٹھی آپ ہی آپ وہی جال
اپنے تصور کے تاروں سے بن رہی تھی۔ اور وہ جو اِس لوک اور اُس لوک دونوں
میں رنگ رنگ کی روپ لیلائیں گڑھتے ہیں۔ ان کی مدد حاصل کرنے کی کوشش
بھی کر رہی تھی۔ ایسے ہی میں شیام سندری نے اس کے خوابوں کے جال پر
ایک کاری ضرب لگا دی۔ کمو نے آنکھ بند کر کے دل ہی دل میں زور زور سے کہنا
شروع کیا، "سوامی کی عمر زیادہ ہے، اس لئے میں ان سے محبت نہیں کرتی!
یہ بات جھوٹ ہے! سراسر جھوٹ! چھی چھی چھی۔ کتنی شرم کی بات ہے؟ یہ تو
نری گنوار اور جاہل عورتوں جیسی بات ہوئی! کیا اسے شیو اور پاربتی کے بیاہ
کی بات یاد نہیں؟ شیو کے مخالفوں نے جب اس کی عمر کی طرف اشارہ کر کے
طعنہ زنی کی تھی تو ستی پاربتی نے کیا اس بات پر کان دیئے تھے؟"

شوہر کی عمر یا صورت کے متعلق کمو نے اب تک سوچا ہی نہ تھا۔ عام طور سے
جس محبت کی بُنیاد پر عورت مرد کی شادی صحیح معنوں میں شادی سمجھی جاتی ہے
جس میں صورت و سیرت، دل اور دماغ سب کچھ ملا ہوتا ہے، اُس محبت کی
بھی بہر حال ضرورت ہے، یہ بات کبھی کمو کے خیال میں بھی نہ آئی تھی۔ پسند
کرنے والی بات کو وہ اور رنگ چڑھا کے دبائے رکھنا چاہتی تھی۔

اتنے ہی میں، پھولدار قمیص اور زری پاڑھ والی دھوتی پہنے ایک
سات سالہ لڑکا کمرے میں داخل ہوا۔ اور آ کے کمو سے سٹ کر کھڑا ہو گیا۔
بڑی بڑی محبت بھری آنکھیں ڈرتے ڈرتے کمو کے چہرے پر ڈالیں پھر

نہایت آہستہ سے میٹھے سروں میں بولا: "جیٹھی ماں!" کمو اسے اپنی طرف کھینچ کے گود میں بٹھاتی ہوئی بولی۔ "کیا نام ہے تمہارا بابا؟"

لڑکے نے تن کے کہا، "شری موتی لال گھوشال"۔ "شری تک نہ چھوڑا اس لئے کہ سب لوگ اسے ہابل کہا کرتے تھے۔ بے چارے کو، بھلے آدمیوں کے سامنے اپنی عزت بچائے رکھنے کے لئے اپنا خاندانی نام پورا پورا اپنانا پڑتا تھا اس وقت کمو کا کلیجہ دھک دھک کر رہا تھا۔ اس لڑکے کو سینے سے لگا کے اسے ذرا تسکین ہوئی۔ اسے دفعتاً ایسا محسوس ہوا جیسے ٹھاکر باری میں جس گوپال کی مورت کے سامنے وہ اتنے دنوں پھول چڑھاتی آئی ہے وہی گوپال اس لڑکے کا روپ دھارے اس کی گود میں ٹھیک اسی وقت آ بیٹھے ہیں جب وہ انتہائی کرب و درد میں انہیں پکار رہی تھی۔ جیسے وہ آ کے اس سے کہہ رہے ہیں "میں تو آگیا، تمہاری تسلی بن کر!" موتی کے گول گول گال چٹکی سے دباتی ہوئی کمو بولی "گوپال! پھول لو گے؟

کمو کے منہ سے گوپال کے سوا اور کوئی نام نکل ہی نہ سکا۔ اپنے نام کی اس اچانک تبدیلی پر ہابل ذرا حیران ہوا۔ لیکن اس کے کان میں آواز ہی ایسی سُریلی آئی کہ اعتراض کا خیال بھی اس کے دل میں نہ آسکا۔

اتنے میں بغل کے کمرے سے موتی کی ماں نے جو لڑکے کی آواز سُنی تو دوڑی آئی۔ "ارے یہ بندر یہاں آگیا شاید؟" شری موتی لال گھوشال کی عزت کا اب کہیں ٹھکانہ نہ تھا۔ فریاد بھری نگاہوں سے چپ چاپ وہاں کی طرف تکتا دائیں ہاتھ سے اپنی جیٹھی ماں[1] کا آنچل پکڑے کھڑا رہا۔ کمو

---

[1] بڑی چچی۔

ہابل کا بایاں ہاتھ پکڑ کے اپنی طرف کھینچتی ہوئی بولی "ارے! رہنے دو نا اسے یہاں!"

"نہیں بہن، رات بہت آئی۔ اب اسے سو جانا چاہیئے۔ اس گھر میں جب چاہو گی یہ آسانی سے مل جائے گا۔ اس سے زیادہ ستا لڑکا اور کوئی نہیں۔"

اتنا کہہ کے موتی کی ماں اس نارضامند لڑکے کو سلانے کے لئے کھینچ لے گئی۔ اتنے ہی سے کمو کے دل کا بوجھ کچھ ہلکا ہو گیا۔ اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کی دعا کا جواب اسے مل گیا۔ اب زندگی کا مرحلہ آسان ہو جائے گا۔ اسی معصوم لڑکے کے ملنے کی طرح آسان!

تیئسواں باب

بڑی رات گئے ایک بار موتی کی ماں کی آنکھ جو کھلی تو دیکھا کہ گھٹنوں کے بل بیٹھی ہے۔ دونوں ہاتھ گود میں دھرے کسی خیال میں گم، نگاہیں جیسے سامنے کسی کو دیکھ رہی ہوں۔ مدھوسودن کو اپنے دل کے اندر اتارنے کی کوشش میں جتنا زیادہ وہ ناکام رہتی، اتنی ہی شدت کے ساتھ وہ شوہر کو اپنے دیوتا کا روپ دے دینا چاہتی۔ شوہر کو نظر کے سامنے رکھ کر اپنے آپ کو وہ اپنے دیوتا کے سامنے بھینٹ چڑھانا چاہتی تھی۔ دیوتا نے اس کی پوجا کو بہت کٹھن بنا دیا تھا۔ ان کی یہ مورت تو بہت دھندلی تھی۔ لیکن عقیدت کا یہی تو امتحان تھا۔ پتھر کی مورتی میں ہوتا ہی کیا ہے۔ عقیدت ہی اپنے زورِ تصور سے اس کے بھدے نقش ونگار میں خالق جنت ونار کا روپ ڈھونڈھ لیتی ہے۔ "جہاں کچھ نہیں دکھائی دیتا، وہیں اس کو دیکھوں گی۔ وہ جہاں چھپا رہے گا وہیں پہونچ کے اسے ڈھونڈھ نکالوں گی۔ اور اپنے آپ کو اس کے قدموں پر نچھاور کردوں گی اس وقت تو وہ مجھ سے بچ کر نکل نہ جا سکے گا۔!"

مرے گردھر گوپال —— اور نہیں کوئی۔

میرا بائی کا یہ بھجن اس نے اپنے بھائی سے سیکھا تھا۔ وہی بھجن اس وقت

اس کے دل میں رہ رہ کے گنگنانے لگا۔

مدھوسودن کے حد سے زیادہ روکھے برتاؤ کا جو اُسے تجربہ ہوا تھا، اسے بھی وہ سطح آب پر اُبھرنے والے بلبلوں ہی کی طرح بے حقیقت سمجھ کر اڑا دینا چاہتی تھی۔ وہ جو حقیقی اور ابدی ہے، اسی نے یہ روپ دھارا ہے۔" اور نہیں کوئی!" اس کے علاوہ اسے ایک اور دلی کرب تھا، جسے وہ مایا کا نام دینا چاہتی تھی۔ وہ کرب تھا اس کی زندگی کا سُونا پن۔ آج تک اس کی زندگی جن چیزوں کے گرد چکر لگا رہی تھی، جن کی بنیاد پر اس کا سارا ایوانِ حیات کھڑا تھا، انہیں چیزوں سے جدائی۔ وہ دل ہی دل میں کہتی، یہ سونا پن، یہ خلا کیوں کر پُر ہو گا۔

باپ چھاڑے، ماں چھاڑے، چھاڑے سنگھی سہی
میرا پربھو لگن لگی جو نا ہوئے ہوئی!

باپ نے چھوڑا۔ ماں نے بھی چھوڑا! لیکن من کے اندر جو ہمیشہ سے براجمان تھے، انہوں نے تو نہیں چھوڑا۔ اور جو چاہے ٹھاکر مجھ سے چھڑا لیں مگر اس خلا کو وہی پورا بھی کریں گے۔ اسی لئے تو چھڑا رہے ہیں۔ میں تو لگی ہی رہوں گی جو ہو سو ہو—— دل کے اندر کا نغمہ کب لبوں تک آ پہنچا اسے خبر بھی نہ ہوتی—— دونوں آنکھوں سے آنسو ڈھلکنے لگے۔

موتی کی ماں کچھ نہ بولی۔ چپکی بیٹھی دیکھتی اور سنتی رہی۔ اس کے بعد جب کمّو نے دیر تک پرنام کر لیا اور ایک گہری ٹھنڈی سانس کھینچ کے بستر پر جا لیٹی، تو موتی کی ماں کے دل میں ایک اندیشہ سا پیدا ہوا جو، اب سے پہلے کبھی نہ ہوا تھا۔ وہ سوچنے لگی کہ ہم لوگوں کا بیاہ ہوا تھا، تو ہم سب تو الکدم کمسن چھوکریاں تھیں۔ دل نام والی بلا، ہم لوگوں کے پاس نہ تھی۔ جس طرح چھوٹے بچے کچے

پھل بے سمجھے جھپ سے منہ میں ڈال لیتے ہیں، اسی طرح ہم لوگوں نے بھی بیاہتا زندگی کو بے کچھ سوچے سمجھے نگل لیا تھا۔ کسی قسم کی کوئی رکاوٹ ہم لوگوں نے محسوس ہی نہ کی تھی۔ ہم لوگوں کو کچھ اس کے لئے ریاضت و عبادت کرنی نہ پڑتی تھی۔ دن گننے کی بھی ضرورت نہ تھی۔ جس دن کہا گیا آج پھولوں کی سیج والی رات ہے، اسی دن وہ رات آگئی۔ اس لئے کہ اس وقت ہم لوگوں کے ذہن میں اس رات کے کوئی خاص معنی ہی نہ تھے۔ وہ تو صرف ایک کھیل تھا۔ اور ایک یہ لڑکی ہے، کل ہی رات کو پھولوں کی سیج ہونے والی ہے، لیکن اس کے لئے یہ کیتنی بڑی مہم معلوم ہوتی ہے۔ بڑے ٹھاکر (جیٹھ) اب تک اس کے لئے غیر ہی ہیں۔ اسے چھوئیں گے کیسے؟ اس لڑکی سے یہ ذلت سہی کیسے جائے گی؟ دھن پانے میں تو بڑے ٹھاکر کو اتنے دن لگے۔ من پانے کے لئے کیا وہ دو دن بھی صبر نہیں کر سکتے؟ اُس لکشمی (دولت کی دیوی) کی چوکھٹ پر تو نہ جانے کتنے دنوں سر ٹیک کرنی پڑی تھی۔ اِس لکشمی (بی بی) کے در پر کیا ہاتھ نہ پھیلانے ہونگے؟

یہ باتیں موتی کی ماں نے دل میں نہ آئیں۔ آئیں تو اس کا سبب بھی تھا۔ کمو کو دیکھتے ہی پہلی نظر میں وہ اس سے جی جان سے محبت کرنے لگی تھی۔ اس محبت کی بُنیاد اسی وقت پڑ گئی تھی، جس وقت اسٹیشن پر اُس نے بپرا داس کو دیکھا تھا۔ اسے ایسا معلوم ہوا جیسے مہابھارت سے بھیم باہر نکل آئے ہیں۔ شجاعت کا پُر جلال مجسمہ، جوگیوں جیسا پُرسکوں چہرہ جس سے ایک غم انگیز نرمی پھوٹتی تھی موتی کی ماں کے دل میں آیا تھا کہ کوئی اگر کچھ اعتراض نہ کرتا تو وہ پلیٹ فارم پر اُتر کے ایک بار اس جوان مرد کے قدم چوم لیتی۔ وہ صورت آج تک نہ بھول سکی تھی۔ اس کے بعد جب کمو کو دیکھا تو دل ہی دل میں بولی "بھائی ہی کی بہن ہے نا"۔

ایک قسم کا شخصیت کا فرق ہوتا ہے جو سماج کا پیدا کیا ہوا نہیں ہوتا، بلکہ خون کا ہوتا ہے۔ یہ فرق کسی طرح مٹائے نہیں مٹتا۔ یہ جو خون یا نسل کا فرق ہوتا ہے وہ عورت کو جس قدر پریشان کرتا ہے اتنا مرد کو نہیں۔

موتی کی ماں کا بیاہ کمسنی میں ہوا تھا، اس لئے اس کو اس فرق کی کرشمہ سازیوں کو سمجھنے کا موقعہ ہی نہیں ملا تھا۔ لیکن کمو کے دل میں اس کا احساس کتنا سخت ہے، اس کا پتہ موتی کی ماں کو یقینی طور پر مل گیا۔ اس کے بدن میں جیسے ایک جھرجھری سی پیدا ہو گئی۔ جیسے اس نے ایک خوفناک سی تصویر دیکھ لی ہو۔ ایک انجانا جانور اپنی للچائی ہوئی زبان نکالے کنڈلی مارے بیٹھا ہو۔ اسی اندھیرے غار کے دہانے پر کمو دبی کھڑی دیوتا کو پکار رہی تھی۔ موتی کی ماں جھلا کر دل ہی دل میں بول اٹھی "دیوتا کے منہ میں خاک! جس دیوتا نے اسے اسی مصیبت میں پھنسایا ہے وہی اس کو نجات دلائے گا؟ ہائے رے انسان تیری سادہ دلی!

چوبیسواں باب

دوسرے دن صبح کو بھائی کا خط ملا، "بھگوان تمہیں آشیرباد دیں" خط کا کاغذ اس نے اپنے شلوکے کے اندر سینے کے پاس رکھ لیا۔ اس کاغذ پر اس کے بھائی کے دائیں ہاتھ کی انگلیوں کا لمس ہے! لیکن دادا نے اپنی صحت کے متعلق کچھ نہ لکھا؟ تو کیا ان کا مرض کچھ بڑھ گیا ہے؟ جس بھائی کی خبر ہر لمحے لینے کے لئے وہ بے چین رہا کرتی تھی، اسی بھائی سے اب وہ اتنی دور ہے کہ خیر خبر کے دروازے بھی بند ہیں!

آج پھولوں کی سیج والی رات ہے۔ گھر میں مہمانوں کی بھیڑ بھاڑ لگی ہے رشتہ دار عورتیں دن بھر کمّو کو گھیرے چھیڑتی رہیں۔ دم بھر بھی اُسے اکیلا نہ چھوڑا۔ تنہائی کی اسے سب سے زیادہ ضرورت آج ہی تھی۔

خوابگاہ سے لگا ہوا غسل خانہ تھا۔ وہاں پانی کا نل بھی لگا تھا، اور نہانے کے لئے جھنجھری دار فوّارہ بھی۔ ایک ذرا مہلت ملی تو اس نے بکس میں سے فریم کی ہوئی رادھا کرشن کی تصویر نکالی، اور اسے لئے ہوئے غسل خانہ میں گھس کے اندر سے دروازہ بند کر لیا۔ سامنے ہی نہانے کے لئے سنگ مرمر کا چبوترہ بنا تھا۔ اسی چبوترہ پر تصویر رکھ کے خود زمین پر اس کے سامنے بیٹھ گئی اور

دل ہی دل میں بولی ، " میں تمہاری ہی ہوں ، آج تم ہی مجھے لے لو ، وہ کوئی دوسرا نہیں ! تم ہی ہو ! تم ہی ہو ! تمہارے ہی روپ سے میرے جیون میں اجیالا ہے۔"

ڈاکٹروں نے کہا کہ بیپرا داس کے انفلوئینزا نے اب نمونیا کا رنگ اختیار کر لیا ہے۔ تب گوپال چوتھی کے سامان بھجوانے کے لئے اکیلے ہی کلکتہ آیا۔ اور بڑے ٹھاٹ سے سوغاتیں بھجوائی گئیں۔ بیپرا داس خود ہوتا تو اتنا اہتمام نہ کرتا۔

کمو کے بیاہ کے موقعہ پر کمو کی چاروں بہنوں کے لئے بلاوا بھیجا گیا تھا، لیکن یہ افواہ پھیل چکی تھی کہ گھوشال خاندان والے عالی دور مان برہمن نہیں۔ اسلیئے سسرال والے ان لوگوں کو بھیجنے پر کسی طرح بھی راضی نہ ہوئے۔ کمو کی تیسری بہن البتہ شوہر سے لڑ جھگڑ کر بیاہ کے دوسرے دن کلکتہ آ پہونچی تھی۔ لیکن تب گوپال نے کہا " تم اگر اس گھر میں قدم رکھو گی، تو ہم لوگوں کی آن ٹوٹ جائے گی۔" بیاہ کی رات والی بات وہ ابتک بھول نہ سکا تھا۔ اس لئے دور کے رشتے کی چند لڑکیوں کو ایک داسی کے ساتھ چوتھی کی دعوت میں شرکت کے لئے بھیج دیا تھا۔ کمو سمجھ گئی کہ صلح ابتک نہیں ہوئی۔ شاید کبھی بھی نہ ہو!

کمو چوتھی کی دلہن سنواری گئی۔ مذاق کرنے والیوں کے مذاق کی رو تھمی۔ مہمانوں کو کھانا کھلانے کا انتظام شروع ہوا۔ مدھوسودن نے پہلے ہی سے کہہ رکھا تھا رات زیادہ نہ ہونی چاہیئے۔ اُسے کل بہت کام ہیں۔ نو بجتے ہی حکم کے مطابق اندر کی انگنائی میں گھنٹے کی آواز سنائی دی۔ اب تو ایک منٹ کی دیر کرنے کی مجال کسی کی نہ تھی۔ محفل برخاست ہوئی آسمان پر باز کے پروں کا سایہ دیکھتے ہی کبوتری جیسے سہم جاتی ہے، کمو کا دل بھی اسی طرح کانپنے لگا۔ ٹھنڈے ہاتھوں میں پسینہ آگیا۔ چہرہ زرد پڑ گیا۔ کمرے سے نکل کر اس نے

موتی کی ماں کا ہاتھ پکڑ کے کہا "مجھے دم بھر کے لئے آڑ میں لے چلو۔ اور دس منٹ کے لئے اکیلا چھوڑ دو۔"

موتی کی ماں جلدی سے اسے اپنے کمرے میں لے آئی، دروازے بند کر لئے اور خود باہر نکل آئی اور آنسو پونچھتی ہوئی بولی، "یہ بھی قسمت کا کھیل ہے۔"

دس منٹ گذرے، پندرہ منٹ گذرے ـــ دولھا کمرے میں جا چکا۔ دلہن کہاں ہے؟ ڈھونڈھ پڑی۔ موتی کی ماں بولی، "اتنی جلدی کا ہے کی پڑی ہے۔ دلہن آخر کپڑے بدلے گی، گہنے اتارے گی کہ نہیں؟" وہ چاہتی تھی کہ جتنی دیر ہو سکے کمو کو مہلت دے۔ لیکن جب اس نے دیکھا کہ اب دیر نہیں کی جا سکتی تو دروازہ کھول کے اندر گئی۔ دیکھا دلہن غش میں پڑی ہے۔

غل مچ گیا۔ پکڑ دھکڑ کے عورتوں نے کمو کو بچھونے پر لا سلایا۔ کوئی پانی کے چھینٹے دینے لگی، کوئی پنکھا جھلنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد جب کمو کو ہوش آیا تو وہ یہ سمجھ نہ سکی کہ کہاں ہے۔ پکار اٹھی "دادا!" موتی کی ماں جلدی سے اس پر جھک کر بولی، "ڈرو نہیں دیدی! میں بیٹھی ہوں پاس!" یہ کہہ کے اس نے کمو کا سر اپنی گود میں لیا اور اسے زور سے سینے سے چمٹا لیا۔ اور سب سے بولی "تم لوگ بھیڑ نہ لگاؤ۔ میں ابھی ابھی اسے لئے آتی ہوں"۔ پھر کمو کے کان میں کہا، "ڈرو نہیں بہن! ڈرو نہیں!" کمو آہستہ آہستہ اٹھ بیٹھی۔ دل ہی دل میں ٹھاکر کو پرنام کیا اور نام لیا۔ کمرے میں ایک تخت پہ بابل گہری نیند سو رہا تھا۔ اس کے پاس جا کر پیشانی چومی۔ موتی کی ماں نے اسے خوابگاہ تک پہونچا کے پوچھا،

"کیا اب بھی ڈر رہی ہو، دیدی؟"

کمو زور سے مٹھی بھینچ کے مسکراتی ہوئی بولی، "نہیں مجھے اب کوئی ڈر نہیں معلوم ہوتا۔" پھر دل ہی دل میں بولی، "میرا تو یہی حال ہے۔ باہر اندھیرا

اندر اُجالا - ! "

" میرے گردھر گوپال ـــــــ اور نہیں کوئی "

پچیسواں باب

اتنے ہی میں شیام سندری ہانپتی ہوئی کمرے میں داخل ہوتے ہی مدھو

سے بولی " دلہن کو غش آگیا ہے!" مدھوسودن کا دل جیسے دفعتاً جل اُٹھا۔

بولا، "کیوں؟ کیا ہوا ہے اُن کو؟"

" یہ تو میں کہہ نہیں سکتی۔ دادا! دادا! کہتی ہوئی بے ہوش ہو کے گر گئی

تم ذرا جا کے دیکھ آتے؟"

"کیا ہوگا جا کے۔ میں تو ان کا بھائی نہیں۔!"

" فضول غصہ نہ کرو ٹھاکر پو! وہ بڑے گھر کی لڑکی ہے۔ رام ہوتے

ذرا وقت لگے گا۔"

" روز روز ان کو غش آئے گا اور میں ان کے ماتھے پر کیسر اجی تیل ملوں گا،

کیا میں اسی لئے ان کو بیاہ لایا ہوں؟"

" ٹھاکر پو! تمہاری باتیں سُن کے ہنسی آتی ہے۔ اسمیں حرج ہی کیا ہے؟

ہم لوگوں کے زمانے میں، روٹھنے والی کو باتوں باتوں میں منایا جاتا تھا،

اب غش سے ہوش میں لانا پڑے گا اور کیا؟"

مدھوسودن مُنہ پھلائے بیٹھا رہا۔ شیام سندری نے بڑی ہمدردی کیساتھ

بڑی محبت سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور بولی، "ٹھاکر پو! یوں جی دل نہ چھوٹا کرو۔ مجھے سے دیکھا نہیں جاتا۔"

اب سے پہلے شیاما کی اتنی ہمت کبھی نہ ہوئی تھی کہ مدھوسودن کے اتنا قریب آئے اور اسے تسلی دے۔ ڈھیٹ شیاما اس کے سامنے چپ ہی رہا کرتی تھی۔ اس لئے کہ وہ جانتی تھی، مدھوسودن فضول باتیں برداشت نہیں کرتا لیکن آج وہ عورت کی فطری ذہانت سے فوراً یہ سمجھ گئی کہ مدھوسودن اب وہ مدھوسودن نہیں۔ آج وہ کمزور ہے۔ اپنے وقار کی نگہداشت کی اس وقت اتنی پروا نہیں مدھوسودن کے ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہی، وہ سمجھ گئی کہ اسے برا نہ لگا۔ نئی دلہن نے جہاں ٹھیس لگائی ہے، وہاں کسی ذریعہ سے بھی سہی مرہم جو رکھ دیا گیا ہے تو اسے دل ہی میں سہی آرام ضرور محسوس ہوا۔ کم از کم شیاما تو اس کی بے قدری نہیں کرتی، یہ بالکل ہی حقیر سی بات تو نہیں۔ شیاما کیا کمو کے مقابلہ میں کچھ کم خوبصورت ہے؟ ایک ذرا رنگ میلا ہی سہی — لیکن اس کی آنکھیں، اسکے لمبے بال، اس کے رس بھرے ہونٹ؟"

شیاما دفعتاً بول اٹھی "یہ دیکھو دلہن تو آ ہی رہی ہے۔ اب میں چلی بھائی؟ لیکن دیکھو اس پر غصہ نہ کرنا۔ ارے! بیچاری! ابھی بالکل ہی بچی ہے!"

کمو کے کمرے میں داخل ہوتے ہی مدھوسودن سے رہا نہ گیا۔ بول اٹھا۔ "باپ کے گھر سے ہی غش کھانا سیکھ کے آئی ہو۔ شاید۔ لیکن ہمارے یہاں یہ سب چلنے کی نہیں۔ تمہیں اپنی یہ نوزنگری چال چھوڑنی ہی پڑے گی۔"

کمو جھکی ہوئی آنکھیں ملتی، چپ چاپ کھڑی رہی۔ ایک لفظ بھی نہ بولی۔ مدھوسودن اس کو چپ دیکھ کے اور چڑھ گیا۔ دل کی گہرائیوں میں اس لڑکی کا دل جیتنے کی جو خواہش جاگ اٹھی تھی، اسی کی وجہ سے یہ لاحاصل غصہ تھا۔

بولا "میں کام کا آدمی ہوں۔ مجھے وقت بہت ہی کم ہے۔ ہسٹریا والی لڑکی کی خدمت گاری کرنے کی فرصت مجھے نہیں۔ یہ میں صاف صاف کہے دیتا ہوں۔"

کمو دھیرے دھیرے بولی "تم مجھے ذلیل کرنا چاہتے ہو، تمہیں ہار ماننی پڑے گی میں تمہاری دی ہوئی ذلت کو دل میں جگہ ہی نہ دوں گی۔"

کمو کس سے یہ باتیں کہہ رہی تھی؟ اس کی پھیلی ہوئی آنکھوں کے سامنے کون کھڑا ہے۔ مدھوسودن کیا جانے، حیران رہ گیا۔ اس نے سوچا "یہ لڑکی جھگڑا کیوں نہیں کرتی؟ آخر اس کے کیا خیالات ہیں؟" حقارت کرتے ہوئے بولا، "تم اپنے دادا کی چیلی ہو نا! لیکن یہ سمجھ رکھنا میں تمہارے انہی دادا کا مہاجن ہوں۔ میں انہیں ایک ہی بازار میں بیچ بھی سکتا ہوں، اور خرید بھی سکتا ہوں۔!"

وہ کمو کے بھائی سے بڑا ہے، یہ جتانے کے لئے اس بے وقوف کو کوئی دوسرا طریقہ سمجھ میں نہ آیا۔

کمو نے کہا "دیکھو بے درد بنتے ہو تو بنو، مگر نیچ کبھی نہ بننا۔" اتنا کہہ کے وہ صوفے پر بیٹھ گئی۔

نہایت ہی کرخت لہجے میں مدھوسودن بولا، "کیا کہا؟ میں تمہارے بھائی سے کم درجے کا ہوں؟ وہ مجھ سے بڑے ہیں۔؟"

کمو نے کہا "تم کو بڑا سمجھ ہی کے تمہارے گھر آئی ہوں۔"

مدھوسودن منہ چڑھاتے ہوئے بولا، "بڑا ہی سمجھ کے آئی ہو، یا روپے کے لالچ میں؟"

کمو صوفے سے اٹھ کر کمرے سے باہر کھلی چھت پر چلی گئی — اور زمین

ہی پر جا بیٹھی

کلکتہ میں جاڑے کی کنجوس رات، دھوئیں اور کہرے سے ملگجی ہو رہی تھی۔ آسمان اداس اداس۔ تاروں کی روشنی بھی دھندلی سی تھی جیسے رندھے ہوئے گلے کی آواز۔ کمو کا دل اس وقت جیسے بے حس سا ہو گیا تھا، نہ کوئی فکر تھی نہ کوئی کرب۔ جیسے وہ ایک گہرے کہرے میں کھو سی گئی ہو۔

مدھوسودن کو یہ وہم و گمان بھی نہ تھا کہ کمو اس طرح خاموش کمرے سے نکل جائے گی۔ اپنی اس شکست کے لئے سب سے زیادہ غصہ اسے کمو کے بھائی پر آتا تھا۔ پلنگ کے پاس ایک کرسی پر بیٹھے بیٹھے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کے اس نے ایک گھونسہ دکھایا۔ کچھ دیر چپکے بیٹھے رہنے کے بعد وہ صبر نہ کر سکا تلملاتا اٹھا اور کھلی ہوئی چھت پر نکل کر کمو کے پیچھے سے پکارا، "بڑی بہو!"

کمو چونک پڑی۔ منہ پھیر کے دیکھا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔"

"اس ٹھنڈک میں باہر کھڑی کیا کر رہی ہو؟ چلو کمرے میں!"

کمو بے فکری سے مدھوسودن کی طرف دیکھتی رہی۔ مدھوسودن کے اندر جو کچھ بھی مالکانہ تحکم بچا کھچا تھا وہ بھی رخصت ہو گیا۔ کمو کا ہاتھ پکڑ کے آہستہ آہستہ بولا، "آؤ چلو کمرے میں۔"

کمو کے دائیں ہاتھ میں بھائی کا وہی آشیرباد والا خط تھا۔ اس نے اسے سینے سے چمٹا رکھا تھا۔ شوہر کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ اس نے چھڑایا نہیں۔ چپ چاپ آہستہ آہستہ خوابگاہ میں چلی گئی۔

چھبیسواں باب

دوسرے دن صبح کو کمو جب بستر پر اُٹھ کر بیٹھی تو اس وقت اس کا شوہر سو رہا تھا۔ کمو نے اس کے چہرے پر نگاہ نہ ڈالی۔ ایسا نہ ہو کہ پھر بگڑ بیٹھے، بڑی احتیاط سے آہستہ آہستہ اُٹھ کر، اس کے قدموں پر پرنام کیا، پھر اشنان کرنے چلی گئی۔ نہانے کے بعد پچھلی طرف کا دروازہ کھول کے وہ کھلی چھت پر جا بیٹھی۔ کہرے کے اندر سے بھی اس وقت پورب طرف ایک دھیمی سی سنہری لکیر نظر آ رہی تھی۔

دن چڑھا، دھوپ نکھری، تو کمو آہستہ آہستہ کمرے میں آئی، دیکھا کہ شوہر اُٹھ کے باہر جا چکا ہے۔ آئینہ کی دلمان پر اس کی وہی پوت کے کام والی تھیلی رکھی ہوئی تھی۔ اس نے چاہا کہ بھائی کا خط اسی تھیلی میں رکھ دے۔ تھیلی کھولی تو دیکھا کہ وہ نیلم والی انگوٹھی غائب ہے۔

صبح کو پوجا کرنے کے بعد اس کے دل میں جو قدرے سکون سا پیدا ہو گیا تھا وہ دفعتاً جاتا رہا اور آنکھوں سے چنگاریاں نکلنے لگیں۔ اتنے ہی میں موتی کی ماں اسے دودھ اور مٹھائی کھلانے کے لئے بلانے آئی۔ دیکھا تو کمو کے منہ سے جواب نہیں نکلتا، پتھر کی مورتی بنی بیٹھی ہے۔ موتی کی ماں ڈرتی ہوئی پاس آ کر بیٹھی، پوچھا "کیا ہوا بہن؟"، کمو کے منہ سے بات نکل نہ سکی۔ ہونٹ کپکپا کے رہ گئے۔

"بولو دیدی - مجھ سے تو کچھ کہو، تمہیں کہاں چوٹ لگی ہے؟"

کمو رُندھی ہوئی آواز میں بہ مشکل بول سکی "لے گیا چُرا کر!"

کیا لے گیا دیدی؟"

"میری انگوٹھی - میرے بھائی کی دی ہوئی آشیر بادی انگوٹھی۔"

کمو اُٹھ کھڑی ہوئی، منہ سے نام نہ بتا سکی - انگلیوں سے باہر کی طرف اشارہ کیا۔"

"ایک ذرا دل ٹھہراؤ دیدی۔ مذاق سے لے گئے ہوں گے واپس کر دیں گے۔"

"میں واپس لوں گی ہی نہیں! دیکھوں گی وہ کتنا ظلم کر سکتا ہے!"

"خیر یہ تو پھر ہوتا رہے گا - اب کچھ منہ میں ڈالو گی بھی یا نہیں؟"

"نہیں! یہاں کا کھانا میرے گلے سے نہ اترے گا!"

"میری اچھی سی دیدی! میری خاطر سے کھا لو!"

"ایک بات پوچھنا چاہتی ہوں - آج سے کیا کوئی چیز بھی میری اپنی نہ رہی؟"

"نہیں کچھ بھی نہیں! جو کچھ بھی ہے وہ سوامی کی مرضی پر ہے۔ جانتی نہیں ہو چٹھی میں اب "داسی" لکھ کے دستخط کرنی ہو گی۔"

"داسی"! اسے رگھوبنس کی اندومتی یاد آگئی ؎

گرِھنی سیچِو! سکھی متھ + پریہ شِشیہ للتے کلا بیدھو

ترجمہ:- گھر کی مالکن۔ منتظمہ، سکھی۔ پیار اور نازوں کی پالی شریک زندگی اس بیت میں "داسی" کا تو کہیں ذکر نہیں۔ ساوتری کیا ستیہ وان کی داسی تھی۔ کیا سیتا رام کی داسی تھیں؟

کمو نے پوچھا "- جن لوگوں کے گھر میں داسی ہوتی ہے وہ کس ذات کے لوگ ہوتے ہیں؟"

"یہ شخص انسان کو بالکل نہیں پہچانتا۔ وہ صرف دوسروں ہی سے غلامی نہیں کراتا۔ اپنی غلامی آپ بھی کرتا ہے۔ جس دن آفس نہیں جا سکتا۔ اُس دن کا روپیہ اپنی تنخواہ سے کاٹ لیتا ہے۔ ایک دفعہ کالرا ہوا تو ایک مہینہ کی تنخواہ پوری کی پوری کاٹ دی تھی۔ اس کے بعد دو تین مہینوں تک کھانے پینے کے خرچ میں کمی کر کے وہ گھاٹا پورا کیا گیا۔ گھر کی گرہستی میں چلاتی ہوں اس کے عوض مجھے بھی ماہانہ تنخواہ ملتی ہے۔ اپنا رشتہ دار وہ کسی کو نہیں مانتا۔ اس مکان میں مالک سے نوکر تک سب غلام ہیں۔"

کمو تھوڑی دیر چپ رہی، پھر بولی، "میں بھی وہی غلامی کروں گی۔ اپنے روزانہ خورد و نوش کا خرچ روز مزدوری کر کے پورا کروں گی۔ میں اس گھر میں بے تنخواہ کی بی بی بن کر نہیں رہوں گی۔ چلو مجھے کسی کام میں بھرتی کر دو۔ گرہستی کا بار تمہیں پر تو ہے۔ تم مجھ سے روزانہ کام لے لینا۔ البتہ دیکھنا کوئی مجھے رانی کہہ کے میرا مذاق نہ اڑائے۔"

موتی کی ماں ہنس پڑی۔ کمو کی تھوڑی پکڑ کے بولی، "اگر یہ بات ہے تو پھر تمہیں میرا حکم ماننا پڑے گا۔ میں حکم دیتی ہوں۔ چلو اب کھانے۔"

کمرے سے نکلتے نکلتے کمو بولی، "دیکھو بہن، اپنے آپ کو حوالہ کر دوں گی، یہی سوچ کر تیار ہو کے آئی تھی۔ لیکن اُس نے کسی طرح بھی ہونے نہ دیا۔ اب داسی ہی ملے گی اسے۔ مجھے اب نہ پائے گا۔"

موتی کی ماں بولی، "کٹھ پھوڑوا صرف درخت کو کاٹنا ہی جانتا ہے۔ نہ اسے درخت ملتا ہے نہ لکڑی۔ مالی درخت کی نگہداشت کرنا جانتا ہے۔ اسے پھول بھی ملتے ہیں پھل بھی۔ تم پڑی ہو ایک کٹھ پھوڑ دے کے پلّے۔ وہ ہے سوداگر اس کے دل میں نام کو بھی کسی کا درد نہیں۔"

ایک بار کمو جو اپنی خوابگاہ میں آئی تو دیکھا کہ اس کی تپائی پر ٹافی کی ایک

شیشی لگی ہے۔ ہابل اپنی محبت کا نذرانہ چپکے سے رکھ کر کہیں جا چھپا تھا۔ یہاں پتھر کی چٹانوں کے شگاف میں بھی پھول کھلتے ہیں! بچے نے اپنی اس ٹیانی والی زبان سے اسے بیک وقت ہنسایا بھی اور رلایا بھی۔ اسے ڈھونڈھنے نکلی تو دیکھا کہ وہ باہر دروازے کی آڑ میں چھپا کھڑا ہے۔ اس کی ماں نے اسے کمرے میں آنے جانے کی ممانعت کر دی تھی۔ اسے ڈر تھا کہ ایسا نہ ہو کسی سبب سے "کرتا" کو ناگوار ہو۔ بات یہ ہے کہ گھر کے تمام لوگ یہ جانتے تھے کہ کام کے سوا اور اوقات میں مدھوسودن سے جہاں تک ہو سکے دور ہی رہنے میں عین عافیت ہے۔

کمو ہابل کو پکڑے پکڑے لائی اور گود میں بٹھایا۔ کمرے کی آرائش کے لئے جتنی گڑیاں یا کھلونے تھے دونوں مل کے ان کو الٹ پلٹ کرنے لگے۔ انہیں میں ایک شیشے کا "پیپر ویٹ" تھا۔ کمو کو یہ محسوس ہوا کہ وہ شیشہ ہابل کو بہت پسند آیا ہے۔ شیشہ کے اندر جو رنگین پھول بنا ہوا تھا۔ وہ کس طرح بنایا گیا ہے یہی سمجھنے کے لئے وہ بے چین تھا۔

کمو نے پوچھا "یہ لوگے گوپال؟"

ایسی غیر متوقع تجویز تو اس نے زندگی میں آج تک سنی ہی نہ تھی۔ ایسی چیز کی وہ تمنا بھی کر سکتا تھا؟ وہ حیرت اور خوف سے کمو کی طرف تکنے لگا۔

کمو بولی، "لو، یہ تم لے جاؤ۔"

ہابل مارے خوشی کے ٹک نہ سکا۔ ہاتھ میں لے کے دوڑتا ہوا بھاگ نکلا۔

اسی دن سہ پہر کو ہابل کی ماں نے آ کر کہا "تم نے یہ کیا کیا بہن۔ ہابل کے ہاتھ میں وہ شیشہ کا پیپر ویٹ دیکھتے ہی بڑے ٹھاکر نے قیامت برپا کر دی۔ چھین تو لیا ہی —— پھر اسے چور بنا کے پیٹا بھی۔ لڑکا بھی ویسا ہی ہے۔ تمہارا نام تک نہ لیا۔ اب دیکھنا یہ بات بھی اٹھے گی کہ ہابل کو اس نے ہی چوری کرنا

سکھایا ہے۔"

کمو کاٹھ کی مورتی کی طرح خاموش بیٹھی رہی۔

اتنے ہی میں باہر سے مدھوسودن کے قدموں کی چاپ چرمر، چرمر، چرمر، چرمر سنائی دی۔ موتی کی ماں تو جلدی سے بھاگ نکلی۔ مدھوسودن وہ پیپر ویٹ ہاتھ میں لیئے اندر آیا۔ اور اس کو مناسب جگہ پر رکھ کر بڑے یقین سے صاف اور پرسکون متین لہجے میں بولا، "بابل تمہارے کمرے سے یہ شیشہ چرا کر لے گیا تھا۔ چیزیں ذرا سنبھال کے احتیاط سے رکھنا سیکھو!"

کمو تیز لہجے میں بولی، "اس نے چوری نہیں کی تھی!"

"اچھا ٹھیک ہے، اٹھا لے گیا ہوگا!"

"نہیں میں نے اس کو دیا تھا۔"

"اس طرح تم اس کا دماغ خراب کرنا چاہتی ہو شاید! ایک بات یاد رکھنا میرے حکم کے بغیر کوئی چیز کسی کو نہیں دی جا سکتی۔ میں یہ بے جا لاڈ پیار نہیں پسند کرتا۔"

کمو اُٹھ کھڑی ہوئی بولی، "تم نے میری نیلم کی انگوٹھی نہیں لی۔؟"

"ہاں لی تو ہے۔"

"اُس سے تمہارے اس شیشہ کے ڈھیلے کا دام چک نہیں گیا؟"

"میں تو کہہ چکا تھا کہ وہ انگوٹھی تم رکھ نہیں سکتیں۔"

"اپنی چیز تم رکھ سکتے ہو۔ میں اپنی چیز نہیں رکھ سکتی؟"

"اس مکان میں تمہاری اپنی چیز کوئی نہیں؟"

"کچھ بھی نہیں؟ تو پھر لو! یہ پڑا ہے تمہارا گھر!" کہتی ہوئی جیسے ہی کمرے سے باہر نکلی ویسے ہی شیام سندری بے تابانہ داخل ہوتی ہوئی بولی "بہو کہاں گئی؟"

"کیوں ؟"

"صبح سے اس کا ناشتہ لئے بیٹھی ہوں۔ اس گھر میں آکے وہ کھانا پینا بھی چھوڑ دے گی ؟"

"تو اس سے کیا، نوز نگر کی راجکماری نے نہیں کھایا تو نہ سہی؟ تم لوگ کیا اس کی لونڈی ہو ؟"

"چھی چھی ! ٹھاکر یو! کم سن بچی پر اتنا غصہ نہیں کیا جاتا۔ وہ بے کھائے پیئے یوں ہی رہے۔ یہ ہم لوگوں سے نہیں دیکھا جاتا۔ اس لئے تو اس دن بیہوش ہو گئی تھی۔"

مدھوسودن گرج اٹھا، "کچھ نہیں کرنا ہوگا۔ جاؤ یہاں سے۔ بھوک لگے گی تو خود ہی کھائے گی۔"

شیاما جیسے بہت ہی مایوس واپس چلی گئی۔

مدھوسودن کے دماغ پر گرمی چڑھ گئی۔ جلدی سے غسل خانہ میں جاکر پانی کا نل کھول کے خوب سر پر تڑا تڑے ڈالے۔

ستائیسواں باب

شام ہونے کو آئی۔ کمو کا ڈھونڈھے بھی کہیں پتہ نہ لگا۔ آخر میں دیکھا گیا کہ بھنڈار خانہ کے پاس والی ایک چھوٹی سی کوٹھری میں جہاں لالٹین لیمپ اور چراغ وغیرہ رکھے جاتے تھے وہ ایک چٹائی پر بیٹھی ہے۔ موتی کی ماں نے آکر پوچھا، "یہ کیا تماشہ مچا رکھا ہے دیدی!"

"اس گھر میں اب میں چراغ بتی صاف کیا کروں گی۔ اور یہی ہے میری جگہ!"

موتی کی ماں بولی، "کام تو بڑا اچھا چنا ہے بھائی۔ اس گھر میں تم روشنی ہی کرنے تو آئی ہو۔ لیکن اس کے لئے تمہیں چراغ بتی صاف نہ کرنا پڑے گی۔ اب اٹھو چلو۔"

لیکن کمو کسی طرح نہ ٹلی۔

موتی کی ماں بولی، "تو پھر میں بھی تمہارے ساتھ یہیں سوؤں گی۔"

کمو نے نہایت سخت لہجہ میں کہا، "نہیں"۔ موتی کی ماں نے محسوس کیا کہ اس رئیس گھرانے کی لڑکی میں حکم رانی کرنے کی طاقت ہے۔ اسی لئے اسے واپس ہی جانا پڑا۔

مدھوسودن رات کو سونے آیا تو کمو کی ضد کی خبر پا کر اس نے پہلے سوچا

"اچھا تو ہے۔ اسی کوٹھری میں رہے۔ میں بھی دیکھوں کتنے دن رہ سکتی ہے۔ منت آرزو کروں گا، تو ضد اور بڑھ جائے گی۔"

یہ طے کر کے اس نے روشنی دھیمی کی، اور پلنگ پر لیٹ گیا۔ لیکن نیند کسی طرح نہ آئی۔ ہر آہٹ پر یہی گمان ہوتا کہ وہ آ رہی ہے۔ ایک دفعہ تو شک ہوا جیسے دروازہ کے باہر کھڑی ہے۔ بستر سے اُٹھ کر باہر جا کر دیکھا تو کہیں پتہ نہ تھا۔ رات جتنی ڈھلتی گئی بے قراری بڑھتی گئی۔ کمو کو وہ بھول جائے اس کی قوت وہ اپنے میں نہ پاتا تھا۔ اور خود بڑھ کر جائے اور اس کے سامنے اعترافِ شکست کرے یہ بھی اس کی پالیسی کے خلاف تھا۔ ٹھنڈے پانی سے منہ دھو کر پھر آ لیٹا۔ لیکن نیند نہ آنا تھی نہ آئی۔ ہاتھ میں ایک لالٹین لئے سوتے ہوئے کمروں سے خاموشی سے گذرتا ہوا زنانخانہ میں داخل ہوا۔ اور اسی فراش خانہ کے پاس کان لگا کے سننے لگا۔ اندر کوئی آہٹ نہ تھی۔ چپکے سے دروازہ کھول کے دیکھا، کمو زمین پر ایک چٹائی ڈالے سوئی ہوئی تھی۔ چٹائی کو سرہانے سے ایک ذرا لپیٹ کر تکیہ بنا لیا تھا۔ مدھوسودن کو کسی طرح نیند نہ آئی تھی مگر وہ گہری نیند میں پڑی تھی۔ ایسی گہری نیند کہ لالٹین کی روشنی چہرے پر ڈالی جب بھی نہ ٹوٹی۔ اتنے میں کمو نے کروٹ پھیری گھر والے کو جگا ہوا پا کے چور جس طرح بھاگتا ہے مدھوسودن بھی اسی طرح بھاگا۔ اسے یہ ڈر تھا کہ کہیں کمو اس کی یہ شکست دیکھ نہ پائے۔ اور پھر دل ہی دل میں ہنس دے۔ بتی گھر سے نکل کر مدھوسودن ابھی چند ہی قدم برآمدے میں آگے بڑھا تھا کہ دیکھا سامنے شیام سندری کھڑی ہے۔ اس کے ہاتھ میں ایک چراغ ہے۔

"یہ کیا ٹھاکر پو! اتنے وقت اِدھر کیسے آ نکلے؟"

مدھوسودن نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیتے ہوئے پوچھا "تم کہاں جا رہی ہو بہو!"

"کل میرا برت ہے نا۔ برہمن بھوج کرانا ہوگا۔ اسی کا سامان کرنے جارہی تھی، تمہیں بھی دعوت دیتی ہوں لیکن تمہیں دکھشنا (نذرانہ) دینے کی طاقت نہیں مجھ کو بھائی۔"

مدھوسودن کے لبوں پر ایک جواب آرہا تھا مگر اس نے اسے روک لیا۔ رات کے پچھلے پہر کے اندھیرے میں شیاما بہت خوبصورت نظر آرہی تھی۔ وہ ایک ذرا مسکراتی ہوئی بولی، "آج سو کے اُٹھتے ہی تم جیسے خوش قسمت آدمی کا منہ دیکھا ہے۔ آج میرا دن اچھا گذرے گا۔ برت بھی کامیاب ہوگا۔"

لفظ "خوش قسمت" پر اس نے ذرا زیادہ زور دیا۔ مدھوسودن کے کان میں یہ بات طنز جیسی معلوم ہوئی۔ کمو کے متعلق صاف صاف کچھ پوچھنے کی ہمت شیاما کو نہ ہوئی۔

"لیکن کل میرے کمرے میں کھانے کے لئے آنا۔ میرے سر کی قسم!" کہتی ہوئی وہ چلی گئی۔

اپنے کمرے میں آکے مدھوسودن پھر لیٹ گیا۔ لالٹین باہر ہی رکھدی تھی۔ شاید کمو آجائے۔ کمو کا وہ سوتا ہوا چہرہ اس کی نگاہوں سے کسی طرح اوجھل ہوتا ہی نہ تھا۔ بار بار یاد آتا کمو کا وہ خوبصورت ہاتھ جو شال سے باہر نکلا ہوا تھا۔ شادی کے دن جب اس نے یہ ہاتھ اپنے ہاتھ میں لئے تھے تو انہیں اچھی طرح دیکھا نہ تھا آج دیر تک دیکھتے رہنے پر بھی اس کی نگاہ آسودہ نہ ہوئی تھی۔ ان ہاتھوں پر پورا قبضہ اسے کب ملے گا؟"

بستر پر وہ اب ٹِک نہ سکا۔ اُٹھ کھڑا ہوا۔ روشنی جلا کے کمو کے میز کی دراز کھولی۔ دیکھا کہ وہی پوت والی تھیلی رکھی ہے۔ پہلے ہی نظر پڑا وہ بپرا داس والا خط "ایشور تمہیں آشیرباد دیں"۔ اس کے بعد ایک تصویر۔ اس کے دونوں بھائیوں کی

پھر ایک کاغذ کا ٹکڑا نکلا - جس پر بپرا داس کے ہاتھ کا لکھا ہوا گیتا کا ایک اشلوک تھا۔

رشک سے مدھوسودن کا دل جل اٹھا۔ دانت کٹکٹا کے بپرا داس کو اس نے دل ہی دل میں جیسے چبا ڈالا - وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اُسے پوری طرح کھا جانے کا دن بھی جلد ہی آجائے گا - پینچ، آہستہ آہستہ ہی کسنا ہوگا۔ لیکن کمودنی کے یہ انیس سال تو مدھوسودن کی پہونچ سے باہر تھے۔ ان کو بپرا داس کے ہاتھ سے اسی ایک لمحے میں چھینے بغیر اس کو چین نہ آسکتا تھا۔ اور زبردستی کے سوا دوسرا کوئی طریقہ معلوم ہی نہ ہوتا تھا۔ تھیلی کو پھینک دینے کی ہمت آج اس میں نہ تھی۔ جس دن انگوٹھی لے لی تھی، اس دن اس کی ہمت زیادہ تھی۔ اس وقت تک سمجھتا تھا کہ کمودنی بھی عام عورتوں جیسی ہے۔ آسانی سے اس کے دباؤ میں آجائے گی بلکہ شاید دبلاؤ ہی پسند کرتی ہے۔ لیکن آج اسے معلوم ہوگیا کہ کمودنی کیا کرسکتی ہے، اور کیا نہیں کرسکتی، اس کا صحیح اندازہ ممکن نہیں۔

کمودنی کو اپنی زندگی کے ساتھ باندھے رکھنے کا صرف ایک ہی وسیلہ تھا اور وہ راستہ تھا اسے بچّہ کی ماں بنا دینے کا۔ اِس خیال سے اس کو ذرا تسکین ہوئی تھی۔ اسی طرح صبح کے پانچ بج گئے۔ لیکن جاڑے کی رات کا اندھیرا اب تک دور نہیں ہوا تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں تڑکا ہو جائے گا۔ یہ رات بیکار ہی جائے گی مدھوسودن جلدی جلدی کمرے سے باہر نکل آیا۔ فراش خانہ کے پاس پہونچ کر پاؤں کی چاپ ذرا بھاری کردی۔ دروازہ بھی جھٹکے سے کھولا - دیکھا کمو اندر نہیں، "کہاں گئی"؟ اس نے خالی کوٹھری سے گویا یہ سوال کیا۔

آنگن میں نل سے پانی گرنے کی آواز آئی۔ برآمدے میں کھڑے کھڑے دیکھا کہ مدتوں سے بیکار پڑے ہوئے جتنے لیمپ اور چراغ تھے سب کو لئے بیٹھی

کمو اِلی سے رگڑ رگڑ کر مانجھ رہی ہے۔ یہ تو جان بوجھ کے بات بڑھانے کی کوشش تھی۔ جاڑے میں بھور کے وقت نیند سے محرومی کے دکھ کو اور پھیلانے کی سعی۔

مدھوسودن اوپر برآمدے سے دم بخود کھڑا دیکھتا رہا۔ کمزور کا زور کس طرح توڑا جائے، یہی فکر تھی اس کو۔ صبح کو اُٹھ کر گھر والے جب دیکھیں گے کہ کمو بیٹھی لیمپ مانجھ رہی ہے تو وہ کیا خیال کریں گے۔ جس نوکر کے ذمہ ان کو صاف رکھنے اور مانجھنے کا کام تھا وہ کیا سمجھے گا۔ اس کی جگ ہنسائی کی، اس سے بہتر ترکیب اور کیا ہو سکتی ہے؟

ایک بار جی میں آئی کہ نل کے پاس جاکر ہی کمو سے نپٹ لے۔ لیکن سویرے سویرے ہی بیچ آنگن میں جو دونوں جھگڑا شروع کریں گے تو گھر کے تمام لوگ بستر سے اُٹھ کر تماشہ دیکھیں گے۔ اس ذلت کا خیال آتے ہی ارادہ ترک کر دیا۔

منجھلا بھائی نبین گھر کا مینجر تھا۔ ڈرتے ڈرتے اس نے پوچھا، "کیوں دادا؟ کیا بات ہے؟"

نبین جانتا تھا کہ دادا کو جب غصہ کرنے کی کوئی ضرورت ہوتی ہے، تو اس وقت ایک نہ ایک آدمی سامنے چاہیئے، جس پر غصہ اُتارا جا سکے۔ قصوروار اگر نکل بھاگا، تو بے قصور ہی سہی۔ نہیں تو ڈسپلن قائم نہیں رہتا۔ گھر میں اس کی حکومت کا رعب جاتا رہے گا۔

مدھوسودن نے کہا، "بڑی بہو جو پاگل پن کر رہی ہے۔ اس کا سبب کیا ہے؟ کیا تم سمجھتے ہو کہ میں نہیں جانتا۔؟"

بڑی بہو کون سا پاگل پن کر بیٹھی ہیں یہ پوچھنے کی ہمت نبین نہ کر سکا۔ اس لئے کہ ممکن ہے خبر نہ رکھنا بعد میں ایک قصور شمار کیا جائے۔

مدھوسودن بولا "منجھلی بہو اس کا دماغ خراب کیے دے رہی ہیں۔ مجھے اس میں ذرا بھی شک نہیں؟"

بہت ہی ہچکچاتے ہوئے بینن نے بولنے کی کوشش کی "نہیں منجھلی بہو تو...!"

مدھوسودن نے کہا "میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے!"

اب اس کا جواب تو کچھ نہیں دیا جاسکتا تھا۔ "آنکھوں سے دیکھا ہے" کا اشارہ وہی کاغذ بنانے والے شیشے کے قصے کی طرف تھا۔

اٹھائیسواں باب

موتی کی ماں نے جیسے ہی لمو کی خاطر مدارات انتہائی محبت کے ساتھ شروع کی، ویسے ہی نبین سمجھ گیا تھا کہ یہ حرکت برداشت نہ کی جائے گی۔ گھر کی عورتیں اسی بنیاد پر لگائی بجھائی شروع کر دیں گی۔ اب وہ سمجھ گیا کہ اسی قسم کا کوئی فتنہ اٹھا ہے۔ لیکن مدھوسودن کے قیاسی الزام کی تردید کرنا فضول تھا اس سے ضد اور بڑھ جاتی ہے۔

ماجرا کیا ہے یہ تو مدھوسودن نے صاف صاف بتایا نہیں۔ شاید اسے شرم معلوم ہو رہی ہو گی۔ اب کرنا کیا ہو گا یہ بھی صاف صاف معلوم نہ ہو سکا۔ جتنا بھی معلوم ہو سکا وہ صرف یہی تھا کہ سارا کیا دھرا منجھلی بہو کا ہے۔ اس لئے میاں بی بی کی متفقہ ذمہ داری کے لحاظ سے جوابدہی کے سر پیا میں نبین کا حصہ سر ہی طرف والا تھا۔

بنین نے موتی کی ماں سے جا کر کہا "ایک فساد برپا ہو گیا ہے؟"

"کیوں؟ ہوا کیا؟"

"یہ تو "انترجامی" جا نبین یا دادا، یا ممکن ہے تم کچھ جانتی ہو۔ لیکن ڈانٹ پھٹکار شروع ہوئی ہے مجھ پر؟"

آخر کیوں؟ بتاؤ تو سہی"

"اس لئے کہ میرے ذریعہ سے تمہاری اصلاح ہو جائے اور تمہارے ذریعہ سے ان کے نئے کاروبار کی نئی پونجی کی"

"تو پھر مجھ پر اپنی اصلاح والی کارروائی شروع کردو ــــ دیکھوں تو ذرا کہ دادا سے زیادہ تمہارے ہاتھ میں "جس" ہے یا نہیں؟"

نبین بلبلا کر بولا "تمہیں تو یاد ہوگا کہ دادا کے اڑیا نوکر نے اُن کے قیمتی ڈنر سیٹ کی ایک طشتری توڑ دی تھی۔ اس کے جرمانے کا بڑا حصہ مجھے ہی دینا پڑا تھا۔ اس لئے کہ تمام چیزیں تو میرے ہی ذمے ہیں لیکن اب کے جو چیز گھر میں آئی ہے، وہ بھی کیا میرے ہی ذمے ہے؟ پھر بھی جرمانہ مجھے اور تمہیں بانٹ لینا پڑیگا۔ یعنی یہ کہ جو کرنا ہو کرو۔ مگر مجھے اور دکھ نہ دینا منجھلی بہو"

"جرمانہ کیا ہوگا، یہ بھی تو سنوں"

"رجب پور چالان کر دینگے ہم لوگوں کو۔
بار بار اسی کی تو ہمیں دھمکی دیتے ہیں"

"تم ڈرتے ہو اس لئے وہ ڈراتے ہیں۔ ایک دفعہ تو بھیجدیا تھا، پھر ریل گاڑی کا کرایہ صرف کر کے بلانا پڑا تھا کہ نہیں۔ تمہارے بھیا غصہ میں بھی حساب میں غلطی نہیں کرتے۔ وہ جانتے ہیں کہ مجھے گھر کے انتظام سے برخاست کر دیا، تو یہ سودا سستا نہ پڑیگا۔ اور کہیں پر ایک پیسے کا بھی نقصان ہو تو وہ ان سے سہا نہ جائے گا"

"سمجھا۔ لیکن یہ تو بتاؤ کہ اب کیا کرنا ہے؟"

"تم اپنے دادا سے کہدو کہ وہ جتنے بڑے بھی راجہ کیوں نہ ہوں۔ تنخواہ دار ملازم رکھکر روٹھی رانی کو نہیں منا سکتے۔ یہ بوجھ انھیں اپنے سر ہی پر اٹھانا اور اتارنا

ہوگا۔ ان سے کہہ دو کہ گھر کے اندر کے کام کے لئے باہر سے مزدور نہ بلائیں۔

"منجھلی بہو! انہیں نصیحت دینے کی ضرورت مجھے نہ پڑیگی۔ دو دن بعد خود ہی ہوش میں آجائیں گے۔ تم اس وقت بیاہی کا فرض تو ادا کر دو۔ اس کا کچھ فائدہ ہو، چاہے نہو۔ یہ تو دکھا سکو نگا کہ نمک کھا کر اسے چپ چاپ ہضم نہیں کر بیٹھا۔"

موتی کی ماں کمو کو ڈھونڈھنے گئی۔ جانتی تھی کہ صبح کے وقت وہ کھلی چھت پر ملے گی۔ اونچی چار دیواری سے گھری ہوئی چھت تھی۔ چار دیواری میں جابجا جھلمیاں لگی ہوئی تھیں۔ اِدھر اُدھر کچھ خالی گملے پڑے ہوئے تھے جس میں پودے نہ تھے۔ ایک طرف لوہے کا جال لگا ہوا ایک بہت بڑا پنجرہ پڑا تھا جس کا کاٹھ کا پیندا بالکل ہی ٹوٹا پھوٹا ہوا تھا۔ شاید کسی زمانے میں خرگوش یا کبوتر اس میں رکھے جاتے ہونگے۔ اب دھوپ میں رکھے ہوئے اچار چٹنی کے برتنوں کو کوؤں کی دستبرد سے بچانے کے کام میں آتا تھا۔ اسی کھلی ہوئی چھت سے سر کے اوپر والا آسمان تو نظر آتا مگر افق کے کنارے دکھائی نہ دیتے پچھم کی طرف آسمان کو چھوتی ہوئی ایک لوہے کے کارخانے کی چمنی تھی۔ یہ دو دن جب کمو اس چھت پر آکر بیٹھی تھی تو اسی چمنی سے نکلکر پھیلتے ہوئے دھوئیں کے بادل ہی ایک دیکھنے کی چیز اسے نظر آئے تھے۔ سارے آسمان پر جیسے یہی ایک جان دار چیز تھی جو نہ جانے کس جستجو میں جلدی جلدی اٹھ کر آسمان پر چکر لگا رہی تھی۔

چراغ، لیمپ وغیرہ مانجھنا ختم کر کے اندھیرے ہی اندھیرے کمو نے غسل کیا اور پورب کی طرف چھت پر جا بیٹھی۔ بھیگے ہوئے بال پیٹھ پر بکھرے ہوئے تھے۔ بناؤ سنگار نام کو نہ تھا۔ موٹے سوت کی سفید ساری پتلا سا کالا پلو اور سردی سے بچنے کے لئے موٹی سی انڈی کی چادر۔

ادھر کچھ دنوں سے یہ نوجوان لڑکی اپنے خوابوں کی گھڑی ہوئی پریتم کی

من موہنی مورت کو دل کی گہرائیوں میں چھپا کے اپنی بھو کی تمناؤں کو تسلی دیتی رہی تھی۔ اپنی پوجا، سارے برت، اور پرانوں کی تلاوت کے منتر سے وہ اس مورت میں روح پھونکتی رہی تھی۔ وہ پیا ملن کی پیاسی تھی اور اس کا چشمۂ حیات برندابن تھا۔ بھور کو اٹھ کر رام کلی کی دھن میں یہی بھجن گایا کرتی ؎

ہمارے تمہارے سم پریتی لگی ہے

سُنو من موہن پیارے ....

جس انجانی ہستی کے لئے سپردگی کا یہ جذبۂ بے اختیار اس کے دل میں جاگ اٹھا تھا اسکے سامنے آنے سے پہلے ہی سے، وہ روزانہ اپنے چھلکتے ہوئے پریم کا پیالہ اسے بھیجدیا کرتی تھی۔ برسات کی راتوں میں جب پائیں باغ کے درخت بے چین ہواؤں کے تھپیڑے کھا کھا کے اپنے پتوں اور ڈالیوں کی زبان سے فریاد کرنے لگتے تھے تو وہ کناڑی کے سُروں میں یہ گیت گنگنانے لگتی ؎

باجے جھنن جھنن میرے پائیل

کیسے کر جاؤں گھر وارے

وہ اپنے اداس دل کے پاؤں میں یونہی گھنگھرو باندھ کے بجایا کرتی چھنن چھنن — وہ ایک جادۂ گم کردہ منزل پر قدم رکھ چکی تھی۔ کب گھر لوٹے گی اور کیسے روپ دیکھنا چاہتی تھی، اس کی جھلک ایک مدت سے یونہی اپنے گیتوں کے اندر دیکھ لیا کرتی۔ اس پُرکیف دردِ نہاں کے عروج کے دنوں میں اگر وہ اتفاقاً کسی دل پسند ہستی کو اپنے قریب پالیتی تو اس کے دل کے اندر گھسے ہوئے تمام خوابیدہ نغمے جاگ اٹھتے۔ حسن کا ایک پیکر محسوس بن جاتے لیکن کوئی مسافر اس کے دروازے پر آکر کھڑا ہی نہیں ہوا۔ وہ اپنے تصوّرات کی

بہاریں ایوان میں بالکل اکیلی تھی یہانتک کہ کوئی ہم عمر سہیلی بھی اس کی ہمدم و ہمراز نہ تھی۔ اس لئے اتنے دنوں وہ "شیام" ہی کے قدموں پر اپنی گھٹتی ہوئی محبت کا نذرانہ پھولوں کی شکل میں پیش کر کے اپنے بےنشان محبوب کا نشان ڈھونڈھتی رہی تھی۔ اس لئے جس دن گھنگ بیاہ کی بات لیکر آیا تو لمو نے اپنے ٹھاکر ہی سے اجازت مانگی تھی ——— اسی سے پوچھا تھا "اب کے تمہیں کو تو پاؤنگی نا؟" اپراجیتا[1] کے پھول نے جواب دیا تھا "پا تو گئی ہو؟"

لیکن اس کے دل کی یہ ساری کاوشیں، یہ ساری تدبیریں ناکام ہوئیں۔ دفعتاً چھن سے پتھر آلگا اور یہ سارا آئینہ خانہ دم کے دم میں چور چور ہو کر رہ گیا گویا دفعتاً ایک بھاری پتھر آگرا اور یہ بھری ہوئی ناؤ ڈوب گئی چوٹ کھائی ہوئی جوانی آج پھر ڈھونڈنے نکلی ہے ایک ایسا آستانہ جہاں اپنے پھول چڑھائے۔ اس کی تھالی میں جو پھول تھے وہ آج ایک بہت بھاری بوجھ محسوس ہو رہے ہیں۔ اس لئے آج پھر وہ اپنی روح کی گہرائیوں سے گا رہی ہے "میرے گردھر گوپال اور نہیں کوئی!"

لیکن آج یہ گیت سُونے مکان میں ٹکراتا پھر رہا ہے۔ کسی کان تک نہیں پہونچتا۔ یہ سُونا پن لمو کے دل میں بس گیا۔ کیا آج سے زندگی کے آخری دن تک، اس کے دل میں گہری ناکامی ہی اس چمنی سے نکلتے ہوئے دھوئیں کے بادلوں کی طرح اکیلی بےہمدم و ہمساز منڈلاتی رہے گی؟

موتی کی ماں کچھ دور پر خاموش بیٹھی رہی۔ نور کے تڑکے، سنسان چھت پر، اس خوبصورت عورت کی روحانی عظمت نے، اسے مسحور کر رکھا تھا جو چنی

---

[1] ایک قسم کا پھول جو پوجا میں چڑھایا جاتا ہے۔

. رہی" اس گھر میں یہ عورت کیسے کھپ سکیگی ؟ یہاں جتنی عورتیں ہیں، اس کے مقابل میں کس ذات کی معلوم ہوتی ہیں ؟ وہ سب تو اپنے آپ ہی اس سے الگ ہوگئی ہیں۔ اس سے چڑھ بیٹھی ہیں۔ اس سے میل جول پیدا کرنیکی ہمت بھی اپنے میں نہیں پاتیں۔"

بیٹھے بیٹھے موتی کی ماں نے دفعتاً دیکھا کہ کمو دونوں ہاتھوں سے اپنی چادر کا آنچل منہ پر ڈھانپ کے رونے لگی۔ اب اس سے رہا نہ گیا پاس جا کے اُسے گلے لگاتی ہوئی بول اٹھی" میری پیاری دیدی ! میری اچھی دیدی کیا بات ہوئی ذرا ہم کو تو بتاؤ ! "

کمو تھوڑی دیر تک تو کچھ نہ بول سکی۔ پھر اپنے آپ کو ذرا سنبھال کے بولی" آج بھی دادا کی چِٹھی نہ آئی۔ نہ جانے کیا ہوا ہے انکو۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا"

"کیا چِٹھی آنے کا وقت ہو گیا ہے ؟"

"ضرور ہو گیا ہے۔ میں انہیں بیمار چھوڑ آئی ہوں۔ انہیں معلوم ہے کہ میں ان کی خیریت جاننے کے لئے کس قدر بے چین ہونگی۔"

"فکر نہ کرو۔ ان کی خیریت دریافت کرنیکی میں کوئی نہ کوئی سبیل کرونگی۔"

کمو نے کئی بار تار بھیجنے کا ارادہ کیا تھا، مگر بھیجتی کسکے ذریعہ سے۔ جس دن مدھوسودن نے خود کو اس کے بھائی کا مہاجن جتا کر فخر کیا تھا، اس دن سے اس کے سامنے بھائی کے متعلق کوئی اشارہ کرنا بھی کمو کو ناگوار تھا۔

آج موتی کی ماں سے بولی" تم اگر دادا کے نام میری طرف سے تار بھجوا دو، تو میری جان میں جان آجائے۔"

موتی کی ماں نے جواب دیا" یہی کرونگی۔ ڈر کی کیا بات ہے ؟"

کمو بولی" یہ تو تم جانتی ہو کہ میرے پاس ایک پیسہ بھی نہیں ؟"

"یہ کیا کہتی ہو دیدی۔ گھر کے خرچ کے جو روپئے میرے پاس رہتے ہیں وہ تو تمہارے ہی روپئے ہیں۔ آج سے تو میں تمہارا ہی نمک کھا رہی ہوں"

کمو بڑی سختی سے بولی "نہیں! نہیں! نہیں! اس گھر کا کچھ بھی میرا نہیں! دھیلا پیسہ بھی نہیں!"

"اچھا بہن! تمہارے لئے میں اپنے ہی پیسوں میں سے کچھ خرچ کر دوں گی چپ کیوں ہو؟ اس میں کیا حرج ہے؟ پیسے اگر میں گھمنڈ سے دیتی تو تم گھمنڈ سے نہ لیتیں۔ لیکن جب محبت سے دے رہی ہوں تو محبت ہی سے لوگی کیوں نہیں؟"

کمو نے کہا "لونگی!"

موتی کی ماں نے پوچھا "دیدی کیا تمہارے سونے کا کمرہ آج بھی خالی ہی رہیگا؟"

کمو بولی "وہاں میری جگہ نہیں"

موتی کی ماں نے کوئی اصرار نہ کیا۔ اسکا خیال تھا کہ اصرار کرنا میرا کام نہیں جس کا کام ہے وہ کرے۔ آہستہ سے صرف اتنا پوچھا "تھوڑا سا دودھ لے آؤں تمہارے لئے؟"

کمو نے جواب دیا "ابھی نہیں۔ تھوڑی دیر بعد"

اپنے ٹھاکر سے اسے ابھی سمجھنا بوجھنا باقی تھا۔ ابھی تک اس کے دل کو کوئی جواب نہ ملا تھا۔

موتی کی ماں نے اپنے کمرے میں جا کے نبین کو بلا کر کہا "ایک بات سنو! بڑے ٹھاکر کے باہر والے کمرے میں جو میز ہے اس کی تلاشی لے کر پتہ لگاؤ کہ دیدی کے نام کوئی خط آیا ہے، یا نہیں؟ دراز کھول کے بھی دیکھ لینا"

نبین بولا "ستیاناس کرانا چاہتی ہو میرا"

"تم نہ جاسکو تو میں جاؤں گی!"

"یہ تو جھاڑی کے اندر سے بھالو کے بچے کو ڈھونڈھ نکالنے کے لئے بھیجنا ہوا!"

"کرتا گئے ہیں آفس۔ ان کے واپس آتے آتے ایک بجیگا۔ اسی بیچ میں ——"

"دیکھو منجھلی بہو! دن کے وقت مجھ سے یہ کام ہرگز نہ ہو سکیگا۔ اس وقت چاروں طرف لوگ موجود ہیں۔ آج رات کو تمہیں خبر دے سکونگا!"

موتی کی ماں نے کہا "اچھا یہی سہی۔ لیکن نور نگر ابھی تار بھیج کے دریافت کرنا ہوگا کہ بیراداس بابو کیسے ہیں؟"

"ٹھیک ہے، لیکن دادا کو اطلاع دیئے ہی تو تار بھیجنا ہوگا نا؟"

"نہیں!"

"منجھلی بہو! دیکھتا ہوں تم بڑی نڈر ہو گئی ہو۔ جانتی نہیں ہو کہ اس گھر میں چھپکلی بھی مالک کی اجازت کے بغیر مکھی نہیں پکڑ سکتی؟"

"دیدی کی طرف سے تار جائیگا۔ اس میں تمہارا کیا ہے؟"

"میرے ہی ذریعے سے تو جائیگا!"

"بڑے ٹھاکر کے آفس سے تو روز ہی بہت سارے تار دربان کے ہاتھ سے بھیجے جاتے ہیں۔ انہیں کے ساتھ یہ بھی بھیجدینا۔ یہ لو روپیہ دیدی نے دیا ہے۔"

کمو کے لئے بنیین کے دل میں بھی اگر ہمدردی نہ ہوتی، تو اتنی بڑی جرأت وہ کسی طرح بھی نہ کر سکتا۔

—— (۵) ——

انتیسواں باب

حسب دستور ٹھیک ۱ بجے دن کے بعد ہی مدھوسودن زنانخانہ میں کھانا کھانے آیا حسب دستور گھر کی عورتیں اُسے گھیر بیٹھیں۔ کوئی پنکھا جھل کے مکھیاں بھگانے لگی۔ کھانا آگے رکھا گیا۔ زنانخانے میں مدھوسودن کی دولتمندی کے ٹھاٹ نہ تھے اسکے کھانے کے لوازمات پرانی عادتوں ہی کے مطابق تھے۔

چاول موٹا نہ ہو تو کھانے میں نہ مزا ملتا، نہ پیٹ بھرتا۔ برتن البتہ قیمتی ہوتے۔ تھالیاں، پیالے، گلاس سب چاندی کے، مگر ان کے اندر وہی معمولی ماش کی دال، مچھلی کا شوربہ، املی کی چٹنی، اور کٹہل کی بھاجی۔ بس یہی ہوتا۔ کھانے کا سادا سامان۔ کھانے کے بعد ایک بڑے پیالے میں دودھ اور شکر ملا کر آخری بوند تک پی لینے کے بعد پان کی ایک موٹی سی گلوری، ایک چٹکی چونے کے ساتھ منہ میں دبا کے اور دو اور گلوریاں ڈبیا میں رکھکر کوئی پندرہ منٹ تک حقے کے کش لگاتا اور قیلولہ کرتا۔ پھر آفس چلا جاتا۔ ابتدائی افلاس کے دَور سے آج تک کی لمبی مدت میں، ایک دن بھی اس دستور میں فرق نہ آیا تھا۔ مدھوسودن کو کھانے کی اشتہا تو ہوتی تھی مگر حرص نہ تھی۔

شیام سندری دودھ کے پیالے میں شکر ملا رہی تھی۔ سانولا رنگ موٹی تو

نہیں کہی جا سکتی تھی ۔ لیکن بھرا ابھرا گٹھا ہوا جسم ، جیسے اپنے آپ کو نمایاں کر رہا تھا ۔ پنڈے بھر پر ایک سفید ساری کے علاوہ اور کوئی لباس نہ تھا ، پھر بھی یہی محسوس ہوتا کہ سر سے پاؤں تک جیسے جیٹھ کی سہ پہر ہو ۔ دن ڈھل چکا تھا ۔ لیکن شام کا دھندلکا ابھی تک چھایا نہ تھا ۔ گھنی بھوؤں کے نیچے دو کالی کالی تیز آنکھیں جو کسی کو بھرپور نگاہوں سے دیکھتی نہ تھیں ۔ لیکن ایک ترچھی سی نگاہ سے بہت کچھ دیکھ لیتیں اس کے گدرائے ہوئے ، بھرے بھرے دونوں ہونٹوں کو دیکھ کر یہی محسوس ہوتا جیسے نہ جانے کتنی بن کہی باتیں دبا رکھی گئی ہیں ۔ زندگی نے اسے کچھ زیادہ رس نہ دیا تھا ۔ پھر بھی وہ بھرپور معلوم ہوتی تھی ۔ اسے اپنی قدر و قیمت کا احساس تھا ۔ وہ دلتنگ نہ تھی لیکن چونکہ اس کی گراں قدری کو عمل کا موقعہ نہ مل سکا تھا اس لئے اپنے گرد و پیش پر حقارت آمیز فخر سے نگاہ ڈالتی تھی ۔ اس گھرانے میں وہ اس وقت داخل ہوئی جب مدھوسودن کے اقبال کی جوار اٹھنے لگی تھی ۔ اس کا عزم تھا کہ وہ اپنی بھرپور جوانی کے منتر سے اس گھر کی سب سے اونچی چوٹی پر اپنا مقام بنالے گی ۔ مدھوسودن کا دل کسی دن اس طرف مائل ہی نہ ہوا ۔ یہ نہیں کہا جا سکتا ۔ لیکن اس نے ہار کبھی نہ مانی ۔ اس کا سبب یہ تھا کہ مدھوسودن میں جو عقل معاش تھی ، وہ نری عقلِ معاش ہی نہ تھی ، بلکہ وہ جلالِ ہوش مندی بھی تھی ۔ اسی جلالِ ہوش مندی کے زور سے اُس نے اتنی بڑی حیثیت بنالی تھی اور اسی سرورِ تخلیق میں وہ مگن رہتا تھا ۔ اسی ہوشمندی کے ذریعہ اسے یہ یقینی طور سے معلوم ہو چکا تھا کہ اس نے دولت کی تخلیق کے لئے جو تپسیا شروع کی ہے اسی کی راہ میں اندر دیو[1] نے ایک نہایت بھاری پتھر ڈال دیا ہے ۔ بار بار اس تپسیا میں دھکے لگے مگر اس نے ہر بار انھیں

---

[1] دیوتاؤں کا بادشاہ ۔

سنبھال لیا۔ اسے ایک سہولت یہ تھی کہ کاروبار کی چڑھتی ہی دوپہر میں اسے دم لینے کی بھی فرصت نہ ملتی تھی۔ اسی سخت محنت کے درمیان جو کبھی کبھی آنکھوں یا کانوں کے ذریعہ شیاما سے اسکا اتفاقی رابطہ ہو جاتا تو اس کی تھکن کچھ دور ہو جاتی۔ لیکن کسی دن بھی اس نے شیاما کو ذرا بھی منہ نہ لگایا۔ ایسا نہ ہو زنانخانہ میں اسکا کچھ اقتدار اور جرأت بڑھ جائے۔ شیاما کو مدھوسودن کے دل کی اس کیفیت کا اچھی طرح احساس تھا پھر بھی وہ اس سے خوفزدہ نہ تھی۔

کھانے کے وقت مدھوسودن کے سامنے وہ روز ہی موجود رہتی۔ آج بھی تھی۔ نہا دھو کے آئی تھی —— اس کے غیر معمولی لمبے لمبے بال پیٹھ پر بکھرے ہوئے تھے۔ صاف دھلی ہوئی ساری کا آنچل سر پر کھینچا ہوا تھا۔ بھیگے ہوئے بالوں سے سر میں لگانے والے مصالحوں کی بھینی بھینی خوشبو آ رہی تھی۔

دودھ کے پیالے سے منہ نہ اٹھاتے ہوئے ہی ایک بار آہستہ سے بولی۔ "ٹھاکر پو ! بہو کو بلا دوں ؟"

مدھوسودن منہ سے کچھ نہ بولا۔ ایک گہری سنجیدہ نگاہ بھاوج کے چہرے پر ڈالی۔ شیام سندری نے گڑبڑا کر بات کا رُخ پھیرنے کی کوشش کی۔ بولی" بہو تمہارے کھانے کے وقت آ کے بیٹھتی تو اچھا ہوتا۔ ذرا تمہاری سیوا کرتی ——"

لیکن مدھوسودن کے چہرے سے اس کے دل کی کیفیت ظاہر نہ ہوئی، تو وہ بات ادھوری چھوڑ کے چپکی ہو رہی۔

مدھوسودن پھر سر جھکا کے کھانے لگا۔

پھر تھوڑی دیر بعد تھالی پر سر جھکائے ہوئے ہی پوچھا۔ "بڑی بہو! سو وقت ہے کہاں ؟"

شیام سندری فوراً بول اٹھی "میں دیکھ آتی ہوں"

مدھوسودن نے تیوری چڑھا کے انگلی کے اشارے سے منع کیا۔ اس سوال کا جو متوقع جواب تھا وہ شیاما کے منہ سے سننا غالباً اس سے برداشت نہ ہو سکے۔ اگرچہ دل جواب سننے کے لئے بہت بے قرار تھا۔ کھانا ختم کر کے جب وہ اپنی خوابگاہ میں گیا، تو دل کے ایک گوشے میں ایک ہلکی سی توقع بھی تھی۔ ایک بار کھلی چھت بھی دیکھ آیا غسل خانہ کے اندر جا کر کچھ دیر دم بخود کھڑا رہا۔ پھر بستر پر لیٹ کر حقہ گڑگڑانے لگا۔ قیلولہ کے مقررہ پندرہ منٹ گذر گئے بیس منٹ گذر گئے۔ جب آدھ گھنٹا گذرنے کو ہوا تو اس نے جیب سے گھڑی نکالکر وقت دیکھا۔ سال پر سال گذرے تھے مگر اب سے پہلے اُسے آفس جانے میں کبھی پانچ منٹ کی بھی دیر نہ ہوئی تھی۔ آفس میں ایک رجسٹر تھا جس میں سب کے آنے جانے کا وقت درج کیا جاتا تھا اور اس کے مطابق تنخواہیں گھٹتی بڑھتی تھیں۔ آفس میں جتنے کام کرنے والے تھے اُن میں سب سے کم جرمانہ مدھوسودن ہی کے نام ہوتا۔ لیکن اس میں کچھ وہ اپنے لئے جانب داری سے کام نہ لیتا۔ بلکہ اپنے نام پر وہ دوسرے کارندوں سے ڈبل جرمانہ وصول کیا کرتا۔

آج اس نے یہ دل ہی دل میں ارادہ کر لیا تھا کہ سہ پہر کو دفتر جانے میں کچھ دیر ہو گئی تو اس کی کمی وہ شام کو دیر تک کام کر کے پوری کر دیگا۔

لیکن دن جتنا ڈھلتا گیا۔ اسکا دل کام سے اچاٹ ہوتا گیا۔ دفتر بند ہونے سے آدھ گھنٹہ پہلے ہی کام چھوڑ کے گھر لوٹ آیا۔ رہ رہ کے یہ خواہش ہو رہی تھی کہ ایک بار خوابگاہ میں جا کر دیکھے۔ ہو سکتا ہے کسی سے مڈبھیڑ ہو جائے۔ دن رہتے آج تک کبھی وہ سونے کے کمرے میں گیا نہ تھا۔ آج آفس کے کپڑے پہنے ہی وہ کمرے میں داخل ہوا۔

ٹھیک اسی وقت موتی کی ماں کھلی چھت پر دھوپ میں سوکھتی ہوئی

آم کی کھٹائی اٹھاکر جھولی میں رکھ رہی تھی۔ مدھوسودن کو بے وقت خوابگاہ میں داخل ہوتے دیکھکر اسنے ایک ہاتھ سے گھونگھٹ کھینچ لیا۔ اور گھونگھٹ کی آڑ میں خوب سانس لی۔ منجھلی بہو کے سامنے اس کی یہ بے قاعدگی پکڑی گئی، تو مدھوسودن کو شرم بھی آئی اور غصہ بھی۔ اس کا پلان تھا کہ چپکے سے کمرے میں داخل ہونگا۔ ایسا نہو ڈری ہوئی ہرنی آہٹ پا کے بھاگ نکلے۔ لیکن ایسا ہو نہ سکا۔ لوگوں کی سوالیہ نگاہوں کی چوٹ سے بچنے کے لئے وہ جلدی سے کمرے میں گھس گیا۔ دیکھا کہ آفس سے بھاگ آنا بالکل ہی بے سود ہوا۔ کمرے کے اندر کوئی بھی نہ تھا۔ دن کے وقت وہاں کسی کے آنے کے آثار بھی نظر نہ آئے دم بھر کو اس کی دلی بے قراری ناقابل برداشت سی ہوگئی۔ وہ جیٹھ تھا اور آجتک کبھی بھی اس نے منجھلی بہو سے بات چیت نہ کی تھی۔ پھر بھی اسے پکار کر کمو کے متعلق کچھ پوچھ گچھ کرنے کے لئے اسکا دل بے چین ہوگیا۔ کمرے سے باہر نکل کر دیکھا بھی مگر موتی کی ماں نیچے اتر کر جا چکی تھی۔

نئی دلہن کی ترک کردہ خوابگاہ میں بیکار اور ناوقت اور وہ بھی اکیلے، وقت برباد کرنے کی ذلت سے اپنے آپ کو بچانے کے لئے وہ غصہ میں ٹن ٹن کرتا باہر چلا گیا۔ اور وہاں ایک بہت ضروری کام کے بہانے سے میز پر جھک گیا۔ سامنے ہی ایک رجسٹر رکھا تھا۔ عموماً وہ اس رجسٹر کو خود کبھی نہ دیکھتا۔ یہ کام اس کے دفتر کے بڑے بابو کے ذمہ تھا۔ آج لوگوں کی نظروں سے بچنے کی غرض سے وہی رجسٹر کھول بیٹھا۔ اس رجسٹر میں اس کے گھر سے جانے والے تمام خطوں اور تاروں کے روانہ ہونیکی تاریخیں اور پتے درج کئے جاتے تھے۔ رجسٹر کھولتے ہی اس دن بھیجے جانے والے تاروں کی فہرست میں، بپرادا اس کا نام تھا اور پتہ بھیجنے والی تھیں خود ہی گھر کی نئی مالکن۔

"بلاؤ دربان کو!

"دربان آگیا"

"یہ تار بھیجنے کے لئے کس نے دیا تھا؟"

"منجھلے بابو نے!"

"بلاؤ منجھلے بابو کو!"

منجھلے بابو بھی چہرہ پر ہوائیاں اڑاتے آ حاضر ہوئے۔

"بغیر میرے حکم کے یہ تار بھیجنے کے لئے کس نے کہا تھا؟"

جس نے کہا تھا اس کا نام حاکم کے سامنے لینا تو آسان نہ تھا۔ کیا جواب دے، اسی پریشانی کے مارے اس جاڑے کے موسم میں بھی نبین کو پسینہ آگیا۔
نبین کو خاموش دیکھکر مدہوسودن نے خود ہی پوچھا "منجھلی بہو نے کہا تھا شاید!" سر جھکائے خاموش کھڑا رہنا ہی اس سوال کا جواب ہوگیا۔ پیشانی کا خون دفعتاً کھوپڑی تک جا پہونچا۔ چہرہ لال بیر بہوٹی بن گیا۔ اتنا شدید غصہ آیا کہ منہ سے بات بھی نہ نکل سکی۔ تیزی سے ہاتھ اٹھا کر نبین کو اشارہ کیا کہ فوراً کمرے سے باہر چلا جائے اور خود کمرے میں ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک ٹہلنا شروع کیا۔

تیسواں باب

نبین منہ سکھائے اپنے کمرے میں داخل ہوا، اور موتی کی ماں سے کہا۔
"منجھلی بہو اب کیا کر رہی ہو؟"
"کیوں؟ کیا ہوا؟"
"اب اسباب جو کچھ ہے وہ ٹھیک ٹھاک کر کے بکس میں بھر لو۔"
"تمہاری عقل کے کہنے پر اگر سامان بکس میں رکھ لوں تو کل ہی پھر نکالنا ہوگا۔
آخر بات کیا ہے؟ تمہارے دادا کا مزاج ٹھیک نہیں شاید"؟
"میں تو انہیں پہچانتا ہوں نا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اب کے ہم لوگوں کو شاید ڈیرہ ڈنڈا اٹھانا ہی پڑیگا۔"
"پڑیگا تو پڑے! اتنا ڈرتے کیوں ہو؟ وہاں جا کے کچھ تمہیں بارش میں بھیگنا تو پڑیگا نہیں چلے چلو!"
"مجھے چلنے کے لئے کیوں کہہ رہی ہو؟ اب کے حکم ہوگا کہ منجھلی بہو کو دیہات بھیج دو۔
"جانتی ہوں کہ تم اس حکم کی تعمیل نہ کر سکو گے۔"
"کیسے جانتی ہو؟"

"کیا میں ہی اکیلی جانتی ہوں۔ یہی سمجھتے ہو تم؟ ایسا نہیں ہے۔ اس گھر کے تمام لوگ جانتے ہیں کہ تم زن مرید ہو۔ مرد کیونکر زن مرید ہو جاتا ہے، یہ بات اب تک تمہارے دادا سمجھ نہ سکے تھے۔ اب خود ان کے سمجھنے کی باری آگئی ہے۔"

"کہتی کیا ہو؟"

"میں تو یہ کہتی ہوں کہ تمہارے خاندان ہی میں یہ روگ ہے۔ اب تک بڑے بھائی کی دھات پر کبھی نہ گئی تھی۔ بہت دنوں سے یہ چیز اکٹھا ہو رہی تھی اس لئے جھلاہٹ زیادہ ہوگی۔ دیکھ لینا میں کہے دیتی ہوں۔ جس جوش کے ساتھ گھر بار سے منہ موڑ کر وہ صرف تھیلیاں بھرنے میں لگے تھے۔ وہی سارا جوش اب بی بی پر صرف ہوگا۔

"وہ صرف ہو تو ہو۔ بڑے زن مرید اپنا اثر جمانا چاہتے ہیں تو جمائیں۔ مگر یہ منجھلا زن مرید کس کے سہارے جئے گا؟"

"یہ سوچنے کا بار مجھ پر ہے۔ اب میں جو کہتی ہوں وہ کرو۔ ہمیں ان کی دراز کی تلاشی لینی ہوگی۔"

نبین ہاتھ جوڑ کے بولا۔ "دُھائی ہے تمہاری منجھلی بہو! تم اگر سانپ کے بل میں انگلی ڈالنے کو کہو تو ڈال دوں، مگر ان کی دراز میں ہاتھ ڈالنا مجھ سے نہ ہوگا؟"

"سانپ کے بل میں انگلی ڈالنی ہوتی تو میں خود ڈال لیتی۔ لیکن دراز کی تلاشی تمہیں کو لینی ہوگی۔ تم تو جانتے ہو کہ اس گھر میں جو خط آتا ہے۔ وہ پہلے ان کے دیکھے بغیر کسی کو دینے کا حکم نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ ان کے پاس کوئی خط ضرور آیا ہے۔"

"میرا دل بھی یہی کہتا ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ میں یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ اس خط پر اگر میں ہاتھ ڈالونگا تو پھر دادا میرے لئے مناسب سزا ڈھونڈھے نہ پائینگے۔

غالباً سات سال قید بامشقت کا حکم ہوگا۔"

"ہمیں کچھ بھی کرنا نہ ہوگا چھٹی نکالنا مت۔ صرف ایک بار یہ دیکھ آؤ کہ دیدی کے نام کوئی چھٹی آئی ہے یا نہیں۔"

منجھلی بہو کے لئے نبین کے دل میں بہت گہری عقیدت تھی۔ اتنی گہری کہ خود کو بی بی کے لائق نہ سمجھتا تھا۔ اس لئے اگر بی بی کے لئے کوئی خطرناک سے خطرناک کام کرنا پڑتا۔ اور اسے کرنے میں ڈر بھی معلوم ہوتا تو وہ کر گذرتا اور اسکو اس خوف میں ایک خوشی سی محسوس ہوتی۔

اسی رات کو نبین نے آکر منجھلی بہو کو یہ خبر دی کہ کمو کے نام ایک خط اور ایک تار آیا ہوا دراز میں رکھا ہے۔

جس غم و غصہ میں کمو نے اپنی خوابگاہ چھوڑ کے داسیوں کی جگہ اختیار کی تھی اسکا جوش کم ہو چلا تھا۔ احساس ذلت کی تلخی کم ہوئی تو اس کی جگہ ایک اداسی اور بے کیفی سی اس پر طاری ہوگئی۔ تب وہ سمجھی کہ جو راہ اس نے اختیار کی تھی وہ زندگی بسر کرنے کی راہ نہ تھی۔ اس لئے کوئی مستقل اور مناسب طرز عمل طے کئے بغیر وہ زندگی کس طرح تیر کر سکے گی۔ زندگی کا یہ لامتناہی سلسلہ شب و روز اس طرح زبردستی، بے تعلق رہ کر، تو گذارا نہیں جا سکتا۔ اپنی کوٹھڑی کا دروازہ بند کئے وہ یہی سوچ رہی تھی۔ یہ کوٹھڑی برآمدے کے ایک کونے میں تھی، اور کاٹھ کی دیواروں سے گھری ہوئی تھی۔ داخلے کے لئے ایک دروازہ تھا۔ باقی ہر طرف سے بند۔ دیوار سے چھت تک چاروں طرف لکڑیاں تلے اوپر چنی ہوئی تھیں۔ اسی میں گھر کے اندر روشنی کرنے کے تمام لوازمات بھی رکھے تھے۔ تیل کے دھبوں سے ساری کوٹھڑی داغدار ہو رہی تھی۔ دیوار کے جس حصے میں دروازہ تھا، اسی پر چراغ کی کالکھ سے بنائی ہوئی کچھ تصویریں کوٹھڑی کی آرائش کی ایک ناکام سی کوشش کر رہی

تھیں۔ ایک طرف ٹین کا ایک بکس تھا جس میں کھلی کا چُورا تھا، اسی کے پاس ایک ٹوکری میں سوکھی املیاں رکھی تھیں، اور کئی عدد میلے کچیلے جھاڑن پڑے تھے۔ دوسری طرف قطار در قطار کراسن تیل کے ٹین دھرے تھے۔ جن میں سے زیادہ تر خالی تھے۔ صرف دو تین بھرے تھے۔

آج سویرے ہی اپنے اناڑی ہاتھوں سے کمو کام میں لگ گئی تھی۔ بھنڈارخانہ کا کام ختم کر کے موتی کی ماں نے ایک بار جھانک کر کمو کو اس بے مزہ اور تکلیف دہ کام میں محو دیکھا۔ وہ تھوڑی دیر چُپ چاپ کھڑی رہی۔ اس نے دیکھا کہ دو ایک کمزور چیزوں پر کچھ ضرب سی آگئی ہے۔ گھر کی معمولی سی چیز کا نقصان بھی اس کی نظر سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا تھا۔

موتی کی ماں سے اب رہا نہ گیا وہ بولی "اس وقت کوئی کام نہ تھا اسلئے آگئی، کہ دیوی کا ذرا ہاتھ بٹا دوں تو ثواب ہی ہوگا یہ کہہ کے اس نے شیشہ کے گلوبوں اور چمنیوں کی ٹوکری اپنی طرف کھینچ لی اور انھیں صاف کرنے لگی۔

کمو میں انکار کرنے کا حوصلہ اب نہ تھا۔ اس لئے کہ اتنی ہی دیر میں اپنی ناتجربہ کاری اور کام سے ناواقفیت کا احساس اسے پوری طرح ہو چکا تھا۔

موتی کی ماں کی مدد پا کر اس کی جان میں جان آئی۔ لیکن موتی ماں کی کاردانی کی بھی ایک حد تھی۔ کراسن کے لیمپوں کا حساب کر کے انہیں ناپ ناپ کے بتی پرونا اس سے بن نہ پڑا۔ یہ تمام کام روزانہ ہوتے تو تھے اس کی نگرانی میں، تیل وہ معینہ مقدار میں روزانہ وہ اپنے ہاتھوں ہی سے نکال کر دیا کرتی تھی، مگر اپنے ہاتھوں سے فیتہ اور قینچی لے کر بتی کاٹنا اسنے کبھی کیا ہی نہ تھا۔ اس لئے اس نے تجربہ کار بخشو فراش کو مدد کے لئے بلانے کی تجویز پیش کی۔

ہار ماننا ہی پڑی۔ بخشو فراش آیا۔ چابکدستی سے دیکھتے ہی دیکھتے اُسنے

منٹوں میں سارا کام ختم کردیا۔ شام کے پہلے ہی ہر ہر کمرے میں چراغ رکھ آنے ہوتے تھے۔ اس کام کے لئے اسے حسب معمول وقت پر آنا ہوگا یا نہیں بخشو نے یہی سوال کیا۔ آدمی وہ بہت سیدھا سادا اور نیک مزاج تھا، پھر بھی اسکے سوال میں چھپا ہوا طنز سا محسوس ہوا۔ کمو کے کان کی لوئیں سرخ ہوگئیں۔

اس کے جواب دینے سے پہلے ہی موتی کی ماں بول اٹھی "آئیگا کیوں نہیں!" کمو کو یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ وہ کام کرنے چلی تھی تو کام بنانے کے بدلے کچھ بگاڑ ہی بیٹھی ہے۔

اکتیسواں باب

دوپہر کو کھانے کے بعد دروازہ بند کر کے کمو بیٹھی بیٹھی یہی ارادہ مستحکم کر رہی تھی کہ اب اپنے دل میں غصّے کی آگ کسی طرح سلگنے ہی نہ دونگی۔ دل ہی دل میں بولی "آج کا دن تو لگیگا دل ٹھکانے کرنے میں۔ کل صبح ٹھاکر کی آشیرباد لیکے گھر گرستی کے سچّے راستے پر قدم رکھونگی"۔ دوپہر کو اپنی کاٹھ کی کوٹھڑی کے دروازے بند کر کے اپنے دل سے سمجھوتہ کرنے بیٹھی۔ اس کام میں سب سے زیادہ سہارا ملتا تھا بھائی کی یاد سے۔ وہ اپنے بھائی کی حیرت ناک سنجیدگی اور طاقت صبر و ضبط دیکھ چکی تھی۔ ان کے چہرے پر ہر وقت ایک ایسی گہری سنجیدہ بے تعلقی سی رہتی، جو ان کی عظمت کا نشان دیتی رہتی۔ وہ اپنے دور کے تعلیم یافتہ طبقہ کی مادیت ہی کو اپنا دھرم سمجھتا تھا۔ وہ دیوتاؤں کو رسمی اور ظاہری طور پر پرنام کرنے کا قائل نہ تھا۔ مگر دیوتا خود اس کی زندگی کی تکمیل میں ہمہ تن مصروف تھے۔

سہ پہر کو بھشو فرّاش نے جب دروازہ پر دستک دی، تو دروازہ کھول کے کمو باہر چلی گئی۔ موتی کی ماں سے جاکر بولی کہ میں آج رات کو کھانا نہ کھاؤں گی۔ وہ اپنے دل کو پاک اور منزّہ کرنے کے لئے ہی یہ برت رکھنا چاہتی تھی۔ موتی کی ماں کمو کا چہرہ دیکھکر حیران رہ گئی۔ اس چہرے پر آج دل کی جلن کی پرچھائیں تک نہ تھی۔ دونوں آنکھوں

میں ایک نہایت گہرا محبت بھرا سکون جھلک رہا تھا۔ جیسے وہ ابھی پوجا کر کے تیرتھ سے واپس آرہی ہو۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دیوتا نے جیسے اسکا سب غم و غصہ اس کے دل سے نکال لیا ہو۔ دل میں جیسے وہ ایک پاکیزگی کا کنول لے آئی ہے، جس کی خوشبو اسے چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔ اس لئے جب کمو نے رات کو فاقہ کرنا چاہا، تو وہ سمجھ گئی کہ یہ فاقہ غم و غصہ سے اپنے آپ کو اور تکلیف دینے کے لئے نہیں چنانچہ اس نے کوئی اعتراض نہ کیا۔

اپنے دیوتا کی مورت من میں بسائے، کمو کھلی چھت کے ایک کونے میں جا بیٹھی۔ آج اسنے صاف طور پر یہ سمجھ پایا کہ اگر دکھ نے اس کو اتنے دھکے نہ دیئے ہوتے، تو وہ اپنے دیوتا کے اسقدر قریب کبھی نہ آسکتی جتنی آج تھی۔ ڈوبتے ہوئے سورج کی طرف ہاتھ جوڑ کے بولی "ٹھاکر اب ہم کو اپنے سے کبھی جدا نہ ہونے دینا! مجھے رُلا رُلا کے ہی سہی مگر اپنا بنا کے رکھنا؟"

جاڑے کا دن دیکھتے دیکھتے ہی ڈھل گیا۔ گرد و غبار، کہرے اور کارخانوں کی چمنیوں سے نکلتے ہوئے دھوئیں نے مل جُل کر شام کے اندھیرے کی عظمت کو، جیسے ایک ملگجی سی چادر اڑھا دی۔ ایسا معلوم ہوا جیسے آسمان اس گھنگھور اندھیرے کا بوجھ لئے زمین پر اتر آیا ہے۔ ٹھیک اسی طرح اندیشوں سے بوجھل بھائی کی یاد کمو کے دلکو بلندیوں سے نیچے کھینچ لائی۔

ایک طرف تو غم و غصہ کے بندھن سے نجات پانے کا سکھ تھا۔ دوسری طرف بھائی کی خبر نہ پانے کا دُکھ۔ ان دونوں متضاد کیفیتوں کا بوجھ بیک وقت دل پر اٹھائے کمو اپنی کوٹھری میں آبیٹھی۔ اس کی بڑی خواہش تھی کہ اس لاعلاج فکر کا بوجھ اتارنے کے لئے وہ سچی عقیدت کے ساتھ بھگوان کی مرضی ہی کا سہارا لے۔ لیکن اپنے دل کو بار بار جھڑکنے، ڈانٹنے پر بھی وہ کسی طرح یہ سہارا نہ پا سکی۔ رہ رہ کے دل میں یہی سوال

اٹھا کہ تار تو بھیجا جا چکا ہے۔ کوئی جواب اب تک کیوں نہ آیا؟

عورت کے دل کی خود سپردگی نے جو دیوار اپنے گرد کھڑی کر رکھی تھی۔ اس دیوار پر مدھوسودن کہیں بھی ہاتھ ڈال نہ سکتا تھا۔ اپنی بیاہی بی بی بھی، جس کے جسم اور دل دونوں پر اس کا پورا پورا حق تھا اس کی دسترس سے بالکل باہر تھی۔ بھاگ کے اس عجیب و غریب متوقع چکر پر وہ کس طرف سے حملہ کرے۔ یہی اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا۔ آجتک کبھی بھی، کسی سبب سے بھی، وہ اپنے کاروبار کی طرف سے دم بھر کو بے توجہ نہ ہوا تھا۔ آج اس کے بھی آثار نظر آنے لگے تھے۔ سبھی جانتے تھے کہ ماں کی بیماری اور موت نے بھی، مدھوسودن کے روزانہ کاروباری مشغلوں میں کوئی رکاوٹ نہ ڈالی تھی۔ اس وقت بہتوں نے اس کے کردار کی اس پختگی کی عقیدت مندانہ تعریف بھی کی تھی۔ لیکن آج دفعتًا اپنے کردار کے ایک نئے روپ کو دیکھکر مدھوسودن خود حیرت زدہ ہو رہا تھا۔ بند راستے کی پُر زور کشش جو اسے اپنی طرف کھینچ رہی تھی، اسے کس طرف لیجائیگی، یہ اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا۔

رات کو کھانے کے بعد وہ خوابگاہ میں سونے کے لئے آیا۔ اگرچہ یقین نہ تھا، پھر بھی ایک آس سی تھی کہ شاید کمو کو کمرے میں ہی پائے۔ اس لئے ٹھیک وقت پر جلدی جلدی وہ کمرے میں آیا تھا۔ بیمار نہ ہوتا، تو گھڑی دیکھ کے ٹھیک نو بجے رات کو عادتًا اسے نیند آجاتی۔ ایک منٹ بھی دیر نہ ہوتی۔ آج اسے یہی ڈر تھا کہ ایسا نہ ہو اسے نیند آجائے، اور اس کے سو جانے کے بعد کمو آئے، تو اسے سوتا دیکھکر واپس چلی جائے۔ اسی خوف سے وہ پلنگ پر نہ لیٹا۔ پاس ہی جو صوفا رکھا ہوا تھا اس پر کچھ دیر بیٹھا رہا۔ پھر اٹھ کے کھلی چھت پر کچھ دیر چہل قدمی کرنے لگا۔ سونے کا وقت ۹ بجے تھا۔ دفعتًا ڈیوڑھی کے گھنٹے نے گیارہ بجائے۔ مدھوسودن چونک پڑا۔ اسے اپنے آپ سے شرم آئی۔ دو تین بار بستر کے قریب جا کر کھڑا رہا مگر کسی طرح لیٹنے کی

خواہش نہ ہوئی۔ ارادہ کیا کہ اسی وقت باہر کے کمرے میں جاکر بینن سے گفتگو کر کے کچھ فیصلہ کر لے۔

باہر برآمدے تک پہونچا تو دیکھا کہ کمرے میں ابتک روشنی جل رہی ہے جیسے ہی وہ کمرے میں داخل ہونا چاہتا تھا ویسے ہی لالٹین ہاتھ میں لئے بینن کمرے سے باہر نکلا۔ دن ہوتا تو وہ فوراً دیکھ لیتا کہ بنین کا چہرہ کتنا فق سا ہو رہا ہے۔ پوچھا۔

"اتنی رات گئے تم یہاں کیوں ہو؟"

بنین کی گدی میں جو عقل تھی وہ جاگ اٹھی۔ بولا "سونے سے پہلے ہی تو میں گھڑی میں کوک دیتا ہوں اور تاریخ کا کارڈ درست کر دیتا ہوں"

"اچھا کمرے میں آؤ۔ بات سنو"

بنین کٹہرے میں کھڑے مجرم کی طرح سر جھکائے کھڑا رہا

مدھوسودن بولا "بڑی بہو کے کان میں کوئی منتر پھونکتا رہے، میں یہ پسند نہیں کرتا۔ میری بی بی میری ہی مرضی کے مطابق چلیگی۔ دوسروں کے مشورے پر نہیں چلیگی ـــــ یہی قاعدہ ہے"

بنین سنجیدگی سے بولا "یہ تو ٹھیک ہی بات ہے"

"اس لئے میں کہتا ہوں کہ منجھلی بہو کو دیہات بھیجدینا ہوگا"

نبین نے بھی اس طرح جواب دیا جیسے وہ بھی اسی فیصلہ سے بہت مطمئن ہے بولا "یہ تو بہت اچھا ہوگا دادا۔ مجھے خوف تھا کہ شاید تمہاری مرضی اسکے خلاف ہو"

مدھوسودن نے حیرانی سے پوچھا "اس کے معنی؟"

"ادھر کئی دن سے منجھلی بہو دیہات جانے کے لئے ضد کر رہی ہے۔ مجھے تنگ کر رکھا ہے۔ اسباب بھی باندھ چکی ہے۔ ابھی تاریخ دیکھ کے روانہ ہو جائیگی یہ

یہ کہنا فضول ہے کہ یہ سب باتیں بالکل ہی گڑھی ہوئی تھیں۔ اپنے گھر سے جسکو چاہے جسوقت رخصت کرے، یہ مدھوسودن کی مرضی پر موقوف تھا۔ کوئی اپنی مرضی سے رخصت ہونا چاہیئے، یہ بالکل ہی خلاف دستور بات تھی۔ چڑھ کر بولا "کیوں؟ جانے کی اتنی جلدی کیوں ہے؟"

بینن نے کہا "گھر کی مالکن تو اب گھر میں آگئی ہیں۔ اب اس گھر کا سارا انتظام تو انہیں کو اپنے ہاتھوں میں لینا ہوگا۔ منجھلی بہو یہ سوچتی ہے کہ وہ بیچ میں رہی تو آگے چلکر نہ جانے کیا بات اٹھ کھڑی ہو۔"

مدھوسودن بولا "سوچنے کی ذمہ داری کیا اسی پر ہے؟"

نبین بڑی بھلمنساہت سے بولا "کیا کروں۔ تمہیں بتاؤ۔ عورت کی ضد ہے۔ شاید اس کی سمجھ میں یہ آگیا ہے کہ ممکن ہے کسی بات پر تم خود ہی کسی دن اس کو ہٹانا چاہو تو پھر وہ ذلت اس سے سہی نہ جائیگی۔ اس لئے وہ ٹھان بیٹھی ہے کہ چلی ہی جائے۔ آیندہ اکادشی کی تاریخ بھی ٹھیک کر رکھی ہے ——— ابھی درمیان میں سب حساب کتاب سمجھا بجھا دینا چاہتی ہے۔"

مدھوسودن نے کہا "دیکھو نبین! منجھلی بہو کی خاطر کر کر کے تم نے اسکا دماغ خراب کردیا۔ اس سے سختی کے ساتھ کہدو کہ وہ کسی طرح نہیں جاسکتی۔ تم مرد ہو۔ گھر کے اندر تمہاری حکومت نہیں چل سکتی۔ یہ مجھ سے برداشت نہیں ہوسکتا!"

بینن سر کھجاتے ہوئے بولا "کوشش کر کے دیکھوں گا دادا۔ لیکن ———"

"اچھا میرا نام لے کر کہنا کہ اس وقت اس کا جانا ممکن نہیں۔ جب وقت آئے گا تو میں خود تاریخ طے کردونگا۔"

بینن نے کہا "تم نے ابھی کہا تھا نا کہ منجھلی بہو کو دیہات بھیجدینا ہوگا۔ تو میں بھی سوچتا ہوں ———"

مدھوسودن چڑھ کر بولا" تو میں نے کیا یہ کہا تھا کہ ابھی فوراً بھیج دینا ہوگا"
نیتن دھیرے دھیرے باہر چلا گیا۔ مدھوسودن نے ایک گیس بتی جلالی، اور کوچ پر ٹیک لگا کے نیم دراز ہو گیا۔ گھر کا چوکیدار رات کو کمروں کے پاس بھی آکر گشت لگا جاتا تھا۔ مدھوسودن دم بھر کے لئے اونگھ سا گیا تھا دفعتاً چونکا تو دیکھا کہ چوکیدار کمرے میں آکے اپنی لالٹین اونچی کر کے غور سے اسکا چہرہ دیکھ رہا ہے شاید اسے خدشہ ہو رہا ہے کہ مہاراج کو غش آگیا ہے، یا شاید سورگ باش ہی ہو گئے ہیں۔

مدھوسودن شرما کر بڑبڑاتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ نئے بیاہے راجہ بہادر باہر کے کمرے میں اداس پڑے رات گنوار ہے ہیں، یہ منظر چوکیدار کی نگاہ میں آجانا بڑے شرم کی بات ہے۔ یہ خیال مدھوسودن کے دل میں تیر سا آلگا۔ ایک ذرا غصے کے لہجے میں چوکیدار کو ڈانٹ کر کہا "کمرہ بند کرو!" کمرہ بند نہ کرنا جیسے اس کا قصور ہو۔ ڈیوڑھی کے گھنٹے نے دو بجائے۔

مدھوسودن نے کمرے سے نکلنے سے پہلے میز کی دراز کھول کر دیکھی پھر ذرا تامل کرتے ہوئے کمو کے نام آیا ہوا تار جیب میں ڈالا اور زنانخانہ کی طرف چلا۔ سہ منزلہ پر جانے کی سیڑھی کے نیچے دم بھر ٹھٹکا رہا۔

بڑی رات گئے نیند سے جاگ پڑنے پر آدمی کو ایک قسم کی کمزوری سی محسوس ہوتی ہے۔ اس لئے اس کے دن رات کے کردار میں کافی فرق ہوتا ہے۔ رات کے دو بجے جب چاروں طرف سناٹا تھا، کسی کی آنکھ اس کی طرف لگی ہوئی نہ تھی اور وہ اپنے سوا دنیا بھر میں اور کسی کے سامنے شرمندہ نہ ہو سکتا تھا، ایسے میں کمو کے سامنے اپنی ہار تسلیم کرنا اس کے لئے دشوار نہ تھا۔

بتّیسواں باب

سیڑھی کے پاس سے مدھوسودن پلٹا۔ دل میں خون کا دوران بہت تیز ہوگیا۔ سامنے ایک بند دروازے کے آگے لالٹین دھیمی جل رہی تھی۔ وہ لالٹین اٹھا کے دبے پاؤں اسی کاٹھ والی کوٹھری کی طرف چلا۔ دروازے کی پاس پہنچکر دم بھر کھڑا رہا۔ پھر آہستہ سے دروازے کو دھکا دیا۔ محسوس ہوا کہ صرف بھڑا ہوا ہے۔ اسے کھول کے اندر گیا۔ چٹائی پر کمو گہری نیند میں پڑی تھی۔ ایک چادر سے پاؤں ڈھکے ہوئے تھے۔ بایاں ہاتھ سینہ پڑا تھا۔ لالٹین کونے میں رکھ کر مدھوسودن کمو کے منہ کے سامنے بائیں طرف بیٹھ گیا۔ یہ چہرہ جو اس کے دل کو اتنے زور سے اپنی طرف کھینچ رہا تھا، اسکا سبب یہ تھا کہ اس چہرے سے ایک ناقابل بیان آسودگی اور بھولاپن نمایاں تھا۔ کمو کے دل میں کبھی اپنے آپ سے اختلاف کی کشمکش پیدا نہ ہوئی تھی۔ بھائی کے ساتھ گھر میں اسے مالی پریشانیاں ضرور سہنی پڑی تھیں۔ افکار بھی اسے گھیرے رہتے، مگر وہ سارے دکھ اور ساری فکریں عارضی ہوا کرتیں۔ اُن سے اس کی فطرت پر کوئی ضرب نہ پہونچی تھی۔ وہ جس گھر میں رہتی تھی، اس گھر کی فضا اس کے مزاج سے بالکل ہی موافق تھی۔ اس لئے اس کے چہرے پر یہ بھولاپن اور آسودگی نظر

آتی تھی۔ اس کی چال ڈھال، بول چال میں ایک خاص وقار تھا مدھوسودن کی زندگی جدوجہد کرتے اور حالات سے لڑتے گذری تھی۔ اس کو ہر وقت، ہر طرف سے، ہوشیار اور مشکوک رہنا پڑا تھا۔ اس کے لئے کمو کی یہ سرتاپا معصومیت، یہ پُروقار اور بھرپور اطمینان ایک نہایت ہی حیرت انگیز چیز تھی خود اس کی طبیعت میں ذرا بھی سادگی اور سہولت نہ تھی مگر کمو کا کردار دیوتاؤں جیسا پاک وسادہ تھا۔ اس کے اور کمو کے درمیان جو یہ تفاوت تھا، جو یہ تضاد تھا، وہی اُسے بڑی شدت کے ساتھ کمو کی طرف کھینچ رہا تھا۔ بیاہ کے بعد دلہن کے سسرال آتے ہی جو واقعات پیش آئے تھے ان کی تصویر جب اس کی نگاہوں کے سامنے آتی تو وہ صاف طور پر یہ دیکھتا کہ ایک طرف اسکا بے ضرورت مالکانہ عتاب، اور اسکا احساس ناکامی تھا، دوسری طرف دلہن کا بے پروا، اور پُرسکون، اظہار خودداری۔ عام عورتوں کی طرح اس کے کردار میں بدنما شوخی، یا اوچھاپن نام کو بھی نہ تھا۔ اگر یہ نہ ہوتا، تو مدھوسودن کو شوہر ہونے کی حیثیت سے، جو اختیار اس پر حاصل تھا، اسے وہ اس کی تحقیر و تذلیل کرنے میں بے دریغ استعمال کرتا۔ لیکن اسے کیا ہو گیا تھا۔ خود اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا۔ نہ جانے کون سا عجیب اور نامعلوم سبب تھا کہ وہ کسی طرح کمو کو اپنی دسترس میں نہ پاتا تھا۔

اس نے دل میں ارادہ کر لیا تھا کہ کمو کو جگائیگا نہیں۔ ساری رات یونہی چپ چاپ اس کے پاس بیٹھا رہیگا۔ کچھ دیر بیٹھا بھی رہا۔ مگر اس کے بعد اس سے رہا نہ گیا۔ آہستہ آہستہ کمو کے سینے سے اس کا ہاتھ اٹھا کر اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ کمو نیند میں ذرا کسمسائی اور اپنا ہاتھ کھینچ کر دوسری طرف کروٹ بدل کے پھر سو رہی۔

مدھوسودن اب ضبط نہ کر سکا۔ کمو کے کان کے پاس سر جھکا کے بولا۔

"بڑی بہو! تمہارے بھیا کا تار آیا ہے۔"

کمو فوراً جاگ پڑی۔ آنکھیں ملتی ہوئی حیرانی سے مدھو سودن کی طرف دیکھنے لگی۔ اس کے سامنے تار رکھ کر مدھو سودن بولا "تمہارے بھیا کے یہاں سے آیا ہے" یہ کہہ کے کمرے کے کونے سے لالٹین اٹھا لایا۔

کمو نے تار پڑھ کر دیکھا۔ انگریزی میں لکھا تھا "میرے لئے پریشان نہ ہونا۔ میں رفتہ رفتہ اچھا ہوتا جا رہا ہوں۔ میری آشیرباد یں تمہارے لئے ہیں" سخت بیقراری اور اندوہ ناک مایوسی کے عالم میں یہ تار پاکر اور اسمیں یہ تسکین بخش باتیں پڑھکر دم بھر کے لئے کمو کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں۔ آنکھیں پونچھ کے بڑے جتن سے تار کو اپنے آنچل کے کھونٹ میں باندھ لیا۔ اس حرکت سے مدھو سودن کی دل کی گہرائیوں میں جیسے چوٹ پہنچی، کیا کہے، یہی سمجھ میں نہ آیا۔ اس کے بعد کمو نے پوچھا "دادا کی چھٹی تو نہیں آئی"

مدھو سودن سے کسی طرح یہ نہ کہا گیا کہ چھٹی آئی ہے۔ جھٹ سے بول اٹھا کہ "نہیں چھٹی تو نہیں آئی؟"

اس کوٹھری میں دونوں کا یوں بیٹھے رہنا کمو کو اچھا نہ لگا۔ وہ اٹھنا ہی چاہتی تھی کہ مدھو سودن بول اٹھا "بڑی بہو! مجھ پر غصہ نہ کرو!"

یہ تو مالکانہ دباؤ نہ تھا۔ یہ تو محبت کرنے والے کی التجا تھی۔ اس میں تو ایک تقصیر وار کی پشیمانی بھی تھی۔ کمو سخت متحیر و مضطرب ہوئی۔ یہ تو جیسے دیوتا کی لیلا ہے۔ اس لئے کہ دن ہی کو اس نے بار بار اپنے دل کو سمجھایا تھا۔ "غصہ نہ کرنا" یہی بات اس آدھی رات کے اندھیرے میں مدھو سودن کی زبان سے کون کہلوا رہا ہے۔

مدھو سودن نے پھر کہا "تم کیا اب تک مجھ سے ناراض ہو؟"

کمو نے کہا "نہیں بالکل نہیں"۔

مدھوسودن نے اس کے چہرہ پر نگاہ ڈالی تو دم بخود رہ گیا۔ وہ جیسے اپنے آپ سے باتیں کر رہی ہو۔ جیسے وہ کسی دوسرے ہی سے مخاطب ہو۔

مدھوسودن بولا "تو پھر اس کوٹھری سے چلو، اپنے کمرے میں چلیں"

کمو آج رات کے لئے تیار نہ تھی۔ کچی نیند سے اٹھ کر فوراً کچھ کرنا مشکل ہوتا ہے۔ اس نے یہ ارادہ کر رکھا تھا کہ کل صبح اٹھ کے نہا دھو کر دیوتا کی پوجا کریگی، دعائیں مانگے گی، اس کے بعد گھر کے کاموں میں اپنے آپ کو لگانے کی ریاضت شروع کریگی۔ اب اس نے سمجھا "ٹھاکر نے مجھے وقت نہ دیا۔ آج ہی آدھی رات کو پکار لیا۔ اب ان سے کس طرح "کہہ دوں؟" دل میں جو زبردست بیزاری پیدا ہو رہی تھی، اس کو کمو نے ایک گناہ تصور کیا۔ یہ بیزاری جو اسے روک رہی تھی ٹھاکر سے دور کھینچ رہی تھی۔ اسلئے کمو ایک جھٹکے کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی وہ بولی "چلو"۔

اوپر اپنے کمرے کے دروازے کے پاس پہونچکر ایک ذرا ٹھٹک کر بولی "میں ابھی آئی دیر نہ کروں گی!"

یہ کہہ کے وہ چھت کی طرف چلی گئی۔ اندھیاری کا گھٹا ہوا چاند بیچ آسمان پر نکلا ہوا تھا۔

کمو بار بار دل ہی دل میں کہنے لگی "پربھو تم نے مجھے بلایا ہے۔ تمہیں نے بلایا ہے! مجھ کو بھولے نہیں تم! اسی لئے تو بلایا ہے۔ مجھے کانٹوں بھرے راستے ہی پر لے چلنا چاہتے ہو! ہاں میں جانتی ہوں تمہیں ہو! تمہیں ہو! وہ کوئی دوسرا نہیں!"

کمو اب تامل کو اپنی نگاہوں سے دور کر دینا چاہتی تھی۔ اس کے سوا

جو کچھ ہے وہ سب مایا ہے۔ ساری کائنات اگر اس کی راہ میں کانٹا ہی بن جائے تو بن جائے۔ وہ راہ ہی کے کانٹے تو ہونگے۔ اسی کی راہ کے کانٹے۔ اس کے ساتھ اس کے بھائی کی دعائیں تو ہیں۔ انہیں دعاؤں کو تو اس نے اپنے آنچل میں باندھ رکھا ہے۔ آنچل میں بندھے ہوئے تار کے کاغذ کو اس نے بار بار ماتھے سے لگایا۔ پھر زمین پر ماتھا ٹیک کے دیر تک پرنام کرتی رہی۔ پرنام کرتے کرتے ہی دفعتاً چونک پڑی۔ پیچھے سے مدھوسودن نے آواز دی "بڑی بہو ٹھنڈ لگ جائیگی۔ کمرے میں چلی آؤ"۔

کمو کا دل جو آواز سننا چاہتا تھا اس آواز اور اس پکار میں کوئی ہم آہنگی تو نہ تھی۔ مگر یہی تو تھی اس کی آزمائش۔ دیوتا اسے آج اپنی بنسی بجا کے نہیں بلائینگے! آج وہ بھیس بدل کے آئیں گے!"

تینتیسواں باب

جہاں تک کمو کی اپنی انفرادی شخصیت کا سوال تھا۔ اس کے دل میں نفرت، بیزاری اور ناآسودگی کا احساس جتنا زیادہ سر اٹھاتا، اس کا نیا ماحول اپنے جابرانہ اختیار سے اس کی توہین و تذلیل جسقدر شدت سے کرتا۔ اتنی ہی سرگرمی سے وہ اپنے چاروں طرف ایک حصار کھڑا کرتی جاتی۔ ایک ایسا حصار جو خود اس کی نگاہوں سے اس کی خوشی و ناخوشی، کسی چیز کے اچھے یا برے ہونے کے احساس کو، اوجھل رکھے، جو خود اپنے متعلق اس کے احساس کو دبائے رکھے۔ یہ گویا تکلیف سے کراہتے ہوئے مریض کو کلوروفارم دیکر بیہوش کرنا تھا، لیکن مرحلہ تو دو تین گھنٹوں کا نہ تھا۔ دن رات کے درد و کرب، بیزاری و ناآسودگی کو کہانتک اس عارضی تدبیر سے ٹالا جاسکتا تھا۔ ایسی حالت میں عورتیں اگر کوئی مسیحا یا مُرشد۔ یا گرو پالیتی ہیں، تو ان کے اس ذہنی مرضی کا علاج آسان ہوجاتا ہے۔ لیکن کمو کے لئے تو یہ ممکن نہ ہوا۔ اس لئے روزانہ پوجا کے وقت جو بھجن گایا کرتی اسی کو اپنے ذہن میں ہر وقت تازہ رکھنے کی کوشش کرتی۔ دن رات وہ یہی بھجن دُہرایا کرتی ہے۔

"اے میرے دیوتا! تمہارے سامنے میں ہمہ تن اپنے آپ کو بطور نذر پیش کرتی ہوں۔ تم سے صرف یہی ایک بھیک مانگتی ہوں کہ جس طرح باپ اپنی اولاد

کی، دوست اپنے دوست کی، عاشق اپنی محبوبہ کی زیادتیوں کو برداشت کرلیتا ہے۔ تم اپنی محبت سے میری خامیوں کو نظر انداز کردو! اسکا یقین مجھے جبھی آئیگا، جب میں بھی دوسروں کی کمزوریوں کو، زیادتیوں کو سربسر معاف کرسکوں!"
وہ آنکھیں بند کئے دل ہی دل میں اُسے پکار کر کہتی "تم نے تو کہا ہے، جو انسان مجھے ہر جگہ دیکھتا ہے اور میرے ہی اندر ہر چیز کو دیکھتا ہے، وہ مجھے کبھی نہیں چھوڑتا۔ میں، اس کو نہیں چھوڑتا۔ دیکھو میرا یہ ایمان متزلزل نہ ہونے پائے۔ میری یہ عقیدت ڈگمگانے نہ پائے۔"
آج صبح ہی صبح اس نے پانی میں چندن گھول کے اشنان کیا۔ صبح کو دیر تک بدن کو مل مل کے اتنا صاف کیا کہ اس سے خوشبو نکلنے لگی۔ پھر دل ہی میں نہایت یکسوئی سے دھیان لگا کر یہ محسوس کرنے لگی جیسے اسکے ہاتھ میں دیوتا کا ہاتھ ہے۔ اس کے سارے جسم میں جیسے دیوتا کے پاکیزہ لمس سے، ایک لہر سی دوڑ رہی ہے۔ جیسے اس کے حقیقی وجود کو سر سے پاؤں تک اس نے اپنا لیا ہے۔ وہ جسم جو اس کی گرفت میں نہیں، وہ تو محض ایک فریب ہے۔ مایا ہے مٹی ہے۔ دیکھتے دیکھتے ہی مٹی میں ملجائیگا۔ جبتک میں اسکے لمس کو محسوس کررہی ہوں اسوقت تک تو یہ جسم کبھی ناپاک ہو ہی نہیں سکتا۔ یہی سوچتے سوچتے انتہائے مسرت سے اسکی پلکیں بھیگ گئیں معلوم ہوا جیسے اسکے وجود نے گوشت و پوست کے بندھن سے نجات حاصل کرلی۔ اسوقت اسے اپنے جسم سے بھی ایک عقیدت سی ہوگئی،، اس لئے کہ وہی تو اس پاکیزہ وصل کا ذریعہ تھا۔ اگر اس وقت اسے کندو کے پھول کی مالا مل جاتی تو فوراً ہی اُسے گلے میں ڈال لیتی، جوڑے میں لپیٹ لیتی۔ نہا کے اس نے ایک نہایت صاف دھلی ہوئی چوڑے لال پلو والی ساڑی پہنی اور چھت پر جاکر بیٹھی، تو یہی معلوم ہوا کہ آسمان سے، سورج کی روشنی سے باہر نکلکر، کسی پاکیزہ لمس نے اس کے سامنے

جسم میں ایک سرور سا بھر دیا ہے۔

موتی کی ماں اس کے پاس آئی تو کمو نے اس سے کہا "آج تم مجھے اپنے کام میں لگا دو۔"

موتی کی ماں ہنسکر بولی "تو پھر آؤ چل کے ترکاریاں چھیلو" بڑے بڑے بارکش، پیتل کے لگاڑ اور ٹوکریوں پر ٹوکریاں ساگ سبزی، دس پندرہ ہنسوے قطار سے رکھے ہوئے تھے۔ گھر کی رشتہ دار اور پناہ گیر عورتیں باتیں بھی کرتی جارہی تھیں اور پھرتی سے ہاتھ بھی چلا رہی تھیں۔ ترکاریوں کے ٹکڑے کٹ کٹ کے ڈھیر لگے جا رہے تھے۔ انھیں کے درمیان کمو آکر ایک جگہ بیٹھ گئی۔ سامنے کی سلاخ دار کھڑکی سے پردوں میں لگا ہوا ایک بہت بڑا املی کا درخت نظر آرہا تھا جس کی ہر وقت چنچل رہنے والی پتیاں سورج کی روشنی کو چور چور کر کے ادھر ادھر بکھیر رہی تھیں۔

موتی کی ماں رہ رہ کے اس کی طرف دیکھتی اور سوچتی "یہ کام کر رہی ہے، یا اس کی انگلی کی رفتار کے سہارے اسکا دماغ کسی تیز بہتے کے راستے پر چل رہا ہے۔ اس کو دیکھ کے یہی معلوم ہوتا ہے جیسے ایک بادبان لگی ہوئی کشتی ہو۔ جسے آسمان سے آئے ہوئے ہوا کے جھونکے چھیڑ رہے ہوں، اور کشتی انھیں جھونکوں کے لمس میں کھوئی ہوئی ہو۔ اس کے دونوں طرف پانی کی لہریں جو کٹتی جارہی ہیں ان کی اسے کچھ خبر ہی نہیں۔"

گھر کی عورتیں کمو سے گپیں لڑانا چاہتی تھیں، مگر اس کا موقعہ ہی نہ پاتیں۔ شیام سندری بولی "بہو، جب اتنے سویرے نہاتی ہو تو گرم پانی سے کیوں نہیں نہاتی؟ ٹھنڈک نہ لگ جائیگی؟"

کمو نے جواب دیا "نہیں، مجھے عادت ہے۔"

گفتگو آگے نہ بڑھ سکی۔ کمو کے دل میں اسوقت عقیدت کی ایک خاموش،

لہرسی اٹھ رہی تھی۔ اور بار بار یہی بھجن اس کے لبوں پر آرہا تھا۔
تلے دیوتا تمہارے سامنے میں ہمہ تن اپنے آپ کو بطور نذر پیش کرتی
ہوں تم سے صرف ایک ہی بھیک مانگتی ہوں ......"
ترکاریاں کاٹ کے بھنڈار میں رکھنے کا کام ختم ہوا، تو گھر کی عورتوں
نے اندر والی انگنائی میں نل کے پاس جاکر نہانے کے لئے شور وغل مچانا شروع
کر دیا۔
موتی کی ماں کو اکیلی پا کے کمو نے کہا "دادا کے یہاں سے تار کا جواب
مجھے مل گیا"۔
موتی کی ماں متعجب ہو کر بولی "کب ملا؟"
کمو نے کہا "رات کو"۔
"رات کو؟"
"ہاں بڑی رات گئے۔ انھوں نے خود آکر مجھے دیا"۔
"تو پھر چھٹی بھی ضرور مل گئی ہوگی؟"
"کون سی چھٹی؟"
"تمہارے بھائی کی چھٹی!"
کمو ہمہ تن اشتیاق بن کے بولی "نہیں مجھے کوئی چھٹی نہیں ملی۔ دادا کی
کوئی چھٹی آئی ہے کیا؟"
موتی کی ماں خاموش ہی رہی۔
کمو اسکا ہاتھ دباتی ہوئی بہت ہی مضطرب ہو کر بولی "کہاں ہے دادا
کی وہ چھٹی؟"
موتی کی ماں چپکے چپکے بولی "وہ چھٹی نہیں لا سکتی ہیں ... بڑے ٹھاکر

کے باہر والے کمرے والی میز کی دراز میں ہے۔"

"میری چھٹی مجھے لا کے کیوں نہیں دے سکتیں تم؟"

"اگر ان کو یہ خبر ہو گئی کہ میں نے ان کی دراز کھولی تھی، تو حشر برپا ہو جائیگا۔"

کمو بیقرار ہو کر بولی "تو پھر میں دادا کی چھٹی بھی نہیں پڑھ سکتی؟"

"بڑے مٹا کر جب آفس چلے جائیں۔ تب چھٹی پڑھ کے پھر دراز میں رکھدینا۔"

غصہ تو روکے رکتا نہیں۔ جھلا کے بولی "اپنے نام کی چھٹی بھی کیا مجھے چوری سے پڑھنی ہوگی؟"

"اس گھر میں کون سی چیز اپنی ہے، کون سی نہیں، اس کا فیصلہ اس گھر کے مالک ہی کرتے ہیں۔"

کمو اپنا عزم بھولتی جا رہی تھی۔ اتنے ہی میں دل نے اندر سے سبیہ کی "غصہ نہ کرو۔" دم بھر کے لئے کمو نے آنکھیں بند کیں۔ دونوں لب بے آواز ہی کانپ اٹھے۔ پھر بولی "میری چھٹی کوئی چرا لیتا ہے تو چرا لے میں بھی چوری کر کے چوری کا بدلہ لینا نہیں چاہتی!" یہ کہنے کے بعد کمو کو احساس ہوا کہ بات ذرا سخت ہو گئی۔ سمجھ گئی کہ دل کے اندر چھپا ہوا غصہ چپکے چپکے ہی اپنا کام کر رکھا ہے۔ اسے جڑ سے اکھاڑ پھینکنا ہوگا۔ اس سے لڑنا چاہو، تو وہ ہر وقت پکڑ میں نہیں آتا۔ پہاڑ کی کھوہ میں اگر کوئی قلعہ تعمیر کر لے، تو اس میں داخل ہونے کا راستہ باہر کہاں ملیگا۔ پریم کی ایک ایسی بہیا لانی چاہئے، جو بندھنوں کو توڑ دے اور بندھی ہوئی ناؤ کو بہا لیجائے۔ دل کو بہلانے کا ایک ذریعہ اس کے ہاتھ میں تھا۔ اور وہ تھا سنگیت۔

لیکن اس گھر میں اسراج بجاتے اسے شرم آتی تھی۔ پھر وہ اپنے ساتھ اسراج لائی بھی نہ تھی۔ وہ گا سکتی تھی مگر اس کے گلے میں زور نہ تھا۔ اس کا جی چاہا کہ اپنے گانے کے دھارے میں آسمان کو بہا لے جائے۔ روٹھے ہوئے دل کی راگنی

جس گیت میں وہ یہ کہہ سکے کہ "میں تو تمہیں کو پکارتی رہی ہوں۔ پھر تم چھپ کیوں گئے؟ میں نے تو پل بھر تامل نہ کیا۔ تو پھر آج تم نے مجھے اس کشمکش میں کیوں ڈالدیا؟" وہ چاہتی تھی کہ یہی گلے شکوے وہ اونچے سروں میں گا کے بیان کردے۔ اس کو خیال تھا کہ جواب بھی اسکو سروں کے پردے ہی میں مل جائے گا۔

چونتیسواں باب

اس مکان میں کمو کے لئے ایک ہی جائے پناہ تھی۔ مکان کی کھلی چھت وہ اسی طرف چلدی۔ دن چڑھ چکا تھا اس لئے ساری چھت پر دھوپ پھیل گئی تھی۔ صرف بالکونی کے پاس ایک ذراسی جگہ پر ابھی تک سایہ تھا۔ وہیں جا بیٹھی ایک گیت یاد آیا جس کی دُھن اساوری کی تھی۔ اس گیت کا پہلا بول تھا۔ "بانسری ہماری رے ....." گیت کا باقی حصہ استاد کے منہ بنا بنا کر گانے کی وجہ سے سمجھ میں نہ آتا تھا۔ کمو یہی ادھورا گیت اپنے آپ نکالی ہوئی نئی نئی تانوں سے الٹ پلٹ کر گانے لگی۔ اس چھوٹے سے بول میں جیسے بہت سے معنی سمٹ آنے لگے۔ جیسے گیت کا بول اس سے یہ کہہ رہا ہو کہ "یہ تو ہماری ہی بانسری ہے۔ تم اس میں سُر کیوں نہیں پیدا کر سکتیں۔ تمہاری تان اس اندھیرے کو چیرتی ہوئی اس دروازے تک کیوں نہیں پہونچتی جو بند ہے جس کے اندر سونے والے کی نیند اب تک نہیں ٹوٹی! بانسری ہماری رے! بانسری ہماری رے۔"

موتی کی ماں نے جب آکر کہا "چلو دیدی، کھانا کھانے چلو۔" اس وقت تک چھت کے ایک کونے میں جو تھوڑا سا سایہ تھا وہ بھی غائب ہو چکا تھا۔ لیکن اس کا دل سروں سے بھرپور ہو رہا تھا۔ اسوقت یہ خیال کہ گھر میں کون اس پر ظلم وجبر

کہہ رہا ہے ایک دم بے حقیقت سا ہو کر رہ گیا تھا چھٹی کے معاملے میں مدھو سودن نے جو اوچھا پن دکھایا تھا وہ اس کے دل میں تلخ حقیقت بنکر مرتسم ہو گیا تھا۔ مگر اس وقت دھوپ سے بھرے ہوئے آسمان پر وہ تلخ حقیقت بھی جیسے ایک پتنگے کی طرح کہیں اڑ گئی۔ وہ جو اس کی گھٹی گھٹی سی گونج تھی وہ بھی لامحدود فضا میں کہیں غائب ہو گئی۔ لیکن چھٹی میں جو بھائی کی لکھی ہوئی شفقت بھری باتیں ہونگی۔ ان کو معلوم کرنیکی خواہش اسکے دل سے نہ جا سکی۔ یہ خلش اس کے دل سے کسی طرح نہ نکل سکی۔

کھانا ختم ہونے کے بعد وہ ضبط نہ کر سکی۔ موتی کی ماں سے بولی "میں باہر والے کمرے میں جا کے چھٹی پڑھ آؤں"۔

موتی کی ماں بولی "تھوڑی دیر اور ٹھہر جاؤ۔ نوکر چاکر جب چھٹی لیکر جا چکیں تو چلی جانا"۔

کمو بولی "نہیں! نہیں! یہ تو اکدم چوری کرنے کے لئے جانا ہوگا۔ میں تو سب کے سامنے جانا چاہتی ہوں۔ اب جسکا جو جی چاہے سمجھے"۔

موتی کی ماں بولی "تو پھر چلو میں بھی چلتی ہوں"۔

کمو بول اٹھی "نہیں یہ تو کسی طرح نہیں ہو سکتا۔ تم مجھے صرف یہ بتا دو کس کس طرف سے جانا ہوگا"۔

موتی کی ماں نے اندر کے جھروکے والے برآمدے سے وہ کمرہ دکھا دیا۔ کمو باہر آگئی۔ نوکر چاکر سب حیران ہو کر اٹھ کر کھڑے ہو گئے اور سلام کرنے لگے۔ کمو نے کمرے کے اندر جا کر میز کی دراز کھولی۔ دیکھا تو اس کے نام کا خط اوپر ہی رکھا ہے۔ اٹھا کر دیکھا تو لفافہ کھلا ہوا تھا۔ مارے غصے کے کلیجہ تھر تھر کانپنے لگا۔ بات اُس دم ناقابل برداشت معلوم ہوئی۔ جس گھر میں کمو

پروان چڑھی تھی، وہاں اس قسم کی بیہودگی خواب وخیال میں بھی نہ آسکتی تھی۔
اس کے غصہ کا جوش ہی اسے دھکے دے کر ہوش میں لایا۔ وہ بول اٹھی "پرئے
پریا یا ہارسی دیوسوڑتم" پھر بھی طوفان نہ تھما۔ وہ بار بار یہی اشلوک دہراتی رہی۔
باہر جوار دلی چپراسی بیٹھے تھے وہ بہورانی کو باہر کے کمرے میں اور اپنے ہی آپ
سے باتیں کرتے دیکھ کر دم بخود رہ گئے تھے۔ بہت دیر تک اپنے دل سے باتیں کرنیکے
بعد کمو کا دل ذرا ٹھہرا۔ وہ چٹھی کو سامنے رکھے ایک کرسی پر ہاتھ جوڑے خاموش
بیٹھی رہی اس نے یہ عزم کر لیا تھا کہ یہ چٹھی نہ پڑھونگی۔
ٹھیک اسی وقت مدھوسودن کمرے میں داخل ہوا۔ کمو کو دیکھتے ہی چونک
پڑا۔ کمو نے اس کی طرف نگاہ بھی نہ اٹھائی۔ وہ اور قریب آیا، تو دیکھا کہ میز کے اوپر
وہ چٹھی پڑی ہے۔ پوچھا "تم یہاں کیسے آئیں؟"
کمو خاموش اور پرسکون نگاہوں سے مدھوسودن کی طرف دیکھتی رہی۔
ان نگاہوں میں نہ کوئی فریاد تھی نہ شکوہ۔ مدھوسودن نے پوچھا "اس کمرے میں
تم کیوں آئیں؟"
اس فضول سوال پر چڑھ کر کمو غصہ سے بولی "میرے نام دادا کی چٹھی آئی تھی۔
یا نہیں۔ یہی دیکھنے آئی ہوں"۔
"یہ بات تم نے مجھ سے کیوں نہ پوچھ لی؟" ایسے معقول سوال کرنے کا راستہ
کل رات مدھوسودن نے خود ہی بند کر دیا تھا۔ اس لئے بولا "یہ چٹھی تو میں خود
تمہارے پاس لے جا رہا تھا۔ اس کے لئے تمہیں یہاں آنے کی کوئی ضرورت
تو نہ تھی"۔
کمو تھوڑی دیر خاموش رہی۔ ذرا دل کو ٹھہرا کر بولی "یہ چٹھی تم مجھے پڑھنے

کے لئے دینا نہ چاہتے تھے۔ اس لئے میں اسے پڑھوں گی نہیں۔ یہ دیکھو پھاڑ کے پھینک دیہی ہوں"۔ لیکن دیکھو اب کبھی ایسا دکھ نہ دینا۔ مجھے اس سے بڑھ کر تکلیف اور کسی بات سے نہیں ہوتی!"

اتنا کہہ کر وہ منہ پر آنچل ڈالتی ہوئی جلدی جلدی کمرے سے باہر چلی گئی۔

اس واقعہ سے پہلے دن کے کھانے کے بعد مدھوسودن کا دل اشتیاق سے بے کل ہو رہا تھا۔ شورش کسی طرح روکے نہ رکتی تھی۔ سوچ لیا تھا کہ کمو جیسے ہی کھانا ختم کریگی، اسے فوراً اوپر بلوالوں گا۔ آج اس نے اپنے بالوں کو بڑے جتن سے سنوارا تھا۔ صبح ہی ایک انگریزی حجام کی دوکان سے قیمتی اور خوشبودار تیل اور اسپرٹ ملے ہوئے لوشن اور ایسنس خرید لایا تھا۔ آج زندگی میں پہلی بار ان چیزوں کا استعمال اس نے کیا تھا۔ خوشبو میں بسا بسایا، ہر طرح سے لیس، وہ کمو کا منتظر تھا۔ آفس جانے کا وقت کم سے کم پینتالیس منٹ تو گذر ہی چکا تھا۔

سیڑھی پر پاؤں کی چاپ سنتے ہی مدھوسودن چونک پڑا۔ قریب اور کوئی چیز نہ پائی تو ایک پرانا اخبار اٹھا کر اشتہارات دیکھنا شروع کر دیا۔ اتنی ہی توجہ کے ساتھ جیسے وہ اس کے آفس ہی کا کوئی ضروری کام ہو۔ بلکہ جیب سے لال پنسل نکال کر دو ایک جگہ نشان بھی لگائے۔

اتنے میں شیام سندری کمرے میں داخل ہوئی۔ مدھوسودن نے تیوری چڑھا کر اس کی طرف دیکھا۔ شیام سندری بولی "تم یہاں بیٹھے ہو اور بہو تمہیں ڈھونڈتی پھر رہی ہے۔

"ڈھونڈتی پھر رہی ہے؟ کہاں؟"

"ابھی تو دیکھا ہے تمہارے باہر والے دفتر کے کمرے میں داخل ہوتے۔

تو اس میں اتنے تعجب کی کیا بات ہے ٹھاکر پو؟ اس نے سوچا ہو گا شاید تم۔"

مدھوسودن فوراً باہر کی طرف لپکا۔ اس کے بعد ہی وہ چِٹھی والا واقعہ ہوا تھا۔ بادبان والی کشتی کا بادبان اگر دفعتاً پھٹ جائے، تو اس کی جو حالت ہوتی ہے، وہی حال اس وقت مدھوسودن کا ہوا۔ اب اور دیر کرنے کا وقت نہ تھا۔ فوراً آفس کے لئے روانہ ہو گیا۔ لیکن کاموں کے دوران میں بھی رہ رہ کے اس کو اندرونی فکر کے ٹکڑے دل میں کانٹے کی طرح چبھتے رہے۔ اس جذباتی زلزلے کے عالم میں دفتر کے کسی کام میں دل لگانا اس کے لئے محال ہو گیا۔ سخت دردِ سر کا بہانہ کر کے وہ آفس سے بہت پہلے ہی بھاگ آیا۔

پینتیسواں باب

اس طرف نبین اور موتی کی ماں نے یہ سوچ لیا کہ اب کے ان کے ایوانِ سکون کی بنیاد تک ڈھ چکی ہے۔ اب بھاگ کے پناہ لینے کا راستہ بھی ان دونوں کے لئے باقی نہ رہا تھا۔ موتی کی ماں نے کہا "جس طرح یہاں محنت مشقت کر کے کھاتی ہوں، ویسی ہی محنت کر کے کھانے کی جگہ دنیا میں بہتیری مل جائے گی۔ مجھے دکھ صرف اس بات کا ہے، کہ میں چلی جاؤں گی تو اس گھر میں دیدی کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہ رہے گا۔"

نبین بولا "دیکھو منجھلی بہو! دنیا میں بہت سی ذلتیں سہی ہیں میں نے۔ اس گھر کا دانہ پانی کتنی بار مجھے کڑوا معلوم ہوا ہے۔ لیکن اب کے یہ بات کسی طرح سہی نہیں جاتی، کہ ایسی بی بی پا کے بھی دادا کو یہ سلیقہ نہ آسکا، کہ اس کو کس طرح ہاتھوں ہاتھ لینا چاہیئے۔ کس طرح رکھنا چاہیئے۔ سب کچھ خاک میں ملا دیا۔ اچھی چیزوں کے ٹوٹے ہوئے ٹکڑوں ہی سے تو نحوست اپنا گھر بناتی ہے۔"

موتی کی ماں بولی، "تمہارے دادا کو یہ بات سمجھنے میں دیر نہ لگے گی۔ لیکن اس وقت ٹوٹے ہوئے کو جوڑنے کا موقعہ نہ رہے گا۔"

نبین نے کہا "لچھمی جیسا دیور بننے کے بھاگ میرے نہ ہوئے، اسی بات کا

صدمہ ہے۔ خیر اب جو ہونا تھا ہوا، تم اپنا سامان باندھ رکھو۔ اس گھر میں جب کسی بات کا وقت آجاتا ہے تو پھر دیر نہیں لگتی۔"

موتی کی ماں چلی گئی۔ نبین سے رہا نہ گیا۔ آہستہ آہستہ بھاوج کے کمرے کی طرف چلا۔ قریب پہونچا تو دیکھا کہ کمو اپنی خوابگاہ میں زمین کے فرش پر پڑی ہے۔ چٹھی جو پھاڑ کے پھینک دی تھی، اس کا غم ابتک اس کے دل سے نہ جا سکا تھا۔

نبین کو دیکھتے ہی جلدی سے اُٹھ بیٹھی۔ نبین بولا "بھو دیدی! پرنام کرنے آیا ہوں۔ ایک ذرا اپنے قدموں کی خاک دیدو!"

بھاوج کے ساتھ نبین کی یہ پہلی بات چیت تھی۔

کمو بولی، "آؤ بیٹھو!"

نبین زمین ہی پر بیٹھتا ہوا بولا، "تمہاری سیوا کر سکوں گا، اس خوشی سے دل جھوم رہا تھا۔ لیکن نبین کے نصیب میں اتنی خوش قسمتی کیسے آسکتی تھی۔؟ بس چند روز تم کو دیکھ سکا۔ کوئی خدمت نہ کر سکا۔ یہ حسرت دل ہی دل میں رہ گئی۔"

کمو نے پوچھا "کہاں جا رہے ہو تم لوگ؟"

نبین نے کہا "دادا ہم لوگوں کو دیہات بھیج رہے ہیں۔ آج کے بعد تم سے پھر ملاقات ہونے کا امکان نہیں۔ اس لئے پرنام کر کے رخصت ہونے آیا تھا۔"

اتنا کہہ کے جیسے ہی وہ پرنام کے لئے جھکا تھا کہ موتی کی ماں دوڑتی ہوئی آکر بولی "جلدی چلے آؤ" "کرتا" تمہیں ڈھونڈھ رہے ہیں۔"

نبین جلدی سے اُٹھ کر چلدیا۔ موتی کی ماں اس کے ساتھ ہی گئی۔ اس کا بھائی اسی باہر کمرے والی میز کے پاس بیٹھا تھا۔ نبین آکر کھڑا ہوا۔ اب سے پہلے بھائی کے سامنے آتے وقت اس کے چہرے پر جو پریشانی چھائی رہتی تھی وہ آج

نہ تھی۔

مدھوسودن نے پوچھا "ڈیسک کے اندر چٹھی رکھی ہے، یہ بات بڑی بہو سے کس نے کہی تھی؟"

نبین بولا "میں نے کہی تھی!"

"دفعتاً تمہیں اتنی جرأت کیسے ہوگئی؟"

"بڑی بہو رانی نے مجھ سے پوچھا تھا کہ ان کے بھائی کا کوئی خط ان کے نام آیا ہے یا نہیں۔ اس گھر کے تمام خط تو پہلے تمہارے پاس آتے ہیں، اور اسی ڈیسک میں رکھے جاتے ہیں، اس لئے میں یہاں دیکھنے آیا تھا۔"

"مجھ سے پوچھ لینے تک بھی صبر نہ ہو سکا؟"

"وہ بہت بے چین ہو رہی تھیں۔ اس لئے ــــ"

"اس لئے میرے حکم کی پروا بھی نہیں کی جائے گی۔"

"وہ تو گھر کی مالکن ہیں۔ یہ میں کیسے سمجھوں کہ ان کا حکم اس گھر میں نہیں چل سکتا۔ وہ کچھ کہیں اور میں اسے نہ مانوں، اتنی جرأت مجھ میں نہیں۔ میں تم سے اس وقت یہی کہہ دینا چاہتا ہوں کہ وہ صرف میری مالکن نہیں، میری بزرگ بھی ہیں۔ ان کی فرمانبرداری، نمک خواری کی وجہ سے نہیں کروں گا، بلکہ اپنی دلی عقیدت کی وجہ سے۔"

"نبین میں تمہیں بچپن سے دیکھ رہا ہوں۔ یہ عقل تمہاری نہیں۔ میں جانتا ہوں کہ تمہیں یہ عقل کون دیتا ہے۔ خیر، جو بھی ہو۔ آج تو وقت نہیں۔ کل صبح کی گاڑی سے تم لوگوں کو دیہات چلا جانا ہوگا۔"

"جیسی مرضی" کہہ کر اور کچھ جواب دیئے بغیر ہی نبین جلدی سے کمرے کے باہر چلا گیا۔

بینن کا صرف "جیسی مرضی" کہہ کر چلا جانا، مدھوسودن کو بہت ہی برا لگا۔ بینن کے لئے کچھ رونا دھونا مناسب تھا۔ اگرچہ اس رونے دھونے سے مدھوسودن کے فیصلے میں کوئی تبدیلی نہ ہوتی۔ جاتے ہوئے بینن کو پھر ایک بار پکار کے پاس بلایا اور کہا "اپنی تنخواہ وغیرہ سب چکا کے جاؤ۔ لیکن آج سے میں تم لوگوں کا خرچ نہ دے سکوں گا۔"

بینن نے کہا "یہ تو جانتا ہوں۔ دیہات میں میرے حصے کی جو زمین ہے اسی کو آباد کر کے کھاؤں گا۔"

اتنا کہہ کے کسی جواب کا انتظار کئے بغیر ہی وہ وہاں سے چل دیا۔

انسان کی فطرت بہت ساری مختلف دھاتوں سے مل کر بنتی ہے۔ اس کا ثبوت یہ تھا کہ مدھوسودن بینن کو دل سے عزیز رکھتا تھا۔ اس کے اور دونوں بھائی دیہات کی کھیتی باڑی، زمین جائداد ہی میں الجھے رہتے۔ ان کی وہ زیادہ کھوج خبر بھی نہ لیا کرتا۔ باپ کی موت کے بعد، بینن کو مدھوسودن کلکتہ لے آیا تھا اور پڑھا لکھا کر اپنے ہی ساتھ رکھا تھا۔ گھر بار کے کام دھندے سے بینن کو کچھ فطری لگاؤ بھی تھا۔ اس کا سبب یہ بھی تھا کہ وہ بہت ہی مخلص اور محنتی تھا۔ ایک خاص بات یہ تھی کہ اس کی پسندیدہ رفتار و گفتار یا اخلاق طور طریقے کی وجہ سے تمام لوگ اس سے محبت کرتے تھے۔ گھر میں اگر کوئی لڑائی جھگڑا ہو تو بینن اسے آسانی سے رفع دفع کرا دیتا۔ وہ ہر حال میں ہنستے رہنا جانتا تھا۔ وہ لوگوں کے ساتھ انصاف اور بھلمنساہت ہی سے نہ پیش آتا تھا۔ بلکہ کچھ اس طرح کا اخلاص برتتا کہ سب یہی سمجھتے کہ وہ میری طرفداری کر رہا ہے۔

مدھوسودن بینن سے دلی محبت کرتا تھا۔ اس کا ثبوت یہ تھا کہ موتی کی ماں کو مدھوسودن دیکھنا بھی پسند نہ کرتا تھا۔ وہ جس کو عزیز رکھتا تھا اس پر اپنا

پورا اختیار چاہتا تھا۔ اس لئے وہ برابر یہ سمجھتا تھا کہ موتی کی ماں اس کی طرف سے بینن کا دل پھیرتی رہتی ہے۔ چھوٹے بھائی پر جو اس کو ایک پدرانہ حق حاصل تھا، اسی حق میں یہ باہر سے آئی ہوئی عورت ہر وقت رکاوٹ ڈالتی رہتی ہے۔ بینن سے مدھوسودن اگر اس قدر محبت نہ کرتا ہوتا، تو اب تک موتی کی ماں کی جلا وطنی عمل میں آ چکی ہوتی۔

مدھوسودن نے سوچا تھا کہ یہ اتنا سا کام ختم کر کے وہ آفس چلا جائے گا۔ لیکن کسی طرح دل میں جانے کا حوصلہ نہ پا سکا۔ کمو جو چٹھی پھاڑ کے چلی گئی تھی، اسی منظر کی تصویر اس کے دل پر جم کر رہ گئی۔ ایک عجیب سی تصویر تھی۔ ایسی کہ جس کا کبھی وہ تصوّر بھی نہ کر سکتا تھا۔ ایک بار اس نے اپنی شکّی فطرت کی عادت سے مجبور ہو کر یہ سوچا کہ کمو نے وہ چٹھی ضرور پہلے ہی پڑھ لی ہوگی۔ لیکن کمو کے چہرے پر بے لاگ سچائی اور معصومیت کی روشنی اس قدر صاف جھلک رہی تھی، کہ دیر تک اس پر جھوٹ کا گمان مدھوسودن بھی نہ کر سکا۔

کمو پر سختی کے ساتھ حکمرانی کرنے کی طاقت مدھوسودن رفتہ رفتہ کھو چکا تھا۔ اور اس کے اندر خود جو جو کمزوریاں تھیں، وہ بار بار اس کی نگاہوں کے سامنے آ آ کر اس کو ٹھوکے دے رہی تھیں۔ اس کی عمر زیادہ تھی۔ یہ تلخ حقیقت آج وہ کسی طرح بھلائے بھی نہ بھول سکتا تھا۔ اس کے بال بھی پکنے لگے تھے۔ اس کو چھپانے کی کوئی سبیل ہوتی تو اسکی جان میں جان آجاتی۔ اس کا رنگ بھی کالا تھا۔ ایشور کی یہ ناانصافی اتنے دنوں بعد اب اس کے دل پر گہری چوٹ لگا رہی تھی۔ کمو کا دل اس کی مٹھی سے نکلا جا رہا تھا۔ اس کی تنہا وجہ حسن صورت اور جوانی سے اس کی محرومی تھی۔ مدھوسودن کو اب اس بات میں ذرا بھی شبہ نہ تھا۔ یہیں پر وہ لاچار و ناتوان تھا۔ اس نے جتری خاندان کی لڑکی سے شادی کرنی چاہی تھی۔ اسوقت

اس کو خواب میں بھی یہ خیال نہ ہوا تھا کہ اسے ایسی لڑکی ملے گی جس کے سامنے بدھاتما نے اس کی ہار پہلے ہی سے لکھدی تھی۔ پھر وہ یہ کہنے کی بھی طاقت محسوس نہ کرتا تھا کہ اگر اس کی شادی کسی معمولی لڑکی سے ہو جاتی تو اچھا ہی ہوتا۔ اس پر وہ حکومت تو کر سکتا۔

مدھوسودن کا صرف ایک ہی سہارا تھا۔ وہ تھی اس کی دولت۔ اس لئے آج صبح گھر میں جوھری آیا تو اس نے تین انگوٹھیاں پسند کیں، اور خرید کر رکھ لیں، وہ یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ کونسی کمو کو پسند آتی ہیں۔ انھیں انگوٹھیوں کی ڈبیاں جیب میں رکھ کر وہ اپنی خوابگاہ میں آیا۔ ان انگوٹھیوں میں سے ایک تو چنّی کی تھی، ایک پنّے کی اور ایک ہیرے کی۔ مدھوسودن چشم تصور سے یہ منظر دیکھ رہا تھا کہ پہلے اس نے چنّی کی انگوٹھی آہستہ آہستہ نکال کر دکھائی تو کمو کی للچائی ہوئی نگاہوں میں ایک چمک سی آگئی۔ پھر جب پنّے کی انگوٹھی دکھائی تو اس کی حیرت اور زیادہ بڑھی۔ اور آخر میں جب ہیرے کی انگوٹھی دکھائی تو اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ پھر مدھوسودن نے راجگانہ شان سے کہا "جو تمہیں پسند آئے لے لو" اور جب کمو نے ہیرے کی انگوٹھی پسند کر لی، تو اس کی للچائی نگاہوں کی یہ کمزور جرات دیکھ کر ذرا ہنسا۔ پھر اس نے تینوں انگوٹھیاں کمو کی تینوں انگلیوں میں پہنا دیں۔ اور پھر اس کے بعد رات کو خوابگاہ کے پردے اٹھے.......

مدھوسودن کا ارادہ تھا کہ یہ کھیل آج رات کو کھانے کے بعد ہی ہوگا لیکن دوپہر کو جو واقعہ ہوگیا، اس کے بعد اس سے اور صبر نہ کیا گیا۔ رات کے کھیل کا آغاز آج سہ پہر ہی کو کر دینے کے لئے وہ زنانخانہ میں گیا۔

جا کے دیکھا کہ کمو ایک ٹین کا بکس کھولے زمین پر بیٹھی ہے۔ کپڑے لتّے اسکے

گرد بکھرے ہوئے ہیں۔ انہیں وہ اٹھا اٹھا کر ترتیب سے بکس میں رکھ رہی ہے۔

"یہ کیا تماشہ ہے؟ کہیں جا رہی ہو کیا؟"

"ہاں!"

"کہاں؟"

"رحیب پور"

"اس کے معنی کیا ہوئے؟"

"تمہارے میز کی دراز کھولی تھی میں نے۔ اس کی سزا تم ٹھاکر لوگ اور اس کی گھر والی کو دے رہے ہو۔ وہ سزا تو مجھے ملنی چاہیئے۔"

"نہ جاؤ" کہہ کے منت کرنا مدھوسودن کی فطرت کے بالکل ہی خلاف تھا۔ دل ہی دل میں وہ بول اٹھا "جاتی ہے تو جائے نا۔ دیکھوں تو سہی کتنے دنوں وہاں رہ سکتی ہے۔" وہ دم بھر بھی نہ رُکا، غصّے سے بل کھاتا۔ اُلٹے پاؤں واپس آگیا۔

چھتیسواں باب

باہر جا کے مدھوسودن نے نبین کو بُلا کر کہا "بڑی بہو کا دماغ تم لوگوں نے خراب کر دیا ہے۔"

"دادا! کل تو ہم لوگ جا ہی رہے ہیں۔ اب تمہارے سامنے ڈر ڈر کے چبا چبا کے بات نہ کروں گا۔ آج صاف صاف کہے جاتا ہوں کہ بڑی بہو کا دماغ خراب کرنے کے لئے دنیا میں کسی اور کی ضرورت نہیں، تمہیں اکیلے کافی ہو۔ ہم لوگ رہتے تو پھر بھی کچھ نہ کچھ انہیں ٹھنڈا رکھنے کی کوشش کرتے۔ مگر تم سے یہ بھی دیکھا نہ گیا۔"

مدھوسودن گرج کر بول اُٹھا "بڑ بڑ نہ کر۔ رجب پور جانے کی بات تو نے اور تیری گھر والی ہی نے بڑی بہو کو سکھائی ہے۔"

"دیکھ! اگر اسی بات پر تو نے اس کو سِنچانا شروع کیا تو تیرے اور تیری گھر والی کے لئے اچھا نہ ہو گا۔ صاف صاف کہے دیتا ہوں۔"

"دادا! یہ سب باتیں تم کس سے کہہ رہے ہو۔ جہاں کہنے سے فائدہ ہو، وہاں کہو جا کے۔"

"تم دونوں نے کچھ نہیں کہا؟"

"میں تمہارے قدم چھو کے قسم کھا کے کہتا ہوں کہ ہم لوگوں نے تو ایسا سوچا تک نہ تھا۔"

"بڑی بہو اگر جانے کی ضد کرے تو کیا کرو گے تم دونوں؟"

"تمہیں بلا لاؤں گا۔ تمہارے پاس تو بیک، پیادے، برقنداز سب ہی ہیں۔ تمہیں انہیں روک لینا۔ اس کے بعد تمہارے مخالفین اگر یہ خبر اخباروں میں چھپوا دیں تو پھر منجھلی بہو پر شک نہ کرنا۔"

مدھوسودن نے پھر اسے ڈانٹ کر کہا، "چپ رہ! بڑی بہو اگر رجب پور جانا چاہتی ہے تو جائے، میں اسے نہ روکوں گا۔"

"ہم لوگ اسے کھلائیں گے کہاں سے؟"

"اپنی گھر والی کے گہنے بیچ کر۔ جا یہاں سے! کہہ رہا ہوں جا یہاں سے دور ہو!"

بپن چلا گیا۔ مدھوسودن نے سر پر "اوڈی کلون" کی پٹی چڑھائی اور ایک بار پھر آفس جانے کا عزم پختہ کرنے لگا۔

بپن سے ساری باتیں سن کے موتی کی ماں کمو کے کمرے میں دوڑی گئی۔ دیکھا وہ اب تک کپڑے تہہ کر کر کے رکھ رہی ہے۔

بولی، "یہ کیا کر رہی ہو، بہو رانی؟"

"میں تم لوگوں کے ساتھ ہی چلوں گی۔"

"تمہیں ساتھ لے جانے کی ہمت کہاں ہم لوگوں میں!"

"کیوں؟"

"پھر تو بڑے ٹھاکر ہم لوگوں کا منہ دیکھنا بھی گوارا نہ کریں گے۔"

"تو پھر میرا منہ بھی نہ دیکھیں گے۔"

"اچھا یہ بھی سہی، مگر ہم لوگ تو بہت ہی غریب ہیں۔"

"میں بھی کچھ کم غریب نہیں۔ میری بھی گذر ہو ہی جائے گی۔"

"لیکن لوگ جو بڑے ٹھاکر کی ہنسی اڑائیں گے!"

"اس لئے تم لوگ میرے لئے سزا بھگتو گے! مجھ سے یہ برداشت نہیں ہو سکتا۔"

"لیکن دیدی یہ سزا تو تمہارے سبب سے نہیں۔ یہ تو ہم لوگوں کے پاپ کا پھل ہے۔"

"تم لوگوں کا پاپ کیسا؟"

"ہم لوگوں نے ہی تو تم کو خبر دی تھی۔"

"میں اگر کوئی خبر جاننا چاہوں تو خبر دینا گویا کوئی جرم ہے؟"

"کرتا کو اطلاع دیئے بغیر خبر کرنا ہی جُرم ہے۔"

"تب تو ٹھیک ہے۔ جرم تم لوگوں نے بھی کیا ہے اور میں نے بھی۔ تو پھر سزا بھی ہم سب کو مل کے بھوگنی چاہیئے۔"

"اچھا تو پھر ٹھیک ہے۔ تمہارے لئے پالکی کا انتظام کر دوں۔ بڑے ٹھاکر کا حکم ہو چکا ہے کہ تم جانا چاہو تو روکا نہ جائے گا۔ لاؤ اب تمہارا سامان درست کر دوں، تم تو ان کو درست کرنے میں پسینہ پسینہ ہو گئی ہو۔"

دونوں مل کر سامان درست کرنے لگیں۔

اتنے ہی میں باہر سے آتی ہوئی جوتوں کی چاپ سنائی دی۔ موتی کی ماں دوڑ کر بھاگی۔

مدھوسودن نے کمرے میں داخل ہوتے ہی کہا، "بڑی بہو تم نہیں جا سکتیں۔"

"کیوں نہیں جا سکتی؟"

"چونکہ میں حکم دے رہا ہوں۔"

"اچھا تو پھر نہ جاؤں گی۔ اور کیا حکم ہے بولو؟"

"اپنا سامان باندھنا روک دو۔"

"لو، روک دیا۔" کہتی ہوئی کمو کمرے سے باہر نکل گئی۔ مدھوسودن نے پکارا۔ "سنو! سنو!"

کمو واپس آکر بولی "کیا کہتے ہو؟"

کوئی خاص بات تو کہنے کی تھی نہیں۔ سوچ کر بولا "تمہارے لئے انگوٹھیاں لایا ہوں۔"

"مجھے جس انگوٹھی کی ضرورت تھی، وہ تو تم نے پہننے نہ دی۔ اب مجھے کسی انگوٹھی کی ضرورت نہیں؟"

"ایک بار دیکھ تو لو!"

مدھوسودن نے ایک ایک ڈبیہ کھول کر دکھائی۔ لیکن کمو ایک لفظ بھی نہ بولی۔

"تمہیں جو پسند آئے وہ پہن لے سکتی ہو۔"

"تم جس کے لئے حکم دوگے وہی پہن لوں گی!"

"میرا تو خیال ہے تینوں انگوٹھیاں، تینوں انگلیوں میں اچھی لگیں گے!"

"حکم دوگے تو تینوں ہی پہن لوں گی۔"

"میں پہنا دوں؟"

"پہنا دو!"

مدھوسودن نے انگوٹھیاں پہنا دیں۔ کمو نے پوچھا "اور کوئی حکم ہے؟"

"بڑی بہو غصّہ کیوں کر رہی ہو؟"

"میں ذرا بھی غصّہ نہیں کر رہی ہوں!" کہہ کے کمو پھر کمرے سے باہر چلی گئی۔ مدھوسودن مضطرب ہو کے پھر پکار اُٹھا، "ارے جا کہاں رہی ہو سنو تو؟"

کمو پلٹ آئی۔ بولی "کیا کہتے ہو؟"

اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ کہے کیا۔ چہرہ لال ہو گیا۔ ڈانٹ کر بولا، "اچھا جاؤ۔" پھر جھلا کے بولا، "وہ انگوٹھیاں واپس دے دو۔" کمو نے فوراً ہی انگوٹھیاں اتار کر تپائی پر رکھ دیں۔

مدھوسودن نے ڈپٹ کر کہا، "چلی جاؤ یہاں سے!"

کمو فوراً چلی گئی۔

اب مدھوسودن نے سخت عہد کیا کہ ضرور آفس جائے گا۔ کام کا وقت ختم ہو چکا تھا۔ انگریز افسر سب کے سب ٹینس کھیلنے جا چکے تھے۔ بڑے بابوؤں کی ٹولی اب اُٹھنے والی ہی تھی۔ ایسے ہی میں مدھوسودن آ کے جی جان سے کام میں لگ گیا۔

چھ بجے، سات بجے، آٹھ بجے، تب کاغذ وا غذ بند کر کے اُٹھ کھڑا ہوا۔

سینتیسواں باب

اتنے دنوں تک مدھوسودن کے نظام زندگی میں کسی دن بھی کوئی خلل پیدا نہ ہوا تھا۔ منٹ منٹ اس کے اوقات بندھے ہوئے تھے۔ تمام کام ایک تعین اور تسلسل کے ساتھ انجام پاتے رہتے مگر آج دفعتاً اس کے نظام، اس کے تعین میں غیر متوقع خلل پڑ گیا۔ آج جو وہ آفس سے گھر واپس جا رہا تھا، تو اُسے یہ یقین نہ تھا کہ رات کو کیا ہوگا۔ ڈرتا ڈرتا گھر آیا۔ آہستہ آہستہ کھانا کھایا۔ کھانے کے بعد فوراً ہی ہمت نہ ہوئی کہ خوابگاہ میں جائے۔ تھوڑی دیر دکھن کی طرف برآمدے میں چہل قدمی کرتا رہا۔ سونے کا وقت نو بجے تھا۔ گھنٹا بجا تو اندر گیا۔ آج اس نے مستحکم ارادہ کر لیا تھا کہ ٹھیک وقت پر سو جاؤں گا۔ کسی طرح بھی بے قاعدگی نہ کروں گا۔

سونی خوابگاہ میں داخل ہو کر مسہری کا پردہ اٹھا کر دیکھا اور بعد سے پلنگ پر لیٹ گیا۔ لیکن نیند نہ آنا چاہتی تھی۔ رات جتنی تیزی سے بڑھتی گئی۔ اتنی ہی شدت سے اس کا بھوکا دل اندر ہی اندر اندھیرے میں سر اُٹھانے لگا۔ اس وقت اس کو ڈانٹ کر دبائے رکھنے والا کون تھا؟ پہرے والے تو سب کے سب تھک چکے تھے۔

گھڑی نے ایک بجایا۔ مگر آنکھوں میں نیند نہ تھی۔ اب اس سے پڑا نہ رہا گیا

بستر پر اُٹھ بیٹھا۔ سوچنے لگا کمو کہاں ہے۔ بخشو فراغی کو اس نے سخت حکم دے رکھا تھا کہ فراش خانہ میں تالا لگائے رکھے۔ چھت پر جا کر دیکھ آیا کوئی نہ تھا۔ پاؤں سے جوتے اُتار کر نیچے اُترا اور دبے پاؤں برآمدے میں چلنے لگا۔ موتی کی ماں کے کمرے کے پاس سے گذرا، تو اسے شبہ ہوا کہ بات چیت کی آواز سی آ رہی ہے۔ ہو بھی سکتا ہے۔ کل ہی تو جا رہے ہیں دونوں شاید میاں بیوی کچھ صلاح مشورے کر رہے ہیں۔ باہر دروازے سے کان لگائے کھڑا رہا۔ دو آدمی آہستہ آہستہ کچھ سرگوشی کر رہے تھے۔ بات کیا ہو رہی ہے، یہ تو سمجھ میں نہ آیا مگر اتنا پتہ ضرور چل گیا کہ دونوں عورتیں ہی ہیں۔ تب تو جدائی سے پہلے رات کو کمو اور موتی کی ماں کے درمیان دل کھول کے باتیں ہو رہی ہیں۔ غصہ میں اس کا جی چاہا کہ ایک لات مار کے دروازہ کھول دے اور ایک ہنگامہ برپا کر ڈالے لیکن پھر خیال آیا کہ بینن کہاں ہے؟ ضرور باہر ہی ہوگا۔

اندر سے باہر جانے والے جھلملی دار راستے میں ایک لالٹین ٹمٹما رہی تھی دیکھا کہ لال شال اوڑھے شیاما وہیں کھڑی ہے۔ مدھوسودن کو اس کے سامنے شرمندگی ہوئی تو اسے غصہ آگیا۔ پوچھا، "اتنی رات گئے یہاں کیا کر رہی ہو؟"

شیاما نے جواب دیا، "سو رہی تھی۔ باہر جو قدموں کی چاپ سنی تو ڈر معلوم ہوا۔ سمجھی کہ شاید ــــــ"

مدھوسودن ڈانٹ کر بولا "دیکھتا ہوں تمہاری ہمت بہت بڑھ گئی ہے۔ مجھ سے چالاکی کرنے کی کوشش نہ کرو۔ یہ سمجھائے دیتا ہوں۔ جاؤ سو رہو۔"

شیام سندری ادھر کئی دن سے آہستہ آہستہ اپنی ہمت کا دائرہ بڑھاتی جا رہی تھی۔ آج بھی کہ اس نے بے وقت اور بے جگہ قدم رکھا ہے۔ بڑی درد بھری ایک نگاہ اس نے مدھوسودن کے چہرے پر ڈالی۔ پھر منہ پھیر کر آنچل سے آنسو پونچھ

چلنے کو آگے بڑھی۔ پھر ٹھٹھک کر بولی "چالاکی نہیں کرتی ٹھاکر لو، جو کچھ دیکھ رہی ہوں اسے دیکھ کے آنکھوں کی نیند اُڑ گئی ہے! ہم لوگ تو یہاں کچھ نئے آئے نہیں بہت دنوں کا ساتھ ہے، ہم لوگ کس طرح سہیں۔" اتنا کہہ کے جلدی جلدی قدم اُٹھاتی شیاما اندر چلی گئی۔

مدھوسودن لمحہ بھر چپ چاپ کھڑا رہا۔ پھر باہر کی طرف چلا تو چوکیدار سے آمنا سامنا ہو گیا۔ وہ اس وقت گشت لگا رہا تھا۔ اس کے یہاں قاعدے کی اتنی سخت پابندی تھی، کہ اپنے گھر کے اندر، وہ خود بھی چھپ کے چل پھر نہ سکتا تھا چاروں طرف سے نگاہیں اس پر لگی رہتیں۔ راجہ بہادر ننگے پاؤں آتنی رات گئے باہر چکر لگا رہے ہیں۔ یہ تو ایک نہایت ہی عجیب اور خلافِ دستور بات تھی پہلے تو چوکیدار نے دور سے پہچاننے کی کوشش کی۔ لیکن پہچان نہ سکا۔ للکار کر پوچھا "کون ہے؟" پھر قریب پہونچا تو دانتوں تلے زبان کاٹ لی۔ بہت جُھک کر ایک فرشی سلام کیا۔ پھر عرض کیا "راجہ بہادر! کوئی حکم ہے حجور؟"

مدھوسودن بولا "ذرا دیکھنے آ گیا تھا کہ سب کچھ ٹھیک ہے یا نہیں؟" بات مدھوسودن کے لئے کچھ نامناسب بھی نہ تھی۔

بیٹھک میں آیا تو وہی دیکھا جو سوچا تھا۔ بپین فرش پر گاؤ تکیہ سے ٹیک لگائے خراٹے لے رہا تھا۔ مدھوسودن نے گیس بتی روشن کر دی مگر اس پر بھی بپین کی نیند نہ ٹوٹی۔ جب اسے جھنجھوڑا تو وہ گڑبڑا کر اُٹھ بیٹھا۔ مدھوسودن نے اُس سے کوئی کیفیت طلب نہ کی۔ صرف اتنا کہا "ابھی جاؤ اور بڑی بہو سے کہدو کہ میں اسے سونے کے کمرے میں فوراً بلا رہا ہوں۔" اتنا کہہ کے وہ پھر زنانخانہ میں واپس چلا گیا۔

تھوڑی ہی دیر بعد کمو کمرے میں داخل ہوئی۔ مدھوسودن نے نگاہ اُٹھا کر

اسکی طرف دیکھا۔ معمولی سی ایک لال پلو والی ساڑی پہنے تھی۔ ساڑی کا آنچل سر پر کھینچا ہوا تھا۔ ــــ کمرے کی تنہائی اور دھیمی روشنی میں جیسے ایک بیزاری کی مورتی کھڑی تھی۔ کمو کمرے کے کنارے پر پڑے ہوئے صوفے پر بیٹھ گئی۔ مدھوسودن جھٹ سے اٹھکر اس کے قدموں کے پاس زمین پر بیٹھ گیا۔ کمو نے گھبراکر اٹھنے کی کوشش کی تو مدھوسودن نے اسے ہاتھ پکڑکے بٹھالیا۔ بولا "اٹھو مت! میری بات سنو۔ مجھے معاف کردو۔ مجھ سے غلطی ہوگئی ہے"۔

مدھوسودن کی یہ غیر متوقع لجاجت دیکھ کر کمو حیران سی رہ گئی۔

مدھوسودن پھر بولا "بپن اور منجھلی بہو کو رجب پور جانے سے منع کردوں گا وہ دونوں تمہاری ہی خدمت میں رہیں گے"۔

کمو ڈھونڈھنے پر بھی کوئی جواب نہ پاسکی۔ مدھوسودن نے سوچا تھا کہ میں اپنی آن توڑ کے بڑی بہو کی آن توڑ دوں گا۔ اس کے ہاتھ پکڑکر بڑی التجا کے ساتھ بولا "میں ابھی آتا ہوں۔ تم چلی تو نہ جاؤگی؟"

کمو نے کہا "نہیں! میں نہ جاؤں گی"۔

مدھوسودن نیچے چلاگیا۔ وہ جب اڑیل تھا، کٹھور تھا، تو کمودنی کے لئے اس کے ساتھ پیش آنا آسان تھا۔ مگر آج جب وہ اس قدر عاجزی اور انکساری دکھارہا تھا، اپنے آپ کو بالکل ہی پست کئے دے رہا تھا، تو اس کا جواب کمودنی کس طرح دے۔ یہی اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ وہ اپنے دل کی جو نذر لے کر آئی تھی، وہ تو خاک میں مل گئی۔ ملیامیٹ ہوگئی۔ اب اسے خاک سے اٹھا کر پیش کرنے سے تو کام نہ چلے گا۔ اس لئے وہ پھر دل ہی دل میں اپنے دیوتا کو پکارنے لگی "پریئے پریئے ہارشی دیو شو دہم"۔

پل بھر بعد ہی مدھوسودن اپنے ساتھ بپن اور منجھلی بہو کو لئے واپس آیا

اور دونوں سے مخاطب ہوکر بولا۔" کل تم دونوں کو میں نے رجب پور جانے کے لئے کہا تھا۔ لیکن اب اس کی ضرورت نہیں۔ کل سے میں تم دونوں کو بڑی بہو کی خدمت پر مامور کرتا ہوں"۔

یہ بات سن کے دونوں کے دونوں حیران رہ گئے۔ ایک تو ایسے حکم کی توقع دتھی، اور پھر اتنی رات گئے، ان دونوں کو بلاکر کہنے کی کونسی ایسی ضرورت پڑی تھی؟

مدھوسودن سے ضبط ممکن ہی نہ تھا۔ وہ آج رات ہی کو کمو کا دل اپنی طرف پھیر لینے کی ہر ممکن تدبیر کرنے میں ذرا بھی تامل و توقف کرنا نہ چاہتا تھا۔ آج تک زندگی میں کبھی بھی اس نے اپنی خودداری اور آن کا خون اس طرح نہیں کیا تھا۔ جو چاہتا تھا اس کے پالینے کے لئے، اس نے اپنی سب سے زیادہ قیمتی شے دیدی۔ اسی زبان میں اس نے کمو کو سمجھا دیا کہ میں تمہارے سامنے بے بس و بے بس ہار مانتا ہوں"۔

اب کمو کے دل میں دغدغہ پیدا ہوا۔ وہ سوچنے لگی کہ اس نذر کو میں کیسے قبول کروں۔ اس کا بدلہ دینے کے لئے میرے پاس کیا ہے؟ زندگی پر اگر باہر سے وار ہوتا ہے تو اس سے بچنے کی طاقت مل جاتی ہے۔ اس وقت دیوتا خود ہی مدد دیتے ہیں۔ جب دفعتاً باہر کا یہ حملہ رک جائے، دشمن ہتھیار ڈالدے اور پھر بھی صلح نہ کی جاسکے تو اس وقت نکل پڑتی ہے اندرونی مخالفت۔ کمو نے خود آپ ہی یہ محسوس کرلیا کہ مدھوسودن جب سخت گیر تھا، تو اس کے ساتھ برتاؤ کرنا ناگوار سہی، مگر آسان تھا۔ لیکن اب جو وہ اس قدر جھک گیا ہے، تو اس کے ساتھ برتاؤ کرنا کمو کے لئے ایک بہت سخت مرحلہ بن گیا ہے۔ ایسے میں تو اس کی آن، اس کی شائستگی اسے اپنی آڑ میں نہیں لے سکتا۔ فراش خانہ کی کوٹھری تو اب جائے پناہ نہیں بن سکتی۔ اس وقت تو دیوتاؤں کے سامنے ہاتھ جوڑنا بھی بے معنی ہے۔ موتی کی ماں کو اگر کسی بہانے سے وہ روک سکتی تو اس کی جان بچ سکتی تھی

لیکن بنین چلا گیا تو اس کے پیچھے پیچھے حیرت زدہ موتی کی ماں بھی کمرے سے باہر نکلی۔ دروازے پر پہونچتے ہی اس نے آڑ میں رہ کر ایک بیتابانہ ترچھی نگاہ کمو کے چہرے پر ڈالی، اور یہ سوچتی ہوئی آگے بڑھ گئی کہ شوہر کے پنجۂ گرم سے اب اس لڑکی کو کون بچا سکتا ہے۔

مدھوسودن نے کہا "بڑی بہو! کپڑے بدل کے سونے کو نہ آؤگی؟"

کمو آہستہ آہستہ اُٹھ کر بغل والے غسل خانے میں چلی گئی اور دروازے اندر سے بند کر لئے۔ اس کا مقصد تھا کہ نجات کی مدت جتنی بھی بڑھائی جا سکے بڑھا لے۔ غسل خانہ میں دیوار کے پاس ایک چبوترہ تھا اسی پر بیٹھ گئی۔ اس کا بے قرار وجود اپنے اندر آپ ہی اپنی تہہ ڈھونڈھ رہا تھا۔ مدھوسودن دیوار پر لگی ہوئی گھڑی پر نظر جمائے حساب کر رہا تھا کہ کپڑے بدلنے میں کتنا وقت لگتا ہے۔ اتنے ہی میں آئینہ کے اندر اپنی صورت دکھائی دی۔ ماتھے پر بڑے بڑے بال بکھر آئے تھے اور بعض بدنما طریقہ پر کھڑے ہو گئے تھے۔ برش سے ان کو جمانے کی بے سود کوشش کی۔ پھر کپڑوں پر بہت سارا لونڈر انڈیل لیا۔

پندرہ منٹ گذر گئے۔ کپڑے بدلنے کے لیے اتنا وقت کافی تھا۔ مدھوسودن دبے پاؤں ایک بار غسل خانے کے دروازے سے کان لگا کر کھڑا ہوا۔ لیکن اندر سے حرکت کی کوئی آہٹ سنائی نہ دی۔ اس نے سوچا سر کے بال سنوارنے اور جوڑا باندھنے میں مشغول ہوگی۔ عورتیں سنگار کی بڑی رسیا ہوتی ہیں اس کا بھی یہی خیال تھا۔ اس لئے صبر تو کرنا ہی پڑے گا۔ آدھ گھنٹہ گذر گیا۔ مدھوسودن نے ایکبار پھر دروازے سے کان لگا دیئے۔ اب کے بھی کوئی آہٹ نہ ملی۔ واپس آکے کوچ پر بیٹھ گیا اور سامنے دیوار پر لگی ہوئی ولایتی تصویر کو دیکھنے لگا۔ پھر دفعتاً چونک کر اُٹھ کھڑا ہوا اور غسل خانے کے بند دروازے پر جا کر پکارا "بڑی بہو کیا اب تک

کپڑے بدلنا ختم نہیں ہوا۔"

ایک ذرا بعد ہی آہستہ آہستہ دروازہ کھلا۔ گوری باہر آئی۔ یوں جیسے کہ وہ سحرزدہ ہو۔ جو کپڑے پہلے پہنے تھی وہی اب بھی جسم پر تھے۔ یہ شب خوابی کا لباس تو نہ تھا۔ جسم پر پوری آستین والا بھورے رنگ کے سرج کا شلوکہ اور اس پر لال حاشئے والی بادامی رنگ کی شال ڈالے ہوئے۔ آنچل ماتھے تک کھنچا ہوا۔ دروازے کے ایک پٹ پر پیلیاں ہاتھ رکھے جیسے ایک عالم تامل میں کھڑی تھی کسی بے مثال مصور کا شاہکار۔ سڈول گوری گوری کلائیوں پر گھڑیال کے دھانے والے موٹے موٹے بھاری کڑے پرانے زمانے کے فیشن کے۔ غالباً اس کی ماں کے ہاتھ کے ہونگے۔

یہ موٹے موٹے بھاری کڑے اس کے نازک نازک ہاتھوں میں ایسے بھلے پر وقار اور مانوس سے معلوم ہو رہے تھے، کہ ان کو دیکھ کر یہ گمان بھی نہ ہوتا تھا کہ یہ زیور ہیں، آرائش و نمائش کی چیز۔ مدھوسودن نے آج اس کو جیسے پہلی بار دیکھا ہو۔ اسکی عظمت سے پھر وہ مرعوب ہو گیا۔ وہ یہ خیال کئے بغیر نہ رہ سکا کہ اس کے اتنے دنوں کی کمائی ہوئی دولت کو آبرو اب حاصل ہوئی ہے۔ دنیا میں جن لوگوں سے اس کا برابر کا ساتھ تھا ان میں سے زیادہ تر لوگ ایسے تھے، جن کے مقابلے میں اپنے آپ کو اپنی دولت کے غرور سے بہت بڑا سمجھنا ہی اس کی عادت تھی لیکن آج گیس کی صاف روشنی میں اپنی خواب گاہ کے اندر دروازے سے لگی ہوئی جو عورت کھڑی ہوئی تھی، اس کو دیکھ کر مدھوسودن کے دل میں یہی خیال آیا کہ میرے پاس کافی دولت نہیں۔ میں اگر کہیں کا چکرورتی راجہ یا شہنشاہ ہوتا، تو میرا محل اس عورت کے شایان شان ہو سکتا تھا۔ اس کو اب یہ محسوس ہوا کہ شاید بچپن ہی سے اس عورت کی پرورش ہی ایک خاندانی اور نسلی وقار کی آغوش میں ہوئی ہے۔ یعنی یہ کہ کئی نسلوں کی قدیم شرافت کا جلال لئے، وہ جس جگہ کھڑی ہے، وہاں

ایسے ویسے لوگ رسائی ہی نہیں پا سکتے۔ وہاں تو اپنی فطری شرافت کے ساتھ بپراداس حکومت کر رہا ہے۔ وہ بھی کمو ہی کی طرح سے ہر وقت ایک روح کو جلا دینے والے احساس شرافت سے گھرا ہوا معلوم ہوتا ہے۔

مدھوسودن سے یہی بات کسی طرح سہی نہیں جا سکتی تھی۔ بپراداس میں غرور ذرا بھی نہیں، مگر ایک قسم کی پر وقار کم آمیزی ہے۔ بڑے سے بڑا آدمی بھی دفعتاً اس کی پیٹھ پر ہاتھ مار کے یہ کہہ سکے کہ "کیوں جی! کیسے ہو؟" یہ کسی طرح ممکن نہ تھا۔ بپراداس کے سامنے مدھوسودن کو ایک عجیب قسم کا احساس کمتری پیدا ہو جاتا۔ اس لئے اس کو غصہ آ جاتا۔ صرف اسی وجہ سے کمو پر تشدد نہیں کر پاتا تھا۔ جس دنیا میں اپنے مالکانہ اختیار کو برتنے کا اسے سب سے زیادہ حق تھا وہیں اس کو زیادہ جھکنا پڑا تھا۔ لیکن غصہ اس کو اس بات پر نہ آیا۔ بلکہ کمو کی طرف اسکا دل بے اختیارانہ شدت سے کھنچنے لگا۔ آج کی رات کمو کو دیکھ کر اس نے صاف صاف سمجھ لیا کہ وہ تیار ہو کے نہیں آئی۔ جیسے وہ کسی ان دیکھی دیوار کے پیچھے کھڑی ہے۔ اُف! کتنی خوبصورت ہے؟ نیک دلی، نیک خوئی اور متانت چہرے سے کرنوں کی طرح پھوٹی پڑ رہی ہے۔ جیسے برف سے ڈھکی ہوئی سنسان چوٹیوں پر صبح کی پہلی کرنیں پھوٹ رہی ہوں۔

مدھوسودن ایک ذرا قریب جا کے آہستگی سے بولا، "سونے نہیں چلو گی بڑی بہو؟"

کمو دم بخود رہ گئی۔ اسے یقین تھا کہ مدھوسودن ضرور غصہ کرے گا۔ اس کی توہین کرنے کے لئے سخت سے سخت باتیں کہے گا۔ دفعتاً ایک جانا پہچانا ہوا لہجہ اسے یاد آ گیا۔ اس کے باپ کی محبت بھری آواز کیوں کر اس کی ماں کو بڑی بہو کہہ کر پکارتی تھی۔ ساتھ ہی ساتھ یاد آیا کہ اس کی ماں نے اس کے باپ کو

کیونکہ اپنے قریب آنے سے باز رکھا تھا اور روٹھ کر چلی گئی تھی۔ آناً فاناً اس کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں۔ زمین پر مدھوسودن کے قدموں سے لگ کر بول اٹھی ؛۔

"مجھے معاف کرو۔"

مدھوسودن نے جلدی سے ہاتھ پکڑ کر اسے اُٹھایا اور کرسی پر بٹھاتا ہوا بولا، "تم نے قصور ہی کیا کیا ہے جو تمہیں معاف کروں۔"

کمو بولی، "اب تک میرا دل تیار نہیں ہوا۔ مجھے تھوڑا سا وقت دو۔"

مدھوسودن کے دل میں ایک ذرا سختی پیدا ہو گئی۔ بولا، "کیوں تمہیں وقت دینا ہوگا۔ ذرا صاف کہو؟"

"میں ٹھیک سے نہیں کہہ سکتی۔ کسی سے کہنا مشکل ہے۔"

مدھوسودن کے لہجے میں اب مٹھاس باقی نہ رہی۔ بولا "مشکل کچھ بھی نہیں تم یہی تو کہنا چاہتی ہو کہ میں تمہیں پسند نہیں۔"

کمو کے لیے بڑی مشکل کا سامنا تھا۔ بات سچی ہی تھی۔ پھر بھی سچی نہ تھی۔ وہ اپنے دل کی ڈلیا میں اپنی نذر پیش کرنے کا عزم صمیم کر چکی تھی۔ لیکن نذر کا سامان اب بھی دل تک پہونچا نہ تھا۔ دل کہتا تھا کہ ایک ذرا اور صبر کر۔ راستہ میں رکاوٹ نہ ڈالی جائے تو وہ ابھی آجائے گا۔ ابھی دیر ہے، یہ بات بھی نہیں۔ پھر بھی اسے حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ڈلیا ابھی تک خالی ہی ہے۔

کمو نے کہا، "میں تمہیں ٹھگنا نہیں چاہتی۔ اس لئے تم سے کہہ رہی ہوں کہ تھوڑا وقت دو۔"

مدھوسودن کی ناراضگی رفتہ رفتہ بڑھتی گئی۔ سخت ہو کر بولا "وقت دینے سے کون سی آسانی ہو جائے گی؟" تم کیا اپنے بھائی سے صلاح لے کے اپنے شوہر کا گھر بسانا چاہتی ہو۔

مدھوسودن کو اس بات کا یقین تھا۔ وہ سمجھا تھا کہ بہاری داس کے انتظار ہی میں کمو کی ساری باتیں رکی ہوئی ہیں۔ بھائی جس راستے پر چلائے گا اسی راستے پر چلے گی۔ طنز سے بولا "تمہارے دادا، تمہارے گرو ہیں شاید؟"

کمو زمین سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔ بولی "ہاں میرے دادا میرے گرو ہیں۔"

"ان کا حکم نہ ہو گا تو آج کپڑے بھی نہ بدلو گی۔ بستر پر سونے بھی نہ آؤ گی؟ کیوں یہی بات ہے نا؟"

کمو مٹھیاں بھینچ کے کاٹھ کی طرح سخت ہو کر کھڑی رہی۔

"تو پھر تار دے کے ان کا حکم منگوا لوں۔ لیکن رات بہت زیادہ آ گئی ہے۔"

کمو نے کوئی جواب نہ دیا۔ باہر چھت کی طرف جانے کے لئے مُڑی۔

مدھوسودن گرج کر بولا "مت جاؤ! کہہ رہا ہوں مت جاؤ۔"

کمو فوراً پلٹ پڑی۔ کھڑے کھڑے بولی "کیا چاہتے ہو بولو؟"

"ابھی ابھی کپڑے بدل کر آؤ" گھڑی ہاتھ سے کھول کر دیکھتا ہوا بولا۔ "پانچ منٹ وقت دیتا ہوں۔"

کمو نے فوراً ہی غسل خانہ میں جا کر کپڑے بدلے ساری کے اوپر ایک موٹی سی چادر اوڑھ کر باہر نکلی اور مدھوسودن کے سامنے اس انداز سے جا کر کھڑی ہوئی جیسے دوسرے حکم کی منتظر ہو۔ مدھوسودن دیکھتے ہی سمجھ گیا کہ یہ بھی لباس جنگ ہے غصہ بھڑک اُٹھا مگر یہ سمجھ میں نہ آسکا۔ کہ اب کیا کرنا چاہیئے لیکن چونکہ سخت سے سخت غصے کے عالم میں بھی مدھوسودن کا کاروباری ذہن بیدار رہتا تھا اس لئے اس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا۔ بولا "اب کیا کرنا چاہتی ہو، مجھے بتاؤ۔"

"تم جو کچھ کہو گے وہی کروں گی۔"

مدھوسودن مایوس ہو کر ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ چادر اوڑھے ہوئے یہ عورت

اسے ایک بیوگی کا مجسمہ نظر آ رہی تھی۔ جیسے اس کے اور اس کے شوہر کے درمیان موت کا خاموش سمندر حائل ہو۔ ڈانٹ ڈپٹ سے یہ سمندر عبور نہیں کیا جا سکتا۔ بادبان میں کونسی ہوا لگے گی کہ جس سے یہ کشتی رواں ہوگی؟ کسی دن رواں ہوگی بھی یا نہیں؟"

خاموش بیٹھا رہا۔ کمرے کی گھڑی کی ٹک ٹک کے سوا اور کوئی آواز سنی ہی نہیں جا رہی تھی۔ کمودنی کمرے سے باہر نہ گئی۔ وہیں باہر کی چھت کے اندھیرے پر نگاہ جمائے تصویر کی طرح خاموش کھڑی رہی۔ سڑک سے ایک شرابی کے گانے کی بھرائی ہوئی آواز آ رہی تھی۔ پڑوس کے اصطبل میں کسی نے ایک کتے کا پلا باندھ رکھا تھا۔ رات کو اپنی رسی ڈھیلی کر کے نکل بھاگنے کے لئے اس کی فریاد بھی فضا میں گونج رہی تھی۔

وقت جیسے ایک اتھاہ غار کی طرح منہ کھولے خاموش کھڑا تھا۔ مدھوسودن کے کارخانے کی جیسے تمام کلیں تمام مشینیں دفعتاً رک سی گئی ہوں۔ کل دفتر میں اسے بہت سارے کام کرنے تھے۔ ڈائرکٹروں کی میٹنگ تھی۔ بہت سی اہم تجویزیں، مخالفتوں کے باوجود بھی، چالاکی سے منظور کرا لینی تھیں۔ لیکن یہ تمام ضروری کام بھی آج اس کی نگاہ میں سائے ہی نظر آ رہے تھے۔ آج سے پہلے ایسا ہوتا تو کل کے تمام ضروری کاموں کے لئے آج رات ہی کو ایک نقشہ عمل تیار کر لیتا۔ لیکن اسوقت تمام فکریں دور تھیں۔ اس کے لئے دنیا کی سب سے زیادہ کٹھن اور غیر متعین حقیقت اسوقت یہ چادر اوڑھے سامنے کھڑی ہوئی عورت تھی۔ تھوڑی دیر بعد مدھوسودن نے ایک گہری ٹھنڈی سانس کھینچی۔ کمرہ جیسے ایک گہری فکر سے چونک پڑا۔ جلدی جلدی کرسی سے اٹھکر وہ کمو کے پاس جا کھڑا ہوا اور بولا "بڑی بہو! تمہارا دل کیا پتھر کا ہے؟"

یہ "بڑی بہو" والا لفظ کمو کے دل پر پتھر کی طرح اثر کرتا۔ فوراً اسے اپنی ماں کی زندگی یاد آ جاتی۔ اسی پکار کا جواب وہ کتنے دنوں تک دیتی رہی تھیں۔ اسی عادت کا

اثر کمو کے خون میں بھی تھا۔ اس لیئے وہ بھی یہ پکار سنتے ہی چونک پڑی۔ مدھوسودن نے بہت ہی رقیق لہجے میں کہا "میں تمہارے لائق نہیں ؟ کیا تم مجھ پر رحم بھی نہیں کر سکتیں ؟"

کمودنی گھبرا کر بول اٹھی "چھی چھی ایسا نہ کہو" پھر زمین کی طرف جھک کے اس کے قدموں کی خاک ماتھے پر لگاتی ہوئی بولی "میں تو تمہاری داسی ہوں۔ مجھے تم حکم دو۔"

مدھوسودن نے اسے دونوں ہاتھوں سے اوپر اٹھا کے گلے سے لگا لیا۔ بولا "نہیں میں تمہیں حکم نہیں دوں گا۔ تم اپنی مرضی سے میرے پاس آؤ۔"

کمودنی مدھوسودن کے بازوؤں کی گرفت میں ہانپ رہی تھی لیکن اس نے اپنے آپ کو اس کی گرفت سے چھڑانے کی کوشش نہ کی۔ مدھوسودن گھٹی گھٹی سی آواز میں پھر بولا، "نہیں، میں تمہیں حکم کبھی نہ دوں گا۔ تم اپنے آپ میرے پاس آؤ" اتنا کہہ کے اس نے کمودنی کو گرفت سے آزاد کیا۔

کمودنی کا گورا چہرہ لال ہو گیا تھا۔ نگاہیں نیچی کر کے بولی "تم اگر حکم دو گے تو مجھے اپنا فرض ادا کرنا آسان ہو جائے گا۔ میں خود اپنی عقل سے کچھ نہیں کر پاتی۔"

"اچھا تو پھر اپنے بدن سے یہ چادر تو الگ کر ڈالو۔ مجھ سے یہ دیکھی نہیں جاتی۔"

کمودنی نے ہچکچاتے ہوئے چادر اتار کر الگ رکھ دی۔ تن پر مہین حاشیئے والی ڈورئیے کی ایک ساری تھی۔ جس کی کالی ڈوریاں کمو کے نازک جسم کو یوں گھیرے تھیں جیسے ڈوریوں کا ایک جھرنا ہو جو تھمتا معلوم نہ ہوتا ہو بلکہ بہتا ہی چلا جاتا ہو یا جیسے کالی نگاہ اپنی تیز رفتاری کے نشانات چھوڑتی ہوئی، اس کے جسم کا طواف کر رہی ہو۔ طواف کئے جا رہی ہو، اور کسی طرح وہ طواف ختم ہی نہ ہو پاتا ہو

مدھوسودن اس منظر میں محو ہو کر رہ گیا۔ مگر ساتھ ہی ساتھ یہ احساس کئے بغیر نہ رہ سکا کہ یہ ساری یہاں کی دی ہوئی نہیں۔ کمودنی کو کتنی ہی بھلی کیوں نہ معلوم ہوتی ہو، مگر تھی بہت ہی کم قیمت اور اس کے میکے کی۔ اسی غسل خانہ کے پاس والے کمرے ہی میں ایک بہت بڑی ساگوان کی الماری تھی، جس کے دونوں پٹ میں آئینے لگے تھے اور اندر درازیں تھیں۔ شادی سے پہلے ہی ان درازوں میں رنگ برنگ کی قیمتی ساڑیاں بھر دی گئی تھیں۔ اُن ساڑیوں کو آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھتی۔ کتنی مغرور ہے یہ عورت! اُسے تین انگوٹھیوں والا واقعہ یاد آگیا۔ کیسی ناقابلِ برداشت بے پروائی سے اس نے یہ انگوٹھیاں لینے سے انکار کیا تھا۔ لیکن اس منحوس نیلم کی انگوٹھی کیلئے کتنا چاؤ تھا اس کے دل میں۔ بپرا داس کے لئے کمو کے دل میں جو جگہ تھی، اسمیں اور اس کے لگاؤ میں جو اسے مدھوسودن سے تھا، کتنا بنیادی فرق تھا۔ کمودنی کے چادر اُتارتے ہی یہ تمام خیالات مدھوسودن کے دل ہی دل میں دبی ہوئی آندھی کی طرح دفعتًا جاگ پڑے، اور رہ رہ کے اسے تھپیڑے دینے لگے۔ لیکن اف رے حسن! یہ حیرت انگیز حسن! یہ مغرورانہ بےاتفاقی بھی جیسے اس کا زیور ہو۔ ایسی ہی عورت تو دولت اور ثروت کو بھی ٹھکرا سکتی ہے۔ یہ تو خود جیسے دولت کی دیوی ہی بن کر پیدا ہوئی ہے اس کو دولت کی کسوٹی پر تو نہیں کسا جاسکتا۔ جمع خرچ میں تو اسے ٹالا نہیں جاسکتا۔ مدھوسودن آخر اسے لالچ دکھائے تو کس چیز کا۔

مدھوسودن بولا، "جاؤ تم جا کے سو رہو!"

کمو اس کی طرف خاموشی تکتی رہی۔ اس کی خاموشی یہی سوال کر رہی تھی، "کیا تم پہلے بستر پر نہ جاؤ گے؟"

مدھوسودن پھر ذرا سخت لہجے میں بولا "جاؤ اب دیر نہ کرو" کمو جب

پلنگ پر گئی تو مدھوسودن نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا "میں یہیں بیٹھا رہوں گا۔ مجھے جب بلاؤ گی تو آؤں گا۔ برسوں اسی طرح بیٹھے انتظار کرنے کو تیار ہوں۔"

کمو کے سارے جسم میں ایک جھرجھری سی پیدا ہو گئی۔ یہ کیسی سخت آزمائش ہے اس کی؟ اب کس کے دروازے پر جا کے وہ اپنا سر پٹکے! دیوتا نے اس کی فریاد سنی ہی نہیں۔ کوئی جواب ہی نہ دیا۔ جس راستے سے وہ یہاں پہونچی تھی وہ تو بالکل ہی غلط راستہ نکلا۔ بستر پر بیٹھی بیٹھی دل ہی دل میں بولی "ٹھاکر تم مجھ کو کبھی بھی دھوکا نہیں دے سکتے! اس وقت بھی تمہیں پر بھروسہ کروں گی۔ دُھرب کو تو تم ہی جنگل کی طرف بلا لائے تھے۔ اسی دلاسے پر کہ جنگل ہی میں تم اسے اپنا درشن دو گے۔"

اس خاموش کمرے میں ذرا سی بھی کوئی آہٹ نہ تھی۔ سڑک کے موڑ سے اب اس شرابی کی بھرائی ہوئی آواز بھی سنائی نہیں دے رہی تھی۔ صرف بے چارا وہی قیدی پلا کبھی کبھی اپنی فریاد بلند کر دیتا۔

چند لمحے بھی ایک طویل مدت محسوس ہو رہے تھے۔ وقت جیسے اس سناٹے کے بوجھ سے اتنا دبا ہوا تھا کہ اپنی جگہ سے ہلتا نظر نہ آتا تھا۔ کیا یہی اس کی ازدواجی زندگی کی ابدی تصویر تھی؟ دو طرف دونوں خاموش بیٹھے تھے۔ رات جیسے لازوال سی ہو۔ بیچ میں ایک اتھاہ، خاموشی، آخر کار کمو اپنی ساری طاقت سمیٹ کے پلنگ سے نیچے اتری اور پاس آکر بولی "مجھے گنہگار نہ بناؤ۔"

مدھوسودن بہت ہی سنجیدگی سے بولا "کیا چاہتی ہو۔ کیا کرنا ہوگا۔"

یہ آخری الفاظ جیسے سب کچھ نچوڑ لینا چاہتے ہوں

کمو بولی "آؤ سونے چلو!"—

— لیکن کیا اسی کو جیت کہتے ہیں؟

اڑتیسواں باب

دوسرے دن صبح کو جب موتی کی ماں کمو کے لئے ایک پیالہ دودھ لیکر آئی، تو دیکھا کہ کمو کی دونوں آنکھیں لال ہیں۔ سوج بھی گئی ہیں۔ چہرے کا رنگ پھیکا پڑ گیا ہے۔ اس نے سوچا تھا کہ کمو کھلی چھت پر پورب طرف منہ کئے صبح کی پوجا کرنے آئے گی لیکن دیکھا کہ سیڑھی کے پاس، جو ایک چھوٹا سا سائبان ہے وہیں پر دیوار سے ٹیک لگائے زمین پر اداس بیٹھی ہے۔ آج جیسے وہ اپنے دیوتا سے روٹھ گئی ہے۔ بے قصور لڑکے کو جب کوئی بے رحم باپ بے وجہ ہی سزا دیتا ہے تو اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔ خاموشی سے سزا بھگت لیتا ہے۔ اپنی صفائی پیش کرنے کے لئے بھی اس کا منہ نہیں کھلتا۔ آج اپنے دیوتا سے کمو بھی اسی طرح ناراض تھی۔ جس آواز کو وہ غیبی آواز سمجھ بیٹھی تھی وہ کیا اسی ناپاکی، اسی فریب کی طرف، اسے بلا رہی تھی۔ دیوتا شاید عورت کی قربانی چاہتے تھے اس لئے شاید اپنے شکار کو اس طرح بہلا پھسلا کر ادھر لے آئے ہیں۔ جس جسم کے اندر دل نہیں، اسی گوشت و پوست کی مورت کو وہ اپنی نذر بنانا چاہتے ہیں شاید؟ — آج کسی طرح اس کے دل میں بھگتی نہ جاگی۔ اتنے دنوں سے وہ بار بار التجا کرتی آرہی تھی کہ دیوتا تم مجھے برداشت کر لو۔ لیکن آج اس کا باغی دل کہہ رہا تھا"

میں تمہیں کس طرح برداشت کروں؟ کس شرم کے ساتھ میں تمہاری پوجا کروں؟ تم نے اپنی عقیدت مند لونڈی کو خود قبول نہ کیا۔ نہ جانے کس لونڈیوں کی منڈی میں اسے بیچ ڈالا — شاید اسی ہاٹ میں جہاں گوشت کے داموں لڑکیاں بکتی ہیں۔ جہاں نند کا حصہ لینے کے لیئے کوئی عقیدت کے ساتھ پوجا کا انتظار نہیں کرتا۔ بکریوں سے پھلواریاں چروا دیتا ہے۔

موتی کی ماں نے جب دودھ پینے کے لئے کمو سے اصرار کیا تو وہ بولی، ابھی رہنے دو!"

موتی کی ماں بولی، "رہنے کیوں دوں؟ اس دودھ کے پیالے نے کیا قصور کیا ہے؟"

کمو نے کہا "میں نے ابھی نہ اشنان کیا ہے نہ پوجا کی ہے؟"

موتی کی ماں بولی "تو پھر جاؤ نہا آؤ۔ میں بیٹھی انتظار کرتی ہوں۔"

کمو نہا کے واپس آئی۔ موتی کی ماں نے سوچا تھا کہ اب وہ کھلی چھت پر جا کر بیٹھے گی۔ کمو بھی حسبِ عادت چھت کی طرف بڑھی، لیکن پھر رک گئی۔ واپس آ کے اسی گوشہ میں زمین پر بیٹھ گئی۔ اس کا دل کسی طرح پوجا کرنے کے لیئے تیار نہیں ہو رہا تھا۔

اس نے موتی کی ماں سے پوچھا، "دادا کی کیا کوئی چیٹھی نہیں آئی؟"

کوئی چیٹھی ضرور آئی ہوگی اسی خیال سے آج صبح سویرے منہ اندھیرے ہی موتی کی ماں باہر جا کر میز کی دراز کھول کر دیکھ آنے گئی تھی۔ مگر دیکھا کہ اس میں تالا لگا ہوا تھا۔ اب تو چوری کے بعد ڈکیتی کرنے کا راستہ بند ہو چکا تھا۔ اس لئے وہ بولی، "ٹھیک ٹھیک تو میں کہہ نہیں سکتی ابھی پتہ لگاؤں گی۔"

اتنے ہی میں دفعتاً شیاما آ موجود ہوئی بولی "بڑی بہو! چہرہ اتنا اترا ہوا

کیوں ہے؟ کہیں طبیعت تو خراب نہیں ہو گئی؟"

کمو نے کہا "نہیں تو"

"گھر کے لئے دل گھبرا رہا ہو گا۔ ہاں ہاں، وہ تو ہو گا ہی۔ لیکن تمہارے نادا تو کلکتہ آ ہی رہے ہیں۔ ملاقات ہو جائے گی"

کمو چونک پڑی۔ اشتیاق کے ساتھ شیاما کی طرف تکنے لگی۔

موتی کی ماں نے پوچھا "یہ خبر تمہیں کہاں ملی بکول پھول؟"

"اور سنو! یہ تو سبھی جانتے ہیں۔ ہم لوگوں کی یہ جو رسوئی گھر والی داسی پاربتی ہے، وہی بولی کہ ان کے میکے سے ایک منشی راجہ بہادر کے پاس آیا تھا، بہو کی خیر عافیت پوچھنے۔ اسی سے سنا کہ علاج کے لئے، بہو کے بھائی آج ہی کل میں کلکتہ آ رہے ہیں"

کمو نے بے قرار ہو کر پوچھا "ان کی بیماری بڑھ گئی ہے کیا؟"

"یہ تو میں نہیں کہہ سکتی۔ لیکن ویسے کوئی خاص اندیشے کی بات نہیں۔ ہوتی تو سنتی ضرور"

شیاما سمجھ گئی تھی کہ مدھوسودن نے بہو کو اس کے بھائی کے متعلق کوئی خبر نہیں دی ہے۔ چونکہ بہو کا وہ دل کسی طرح اپنا نہ سکا تھا، اس لئے گھر کی طرف سے اس کی توجہ اور کم ہو گئی تھی۔ کمو کے دل کو اور بے قرار کر لے کے لئے شیاما بولی "تمہارے بھائی جیسا آدمی ہونا مشکل ہے۔ سب کو یہی کہتے سنتی ہوں"

"اچھا بکول پھول چلو اب دیر ہو رہی ہے۔ بھنڈار سے سامان نکال کر دینا ہو گا۔ آفس کا کھانا تیار ہونے میں دیر ہوئی تو مشکل ہو گی"

موتی کی ماں دودھ کا پیالہ پھر ایک بار کمو کی طرف بڑھاتی ہوئی بولی "دیدی دودھ ٹھنڈا ہوا جا رہا ہے۔ پی لو میری اچھی دیدی!"

اب کے کمو نے دودھ پینے سے انکار نہ کیا۔

موتی کی ماں نے کان میں آہستہ سے پوچھا " آج بھنڈار خانے چلو گی ؟"

کمو نے کہا " آج رہنے دو ! ۔ گوپال کو ایک ذرا میرے پاس بھیج دینا ۔"

ایک کالی، سخت اور بھوکی گرہ ۔ جیسے کمو کو راہو کی طرح چاروں طرف سے گھیرے لے رہی تھی ۔ بڑھاپے میں جو ایک پرسکون پاکیزہ اور پروقار بے تعلقی سی ہوتی ہے ۔ یہ بے تعلقی وہی تھی ۔ کمو کی بڑھتی ہوئی بے تعلقی کا سبب صرف یہ تھا کہ جو مال و دولت کا غلام، حرص و ہوا کا بندہ تھا، جس کی محبت بھی دنیا داری تھی، اس کی خود غرضانہ قربت اسے برداشت کرنی پڑ رہی تھی ۔ شوہر سن رسیدہ تھا اس کا کمو کو کوئی افسوس نہ تھا ۔ لیکن اس کی یہ سن رسیدگی اپنا وقار بھول گئی تھی، اس کو غم اسی کا تھا ۔ مکمل سپردگی تو ایک پھل ہے، جو روشن پاکیزہ اور آزاد فضا میں آہستہ آہستہ اپنے وقت پر پکتا ہے ۔ کچے پھل کو اگر چکی میں پیس دیا جائے تو وہ پک تو نہیں سکتا ۔ کمو کو اپنے شوہر کی قربت اس لئے تکلیف دہ اور توہین آمیز معلوم ہو رہی تھی، کہ وقت سے پہلے تھی ۔ اس کا دل " بھاگ بھاگ " کہہ رہا تھا ۔ مگر بھاگ کے جائے تو کدھر، موتی کی ماں سے جو اس نے کہا کہ گوپال کو بھیج دو' یہ بھی ایک فرار کا راستہ تھا ۔ بوڑھی ناپاکی سے بچپن کی پاکیزگی طرف ۔ دکھ بھری گھٹی سانسوں سے چمن کی کھلی فضا کی طرف ۔

چھینٹ کا ایک روئی دار تیلا سا کرتا پہنے، ہابل ڈرتا ڈرتا سیڑھی کے پاس آکھڑا ہوا ۔ ماں ہی جیسی بڑی بڑی کالی کالی آنکھیں ۔ ماں ہی کی طرح جل بھری گھٹا کی طرح رسیلا سانولا رنگ، پھولے پھولے گال، بہت ہی باریک کترے ہوئے بال سر پر ۔

کمو جاگے سہمے ہوئے ہابل کو کھینچ لائی اور سینے سے لگاتی ہوئی بولی بدمعاش لڑکے، وہ دن آیا کیوں نہیں ؟"

ہابل نے کمو کے گلے میں بانہیں ڈالتے ہوئے اس کے کان میں آہستہ آہستہ کہا، "جیٹھی ماں! بتاؤ تو سہی تمہارے لئے کیا لایا ہوں؟"

کمو اس کا منہ چومتی ہوئی بولی "ہیرا لائے ہو گوپال؟"

"میری جیب میں ہے!"

"اچھا تو پھر نکالو!"

"تم بتا نہ سکو گی؟"

"مجھے اتنی عقل کہاں؟ جو کچھ آنکھوں سے دیکھتی ہوں اس کو سمجھ نہیں پاتی، اور جو کچھ آنکھوں سے نہیں دیکھتی اس کو تو اور غلط سمجھتی ہوں"۔

تب ہابل نے جیب سے بھورے رنگ کے کاغذ کی ایک پڑیا نکالی اور اسے کمو کی گود میں ڈال کر بھاگنے لگا۔

"میں تمہیں بھاگنے نہ دوں گی"۔

پڑیا کو ہاتھ سے دباتا ہوا ہابل بڑی بیتابی سے بولا "تو پھر ابھی نہ دیکھو!"

"ڈرو نہیں، تم جاؤ گے تب دیکھوں گی"۔

"اچھا جیٹھی ماں تم نے جیٹھی بڑھیا کو بھی دیکھا ہے کبھی؟"

"کیا معلوم شاید کبھی دیکھا ہو۔ لیکن پہچاننے میں تو دیر لگتی ہے نا"۔

"نچلی منزل کے کنارے والے برامدے کے پاس جو کوئیلہ کی کوٹھری ہے نا۔ وہ روز شام کے وقت چمگادڑ کی پیٹھ پر چڑھ کے وہیں آتی ہے"۔

"چمگادڑ کی پیٹھ پر چڑھ کے آتی ہے وہ؟"

"اس کا جی چاہے تو بہت چھوٹی بن جاتی ہے۔ اتنی چھوٹی کہ آنکھوں کو نظر بھی نہ آئے"۔

"تب تو وہ منتر اس سے سیکھ لینا ہوگا!"

"کیوں جیٹھی ماں!"

"اس لیے کہ میں جب بھاگنے کے لئے کوئیلہ کی کوٹھری میں پناہ لیتی ہوں تب بھی لوگ مجھے دیکھ لیتے ہیں۔"

ہابل اس فقرہ کا مطلب کچھ نہ سمجھ سکا۔ بولا "کوئیلہ کے اندر بھی اس نے یہ سیندور کی ڈبیا چھپا رکھی ہے۔ یہ سیندور لائی کہاں سے ہے۔ وہ، جانتی ہو؟"

"شاید جانتی ہوں۔"

"اچھا بتاؤ تو سہی؟ ذرا دیکھیں تو۔"

"بھور کے بادلوں سے۔"

ہابل رک گیا۔ اُسے ایک سوچ سی پڑ گئی۔ اس کے خاص خبر رساں نے بتایا تھا کہ سمندر پار جو دیوتاؤں کا قلعہ ہے وہیں سے سیندور لاتی ہے اور پھر جیٹھی ماں کی بات قابل یقین معلوم ہوتی ہے۔ اس لیے اُس نے کوئی بحث نہ کی۔ بولا "جو لڑکی سیندور کی ڈبیا ڈھونڈھ کے وہ سیندور اپنی مانگ میں لگا لیتی ہے، وہ رانی بن جاتی ہے۔"

"لو ہوا ستیاناس"، کوئی ابھاگنی خبر پا گئی ہے کیا؟"

میجھو[1] پیشی ماں کی لڑکی کھودی جانتی ہے۔ چھنو لوکری لے کے کوئیلہ لانے کو شام کے وقت جاتی ہے تو وہ بھی اسی کے ساتھ ہو لیتی ہے۔ ذرا بھی نہیں ڈرتی۔"

"وہ تو ابھی بچی ہے نا۔ اس لئے رانی بنتے اس کو ڈر نہیں لگتا!"

باہر ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی اس لئے کمو ہابل کو کمرے میں لے آئی۔ صوفہ پر خود بیٹھ کے اسے گود میں بٹھا لیا۔ سامنے تپائی پر ایک چاندی کی تھالی میں چار ٹے

---

[1] منجھلی پھوپھی اماں

کے پھول گیندا۔ کندد۔ دوپاتی، ہرسنگار وغیرہ رکھے تھے۔ مالی روز ہی یہ پھول دے جاتا۔ آج بھی جیسے یہ پھول انتظار کر رہے تھے کہ کمو چھت پر جائے گی اور سورج کی طرف منہ کر کے دیوتاؤں کے نام ہمیں چڑھائے گی۔ لیکن آج یہ سارے پھول دیوتاؤں کو چڑھانے کے عوض ہابل کے آگے رکھ کر بولی" لوگے یہ پھول؟"

"ہاں! لوں گا!"

"کیا کروگے لے کے؟"

"پوجا کا کھیل کھیلوں گا۔"

کمو کی کمر میں ایک ریشمی رومال کھنسا ہوا تھا۔ سب پھول اسی رومال میں باندھ کر ہابل کا منہ چوم کے بولی" یہ لو!" دل ہی دل میں سوچنے لگی" میرا بھی پوجا کا کھیل ہو گیا؟" پھر ہابل سے کہنے لگی" گوپال! اس میں کون سا پھول تمہیں سب سے زیادہ پسند ہے۔ بتاؤ تو؟"

"ہرسنگار کا!"

"کیوں اچھا لگتا ہے۔ بتاؤں"

"اچھا بتاؤ۔"

"اس نے بھور سے پہلے ہی جٹھانی بڑھیا کی ڈبیا سے سیندور چرا لیا ہے نا!" ہابل کچھ دیر بہت غور سے سوچتا رہا۔ پھر دفعتاً بول اٹھا" جیٹھی ماں اس ہرسنگار کے پھول کا رنگ تو ٹھیک تمہاری ساڑی کے کور جیسا ہے نا!" اب جیسے اس کے دل میں جتنی باتیں تھیں سب ختم ہو گئیں۔

اتنے ہی میں اچانک پیچھے سے مدھوسودن آتا نظر آیا۔ پاؤں کی چاپ بھی سنائی نہ دی۔ یہ وقت اس کے زنانخانہ میں آنے کا نہ تھا۔ اس وقت تو اس کے کاروبار کے بڑے چھوٹے کارندے اس کے پاس آکر جمع ہوتے تھے

اس وقت دلال بھی آیا کرتے، امیدوار بھی آتے۔ متفرق چھوٹے بڑے کام لے کے سکریٹری بھی حاضر ہوتے۔ اصل کام سے ان اوپری کاموں کی بھیڑ کم نہ ہوتی

انتالیس واں باب

جس بھکاری کی جھولی میں صرف بھوسی ہی جمع ہوئی ہو، چاول میسّر نہ آیا ہو، اسی کی طرح مایوس اور اداس دل سے مدھوسودن صبح کو خوابگاہ سے باہر گیا تھا۔ لیکن ناآسودگی میں بیتابی اور بڑھ جاتی ہے۔ جدھر سے رکاوٹ ہوتی ہے، اسی طرف کی کشش اور زیادہ ہو جاتی ہے۔

اس کو دیکھتے ہی ہابل کا منہ سوکھ گیا۔ دل کانپنے لگا۔ بھاگنے کی کوشش کی، مگر کمو نے اسے زور سے پکڑ رکھا۔ اُٹھنے نہ دیا۔

مدھوسودن اس انداز کو سمجھ گیا۔ ہابل کو ڈانٹ کر کہا، "یہاں کیا کر رہا ہے۔ پڑھنے نہیں جائے گا۔؟"

گروجی کے آنے کا وقت ابھی نہیں ہوا ہے۔ اتنا کہنے کی ہمّت ہابل میں کہاں تھی۔ ڈانٹ کو خاموشی سے پی گیا اور سر نیچا کیے آہستہ آہستہ کمرے سے باہر کی طرف چلا۔

کمو اس کو روکنے کے لئے اُٹھ ہی رہی تھی۔ پھر رُک گئی۔ بولی "تم اپنے پھول چھوڑے جا رہے ہو۔ لے نہ جاؤ گے؟" یہ کہہ کے رومال میں بندھی ہوئی پھولوں کی پوٹلی اُس نے ہابل کی طرف بڑھائی۔ ہابل نے نہ لی۔ سہما سہما بڑے

پچچا کی طرف تکتا رہا۔

مدھوسودن نے جھٹ سے پوٹلی کمو کے ہاتھ سے چھین کر پوچھا "یہ رومال کس کا ہے؟"

آناً فاناً کمو کا چہرہ لال ہو گیا۔ بولی "میرا"

یہ رومال حقیقت میں تھا بھی پوری طرح سے کمو کا۔ اس لئے کہ شادی سے پہلے کی چیز تھی۔ اس پر کمو کے ہاتھ کے ہی کاڑھے ہوئے ریشم کے پھول تھے۔

مدھوسودن نے یہ رومال کھول کے پھول زمین پر ڈال دیئے اور رومال اپنی جیب میں رکھ کر بولا "یہ میں نے رکھ لیا۔ بچہ اسے لے کے کیا کرے گا۔ اچھا تو جا!"

مدھوسودن کی یہ سخت گیری دیکھ کے کمو دم بخود رہ گئی۔ حابل بے چارا منہ لٹکائے چل دیا۔ وہ کچھ نہ بولی۔

اس کے چہرے کا رنگ دیکھ کر مدھوسودن بولا "تم تو بخشش کا دفتر کھولے بیٹھی ہو۔ میں ہی ایک محروم کیوں رہ جاؤں۔ یہ رومال میں رکھے لیتا ہوں یہ تو تسکین ہو گی کہ تم سے کچھ ملا۔"

وہ جو کچھ پانا چاہتا تھا، اس کے پانے کی راہ خود اس کی افتاد طبیعت بند کئے ہوئے تھی۔

کمو آنکھ نیچے کئے صوفے کے ایک کنارے خاموشی بیٹھی رہی۔ ساری کا لال کنارا، اس کا سر ڈھانکتا ہوا نیچے ڈھلک آیا تھا۔ اور اس کے ساتھ اس کے بھیگے ہوئے لمبے بال بھی لٹک آئے تھے۔ ڈھلی ہوئی گردن کی نزاکت کو ایک سوتے کا ہار چھپانے کی کوشش کر رہا تھا۔ یہ ہار اس کی ماں کا تھا، اس لئے ہر وقت پہنے رہتی اب تک اس نے شلوکہ نہ پہنا تھا، بدن میں صرف ایک ساری تھی۔ دونوں ہاتھ ننگے تھے اور اس کی گود میں بے حس و حرکت دھرے ہوئے تھے۔ اتنے حسین اور

نازک ہاتھ تھے کہ سارے جسم کی نزاکت کی کہانی انہیں سے ظاہر تھی۔
مدھوسودن نیچی نظروں سے روٹھی رانی کو ٹکٹکی لگائے دیکھتا رہا۔ سونے کے کپڑے پہنے ہوتے ان دونوں ہاتھوں سے نگاہیں وہ کسی طرح پھیر نہ سکا۔ صوفے پر بیٹھ کے ان میں سے ایک ہاتھ اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش کی محسوس ہوا کہ بہت زیادہ رکاوٹ ہے۔ کمو اپنے ہاتھ ہٹانا نہ چاہتی تھی۔ اس لئے کہ اس کے ہاتھوں کے نیچے ہی کاغذ کی ایک پڑیا دبی ہوئی تھی۔

مدھوسودن نے پوچھا "اس پڑیا میں کیا ہے؟"

"مجھے نہیں معلوم!"

"نہیں معلوم؟ اس کے کیا معنیٰ؟"

"اس کے معنی یہ کہ میں نہیں جانتی!"

مدھوسودن کو اس کی بات کا یقین نہ آیا۔ بولا "مجھے دیدو، میں دیکھوں کیا ہے؟"

کمو نے کہا "یہ میری پوشیدہ چیز ہے۔ میں نہیں دکھا سکتی۔"

مدھوسودن کے سر میں ایک تیر کی طرح غصہ آناً فاناً پیوست کر گیا۔ بولا "کیا کہا؟ ہمت تو دیکھتا ہوں کم نہیں؟" اتنا کہہ کے زبردستی وہ پڑیا چھین لی اور کھول کر دیکھا تو کچھ بھی نہیں، صرف چند الائچی دانے تھے۔ ہابل کے ناشتے کے لئے ماں جو ستے سامان کر رکھی تھی، اس میں سے شاید الائچی دانے ہی اس کو بہت زیادہ مرغوب تھے۔ اس لئے وہ بڑے تکلّف سے انہیں پڑیا میں باندھ کر لایا تھا۔ مدھوسودن کو سخت حیرت ہوئی۔ آخر یہ ماجرا کیا ہے۔ اس کو گمان ہوا کہ کمو شاید میکے میں اسی قسم کا ناشتہ کرنے کی عادی ہوگی۔ اس لئے چھپا کے منگوا لیا ہے۔ اب شرم سے دکھانا نہیں چاہتی۔ دل ہی دل میں ہنسا۔ سوچا کہ لکشمی کے دان کو

اپناتے اپناتے تو دیر لگتی ہی ہے۔ سوچتے سوچتے دفعتاً ایک پلان اس کے ذہن میں آگیا۔ فوراً اٹھ کے باہر کی طرف چل دیا۔

تب کمو نے دراز کھول کے صندل کی ایک چوکور ڈبیا نکالی اور اس میں وہ الائچی دانوں والی پڑیا رکھ دی۔ پھر بھائی کے نام خط لکھنے لگی۔ ابھی دو چار سطریں ہی لکھی تھیں، کہ مدھوسودن واپس آگیا۔ جلدی جلدی خط چھپا کے وہ ذرا سخت ہو بیٹھی۔ مدھوسودن کے ہاتھ میں ایک گنگا جمنی مینا کاری کی ہوئی پھول چنگیر تھی، جس کے دونوں طرف دستے لگے ہوئے تھے۔ اس پر ایک ریشمی کشیدہ کاری کیا ہوا خوشبودار رومال ڈھکا ہوا تھا۔ مسکراتے ہوئے وہ پھول چنگیر سنگار میز کے سامنے والی تپائی پر رکھ کر بولا "کھول کے دیکھو تو؟"

کمو نے رومال سرکایا تو دیکھا کہ اُس قیمتی پھول چنگیر میں لبالب الائچی دانے بھرے ہیں۔ اکیلی ہوتی تو خوب جی کھول کے ہنستی۔ لیکن اس وقت ایک لفظ بھی نہ بولی۔ مٹین بنی چپ بیٹھی رہی۔ اگر ہنس دیتی تو اچھا ہی ہوتا۔

مدھوسودن بولا "الائچی دانے چھپا کے کھانے کی کیا ضرورت ہے۔ اسمیں اتنی شرم کی کیا بات ہے میں روزانہ لادوں گا۔ کتنے چاہئیں۔ مجھ سے پہلے کیوں نہ کہا؟"

"تم لا کے دے ہی نہیں سکتے!"

"میں نہیں لا کے دے سکتا؟ مجھے تو حیرت میں ڈال دیا تم نے!"

"ہاں میں ٹھیک کہتی ہوں۔ تم نہیں لا سکتے۔"

"کیوں؟ دام بہت زیادہ ہیں؟"

"ہاں! یہ دام دیکھے نہیں ملتے۔"

یہ بات سنتے ہی مدھوسودن کے دل میں فوراً ایک شبہ سا جاگ اٹھا۔ بولا

"تمہارے بھیّا نے پارسل سے بھیجا ہے شاید؟"

اس سوال کا جواب دینے کی خواہش کمو کو نہ ہوئی۔ پھول چینگر سامنے سے سرکا کے اٹھ کر جانے لگی۔ لیکن مدھوسودن نے ہاتھ پکڑ کے اسے زبردستی پھر بٹھالیا۔

مدھوسودن کے کچھ بولنے سے پہلے ہی کمو نے پوچھا، "دادا کے گھر سے کوئی آدمی آیا تھا، ان کی خبر لے کے؟"

یہ بات کمو کو پہلے ہی سے معلوم ہوگئی۔ اس پر مدھو بہت ہی جزبز ہوا۔ بولا، "یہی خبر دینے کے لئے ہی تو آج صبح تمہارے پاس آیا ہوں۔" یہ کہنا فضول ہے کہ یہ بات سراسر جھوٹ تھی۔

"دادا کب آرہے ہیں؟"

"ہفتے کے اندر ہی۔"

مدھوسودن کو اچھی طرح معلوم تھا کہ بپراداس کل ہی آرہا ہے لیکن "ہفتے کے اندر" کہہ کر اس نے خبر کو غیر متعین کر دیا۔

"دادا کی طبیعت کیا پہلے سے زیادہ خراب ہوگئی ہے؟"

"نہیں ایسی تو کوئی بات سننے میں نہیں آئی!"

اس بات میں بھی ایک تردد کا پہلو تھا۔ بپراداس علاج کے لئے ہی کلکتہ آرہا تھا۔ اس کے معنی یہی تھے کہ اس کی طبیعت زیادہ خراب ہے۔

"دادا کی کوئی چیٹھی آئی ہے یا نہیں، اس کا ذرا کھوج لوگے نا؟"

"اگر آئی ہوگی، تو آج دوپہر کو کھانے کے بعد خود ہی لے کر آؤں گا۔"

کمو نے اپنی بے قراری کو دبا کے خاموشی سے یہ بات مان لی۔ مدھوسودن نے پھر ایک بار اس کا ہاتھ کھینچ کے اپنے ہاتھوں میں لینے کی جیسے ہی کوشش کی، ویسے ہی شیاما دفعتاً کمرے میں داخل ہوتی ہوئی بول اٹھی، "ارے! یہ تو

ٹھاکر بو بیٹھے ہیں۔" اتنا کہہ کے اُلٹے پاؤں پلٹنے لگی۔

مدھوسودن نے پوچھا، "کیوں؟ کیا بات ہے۔ کیا چاہیئے تم کو؟"

"میں نو بہو کو بھنڈار خانے لے جانے کے لئے آئی تھی۔ آج رانی تو ہیں، لیکن گھر کی مالکن بھی تو ٹھہریں۔ خیر آج نہیں کل سہی۔" مدھوسودن صوفے سے اٹھکے اور کچھ کہے بغیر تیز قدموں سے باہر چل دیا۔

دن کے کھانے کے بعد، حسب دستور سونے کے کمرے میں تکیئے سے ٹیک لگائے پان چباتے چباتے مدھوسودن نے کمو کو بلوا بھیجا۔ وہ فوراً ہی چلی آئی۔ وہ سمجھتی تھی کہ آج بھائی کا خط ملے گا۔ کمرے میں آکے پلنگ کے پاس کھڑی رہی۔ مدھوسودن نے فتح تیج کی مہنال رکھ دی، اور پلنگ کی پٹی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا، "بیٹھو۔"

کمو بیٹھ گئی۔ مدھوسودن نے اسے جو چٹھی دی اس میں یہ دو چار لفظ لکھے ہوئے تھے۔

"جان سے پیاری بہن!

اُمید ہے تم ہر طرح سے اچھی ہوگی۔ علاج کے لئے بہت جلد ہی کلکتے آ رہا ہوں۔ طبیعت سنبھلتے ہی تم سے ملنے آؤں گا۔ گھر کے کام کاج سے فرصت ہو تو کبھی کبھی اپنی خیریت سے مطلع کرتی رہنا۔"

یہ مختصر سا خط پا کے کمو کے دل میں پہلے تو ایک دھچکا سا لگا۔ جی ہی جی میں بولی "غیر ہوگئی اب میں" یہ رنج ابھی گہرا نہ ہونے پایا تھا کہ پھر خیال آیا "یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ دادا کی طبیعت کچھ زیادہ خراب ہوگئی ہے۔ میں بھی کتنی خود غرض ہوں ہمیشہ سب سے پہلے اپنا ہی خیال آتا ہے۔

مدھوسودن سمجھ گیا کہ کمو اب اٹھنا ہی چاہتی ہے۔ بولا "چلیں کہاں اک ذرا بیٹھو۔"

کمو کو بیٹھنے کے لئے تو کہا، مگر بات کیا کرے یہی سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ کچھ تو بولنا ہی ہوگا۔ اس لئے جو بات صبح ہی سے دل میں کھٹک رہی تھی۔ وہی فوراً زبان پر آگئی۔ بولا "بھلا ان الائچی دانوں کے لئے اتنا ہنگامہ کیوں کھڑا کیا تھا؟ اس میں شرم کی کیا بات تھی؟"

"وہ میرا ایک راز ہے۔"

"راز؟ مجھ سے بھی کہنے کے قابل نہیں؟"

"نہیں۔"

مدھوسودن کا لہجہ سخت ہوگیا۔ بولا "یہ تم لوگوں کی وہی نوزنگری چال ہے۔ دادا کے اسکول کی تعلیم۔"

کمو نے کوئی جواب نہ دیا۔ مدھوسودن تکیہ سے اٹھ بیٹھا۔ "تم لوگوں کی یہ چال چھڑا نہ دی تو میرا نام مدھوسودن نہیں!"

"آخر تمہارا کیا حکم ہے یہ تو بتاؤ۔"

"وہ پڑیا تمہیں کس نے دی تھی بتاؤ؟"

"ہابل نے۔"

"ہابل نے! تو پھر اس کے لئے اس قدر رازداری کی کیا ضرورت تھی۔"

"یہ تو میں ٹھیک نہیں بتا سکتی۔"

"کسی اور نے تو اس کے ہاتھ سے نہیں بھیجی تھی؟"

"نہیں"

"تو پھر؟"

"بس اتنی ہی بات تھی۔ اس کے بعد اور کچھ نہیں!"

"تو پھر اسے اتنے ڈھانکنے چھپانے کی کیا ضرورت تھی"۔

"یہ تم نہیں سمجھ سکتے۔"

کمو کا ہاتھ پکڑ کے ایک جھٹکا دیتے ہوئے اس نے کہا "تم لوگوں کے یہ بڑے بول سہے نہیں جا سکتے"۔

کمو کا چہرہ لال ہو گیا۔ پھر بھی وہ نہایت سکون کے ساتھ بولی "کیا چاہتے ہو تم؟ صاف صاف بتاؤ۔ میں یہ مانتی ہوں کہ تم لوگوں کی چال ڈھال کی ابھی تک مجھ کو عادت نہیں۔

مدھوسودن کے سر میں دونوں بھیجے جل اٹھے۔ کوئی جواب نہ دے سکا۔ جی تو یہی چاہا کہ اس کو مار بیٹھوں۔ اتنے ہی میں باہر سے آواز آئی۔ "آفس سے صاحب آئے بیٹھے ہیں"۔ تب اسے یاد آیا کہ آج ڈائرکٹروں کی میٹنگ ہے۔ اسے شرم محسوس ہوئی کہ اب تک تیار نہ ہو سکا۔ صبح کا سارا وقت ضائع ہو گیا۔ اس قدر بے پروائی اس کے کردار کے اس قدر خلاف تھی، کہ وہ خود حیرت میں تھا، کہ آخر اتنی بے پروائی اس سے ممکن کس طرح ہوئی۔

چالیسواں باب

مدھوسودن کے جاتے ہی کمو پلنگ سے اُتر کر فرش پر بیٹھ گئی۔ سوچنے لگی۔ زندگی بھر کیا اسے اسی طرح ایک بے اور چھور سمندر میں تیرتے رہنا ہوگا۔ مدھوسودن ٹھیک ہی تو کہتا تھا کہ ان لوگوں کے اور میرے طرزِ زندگی میں بڑا تفاوت ہے۔ اور جتنے قسم کے تفاوت ہیں ان میں سب سے زیادہ ناقابلِ برداشت یہی ہے۔ لیکن علاج کیا ہے اس کا؟

پھر نہ جانے کیا یاد آیا کہ وہ اُٹھ کے نچلی منزل میں موتی کی ماں کے کمرے کی طرف چل پڑی۔ سیڑھی سے نیچے اترنا ہی چاہتی تھی کہ شیاما اوپر آتی ہوئی نظر آئی۔

"کیا ہے بہو کہاں چلیں۔ میں تو تمہارے ہی پاس جا رہی تھی۔"

"کوئی خاص بات؟"

"نہیں کوئی خاص بات تو نہیں۔ ٹھاکر پو کا مزاج ذرا چڑھا ہوا دیکھا تو سوچا کہ ذرا چل کے تم سے پوچھ آؤں کہ نئے پریم میں اب کیسی رکاوٹ آپڑی۔ یاد رکھو بہو! اس سے کس طرح نبائے رکھنا ہوگا۔ اس کے متعلق صلاح مشورہ ہم لوگ ہی دے سکتے ہیں۔ بکوں پھول کے کمرے میں جا رہی ہو شاید؟ اچھا جاؤ

ذرا دل ہلکا کر آؤ۔"

آج دفعتاً کمو کو یہ محسوس ہوا کہ مدھوسودن اور شیاما دونوں ایک ہی مٹی کے بنے اور ایک ہی کمہار کے چاک پر گڑھے ہوئے ہیں۔ اس نے یہ رائے ان دونوں کے کردار پر تنقیدی نگاہ ڈال کر قائم کی تھی۔ ....

.... یہ بات نہ تھی۔ دونوں کے قد و قامت نشست و برخاست میں کوئی خاص مماثلت تھی۔ ایسا بھی نہ تھا۔ پھر بھی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دونوں کے خیالات کے دھارے میں جیسے کوئی خاص قسم کی ہم آہنگی ہے۔ شاید شیام سندری کی دنیا اور مدھوسودن کی دنیا میں ایک ہی قسم کی ہوائیں بہتی ہیں۔ شیام سندری جب بھی اس سے دوستی جتانے آتی کمو کو جیسے ایک دھچکا سا لگتا جسم پر ایک عجیب سی کیفیت طاری ہو جاتی۔

موتی کی ماں کے کمرے میں گھستے ہی کمو نے دیکھا کہ بنین اور وہ دونوں آپس میں کچھ چھین جھپٹ کر رہے ہیں۔ اُلٹے پاؤں واپس ہونا ہی چاہتی تھی کہ بنین پکار اُٹھا "بھودیدی! جانا نہیں! جانا نہیں! تمہارے پاس ہی آرہا تھا میں۔ ایک نالش کرنی ہے!"

"نالش کیسی؟"

"ذرا بیٹھئے تو اپنی درد بھری کہانی سناؤں!"

کمو تخت پر بیٹھ گئی۔

بنین بولا "بڑا ظلم ہوا ہے۔ ان شریمتی جی نے میری کتاب چھپا دی ہے"۔

"آخر یہ سزا کیوں دی گئی ہے؟"

"رشک سے — کیونکہ خود انگریزی پڑھ نہیں سکتیں۔ میں عورتوں کی تعلیم کا حامی ہوں، مگر یہ شوہر کی تعلیم کے بالکل خلاف ہیں۔ میری عقل جتنی بڑھتی

جاتی ہے، اتنی ہی ان کی عقل سے اس کا فرق بڑھتا جاتا ہے۔ ان کو اسی کا قلق ہے، میں نے ہر طرح ان کو سمجھانے کی کوشش کی۔ دیکھو سیتا اتنی بڑی خاتون تھیں مگر وہ بھی رام چندر جی کے پیچھے ہی پیچھے چلتی تھیں۔ میں جب تم سے علم و عقل سے آگے آگے جا رہا ہوں، تو پھر تم اس میں رکاوٹ نہ ڈالو۔"

"تمہارے علم کا حال تو سرسوتی دیوی ہی جانیں۔ لیکن اپنی عقل کی بڑائی میرے سامنے نہ کرنا، میں کہے دیتی ہوں۔!"

بنین نے ایسا منہ بنایا جیسے سچ مچ ایک مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہو۔ یہ دیکھ کر کمو کھلکھلا کے ہنس پڑی۔ اس گھر میں آنے کے بعد آج پہلی مرتبہ وہ دل کھول کر ہنسی تھی۔ یہ ہنسی بنین کو بہت پیاری لگی۔ جی ہی جی میں بولا۔ "اب میرا کام ہو گیا۔ اب میں بہو رانی کو خوب ہنساؤں گا۔"

کمو نے ہنستے ہنستے پوچھا "کیوں بھئی تم نے ٹھاکر پو کی کتاب کیوں چھپا رکھی ہے؟"

"دیکھو نا دیدی۔ سونے کے کمرے میں بھی کیا ان کے گرو جی بیٹھے ہیں؟ دن بھر کھٹ کے رات کو کمرے میں آئی تو دیکھا کہ ایک دیا جل رہا ہے اور ساتھ ساتھ ایک لیمپ بھی، مہا پنڈت پڑھنے بیٹھے ہیں۔ کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے، تاکید پر تاکید کرتی ہوں، مگر ہوش نہیں۔؟"

"کیوں ٹھاکر پو! سچی ہے یہ بات؟"

"بہو رانی! میں اتنا بڑا سنیاسی تو ہوں نہیں کہ کھانا مجھے اچھا نہ لگے۔ لیکن بات یہ ہے کہ کھانے سے زیادہ مزا ملتا ہے مجھے ان کی میٹھی تاکیدیں۔ اس لئے جان بوجھ کے دیر لگاتا ہوں۔ کتاب پڑھنا تو صرف ایک بہانہ ہے۔"

"باتیں بنانے میں ان سے ہار مانتی ہوں میں۔"

"اور میں اس وقت ہار مانتا ہوں جب یہ چپ ہو جاتی ہیں!"

"ایسا بھی کبھی ہوتا ہے کیا؟ ٹھاکر پو؟"

"تو پھر میں ایک دو تازہ بہ تازہ نظیریں پیش کروں۔ آنسوؤں کی روشنائی سے دل پر لکھی ہوئی ہیں۔"

"اچھا، اچھا، اب تمہیں نظیر پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔ پہلے یہ بتاؤ کہ میری چابیوں کا گچھا کہاں ہے؟ دیکھتی ہو دیدی انہوں نے میری چابیاں چھپا رکھی ہیں۔"

"گھر والوں کے نام پولیس کیس تو کر نہیں سکتا۔ اس لئے چور کی سزا چوری ہی سے دینا پڑتی ہے۔ پہلے تم میری کتاب دو۔"

"تم کو تو ہرگز نہ دوں گی۔ دیدی کو دے دیتی ہوں۔"

کمرے کے ایک کونے میں ایک ٹوکری پڑی تھی، جس میں ریشم کے ٹکڑے کپڑوں کی کترنیں، پھٹے ہوئے موزے وغیرہ جمع ہو گئے تھے۔ اسی ٹوکری کی تہہ سے انگریزی زبان کی مختصر سی انسائیکلوپیڈیا کی دوسری جلد نکال کر موتی کی ماں کمو کی گود میں ڈالتی ہوئی بولی "تم اپنے کمرے میں لے جاؤ دیدی۔ ان کو نہ دینا دیکھوں تم سے کیسے جھگڑا کرتے ہیں۔"

بپن نے بھی مسہری کے تمگیرے سے ہاتھ بڑھا کر چابیوں کا ایک گچھا نکالا، اور کمو کے ہاتھ میں دیتا ہوا بولا "اور کسی کو نہ دینا بھو دیدی! دیکھوں، اور کوئی تمہارے ساتھ کس طرح پیش آتا ہے۔!"

کمو کتاب کے ورق الٹ پلٹ کر بولی، "اس کتاب کے پڑھنے کا ٹھاکر پو کو شاید بہت شوق ہے؟"

کون ایسی کتاب ہے جسے پڑھنے کا شوق نہیں؟ ابھی اس دن نہ جانے

کہاں سے ایک کتاب پرورشِ مویشیاں پر اُٹھا لائے اور پڑھنے بیٹھ گئے۔"
"میں نے وہ کتاب کچھ اپنے جسم کی پرورش کے لئے تو پڑھی نہ تھی۔ اسمیں شرم کی کیا بات ہے پھر؟"
"دیدی تمہیں کوئی بات کہنی ہے؟ کہو تو ان مہابکّو کو رخصت کر دوں۔"
"نہیں اس کی ضرورت نہیں۔ سنا ہے دادا دو تین دن کے اندر ہی آنے والے ہیں۔"
بینن بولا "وہ تو کل ہی آرہے ہیں!"
"کل؟" کچھ دیر حیرت زدہ خاموش بیٹھی رہی۔ پھر ایک ٹھنڈی سانس بھر کے بولی "اُن سے ملاقات کیسے ہو سکے گی۔؟"
موتی کی ماں نے پوچھا "تم نے بڑے ٹھاکر سے کچھ کہا نہیں؟"
کمو نے سر ہلا کے بتایا کہ نہیں۔
بینن بولا "ایک بار کہہ کے دیکھو نا؟"
کمو چپ رہی۔ مدھوسودن سے بھائی کے متعلق کچھ کہنا اس کے لئے بہت دشوار تھا۔ اس گھر میں اس کو بھائی کی بے عزتی جیسے فضا میں بسی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ اسے ذرا بھی چھیڑنا کمو کے لئے ناقابل برداشت تھا۔
کمو کے چہرے کا رنگ دیکھ کر بینن کو دُکھ ہوا۔ بولا "فکر نہ کرو، بہو دیدی۔ ہم لوگ سب ٹھیک کر لیں گے۔ تمہیں کچھ کہنے سننے کی ضرورت نہیں۔"
بچپن ہی سے بینن کے دل میں بھائی کا خوف جاگزیں تھا۔ بھاوج نے آکر آج اس کے دل سے اس خوف کے طلسم کو توڑ دیا شاید۔!
کمو چلی گئی تو موتی کی ماں بینن سے بولی "کیا تدبیر کروگے بتاؤ تو سہی، اس دن رات کے وقت تمہارے بھیا ہم لوگوں کو بلا کر لے گئے اور ہم لوگوں کے

سامنے ہی انہوں نے بی بی سے اپنی ہار مانی۔ اسی وقت میں سمجھ گئی تھی کہ یہ اچھا نہ ہوا۔ اسی دن سے دیکھتی ہوں کہ تمہیں دیکھ کے منہ پھیر لیتے ہیں۔"

"دادا سمجھ گئے ہیں کہ وہ دھوکا کھا گئے۔ جوش میں آ کے دماغ کی تھیلی خالی کر کے، پیشگی دام دیدیئے اور مال وزن کے حساب سے پورا نہ ملا۔

"ہم لوگ ان کی اس حماقت کے گواہ ہیں، اس لئے ہم لوگوں پر یہ عتاب ہے۔"

"خیر ہم لوگوں پر عتاب ہو تو ہو۔ لیکن یہ بیپراداس بابو پر ان کا غصہ تو جیسے ایک جنون کی حد تک پہونچ چکا ہے۔ بلکہ روز بروز بڑھتا ہی جاتا ہے۔ یہ کیسی عجیب بات ہے۔"

"اُس آدمی کی عقیدت کا اظہار اسی طرح ہوتا ہے۔ اس قسم کے لوگ جسکو دل ہی دل میں اپنے سے بڑا سمجھتے ہیں، اس پر باہر سے وار کرتے ہیں بعض بعض آدمی تو یہ بھی کہتے ہیں کہ راون کے دل میں رام چندر جی کے لئے غیر معمولی عقیدت تھی، ا. اس لئے وہ اپنے بیسوں ہاتھ سے ان پر تیر کی نذر چڑھاتا تھا۔ میں تم سے کہے دیتا ہوں کہ دادا اور بہورانی میں بڑی آسانی سے نبھتی نظر نہیں آتی۔"

"یہ کہنے سے تو کام نہ چلیگا۔ کچھ تو تدبیر کرنی ہی ہوگی۔"

"تدبیر ذہن میں آگئی ہے۔"

"کیا؟ سنوں تو سہی۔"

"کہہ نہیں سکتا!"

"آخر کیوں؟"

"شرم محسوس ہوتی ہے۔"

"مجھ سے بھی شرم؟"

"تمہیں ہی سے تو شرم ہے۔"

"آخر سبب کیا ہے۔ یہ بھی تو سنوں۔"

"دادا کو ٹھگنا ہوگا۔ خیر یہ سب باتیں تمہیں سننے کی ضرورت نہیں۔"

"جس سے محبت کرتی ہوں، اس کے لئے کسی کو دھوکا دینے میں بھی کوئی ہچکچاہٹ میں نہیں کرتی۔"

"یہ ٹھگنے کا فن شاید مجھ ہی پر مشق کر کے سیکھا ہے، تم نے!"

"اس فن کی مشق کرنے کے لئے تم سے بہتر آدمی پاؤں گی کہاں؟"

"ٹھکرائیں! راضی نامہ لکھے دیتا ہوں۔ جب جی چاہے ٹھگ لینا۔"

"آخر اتنی پھرتی کیوں؟ یہ بھی تو سنوں!"

"بتا دوں؟ بدھاتا نے تم لوگوں کو جو "ٹھگ بدّیا" کے کرتب سکھلائے ہیں ان میں انھوں نے شہد بھی ڈال دیا ہے۔ اسی شہد بھری ٹھگی کو کہتے ہیں مایا۔"

"لیکن مایا کو تو توڑنا ہی اچھا ہے۔"

"ارے واہ! مایا ہی نہ رہی تو سنسار میں رہا کیا۔ موتی کا رنگ اڑ جائے تو باقی رہ جاتی ہے صرف کھریا مٹی۔ دیوی جی! مجھ بے وقوف کو جتنا چاہے بنا لو۔ بہلا لو، ٹھگ لو، آنکھوں پر پٹی چڑھا دو۔ دل پر نشہ چڑھا دو۔ جو جی چاہے کرو۔"

اس کے بعد جو باتیں ہوئیں وہ بالکل فضول تو نہ تھیں، مگر اس کہانی سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔

اکتالیسواں باب

اب کے میٹنگ میں مدھوسودن کی پہلی ہار ہوئی۔ ابتک اس کی کوئی تجویز کوئی کارروائی رد نہیں کی گئی تھی۔ وہ خود اپنے اوپر جتنا اعتماد کرتا، اس کے ساتھی اس پر اتنا ہی اعتماد اور بھروسہ کرتے تھے۔ اسی بھروسے پر وہ کسی ضروری کام کے متعلق میٹنگ کی منظوری سے پہلے ہی کارروائیاں کر رکھتا، تاکہ کام رُکا نہ رہے۔ آگے ہی بڑھتا رہے۔ اب کے وہ ایک پرانی نیل کوٹھی کے ماتحت ایک ٹھیکہ داری کے تعلقہ کو خریدنے کا انتظام کر رہا تھا، تاکہ اسے بھی اپنے نیل کے کاروبار میں ملالے۔ اس سلسلے میں کچھ خرچ بھی ہو چکا تھا۔ معاملہ قریب قریب طے ہو چکا تھا۔ صرف کاغذ خرید کے دستاویز لکھوانے اور رجسٹری کرا کے دام چکا دینے کی کسر رہ گئی تھی۔ جن لوگوں سے بات ہوئی تھی ان سب کو اس نے پکا بھروسہ بھی دلا دیا تھا۔ اتنے ہی میں یہ روڑا اٹکا۔ اتفاقاً اس کمپنی میں ایک خزانچی کی جگہ خالی ہوئی تھی۔ کمپنی کے حصہ داروں میں سے کسی ایک کا داماد اس جگہ کے لئے امیدوار تھا۔ اور اس کے لئے کوشش ہو رہی تھی۔ مدھوسودن نے اسے اس جگہ کے لائق نہ پایا تھا۔ اس لئے کوئی توجہ نہ کی۔ یہ معاملہ وقتی طور سے دب تو گیا تھا، مگر جیسے زمین کے نیچے دبا ہوا بیج آہستہ آہستہ نشو ونما پا کے ایک دن کونپل کی شکل میں ابھر آتا ہے، اسی طرح اس معاملے

نے بھی ٹھیک اسی وقت سر اُٹھایا۔ زمین میں ایک جگہ شگاف بھی تھا، یعنی کہ ایک جگہ مدھوسودن کا بھی پانی مرتا تھا۔ جو تعلقہ خریدا جانے والا تھا اس کا مالک مدھوسودن کی ایک دور کے رشتے کی پھوپھی کے جیٹھ کا لڑکا تھا۔ پھوپھی نے آ کے بہت ہاتھ پاؤں پکڑے تو اس نے حساب کر کے دیکھا۔ سودا بہت سستا پٹ رہا تھا۔ کافی منافع بھی تھا اور ساتھ ساتھ رشتہ داروں کے درمیان سرپرستی کا فخر الگ حاصل ہوتا تھا۔

مدھوسودن کا وہ شریک کار جس کے داماد خزانچی کے عہدے سے محروم رہ گئے تھے، موقع کا منتظر تھا۔ یہ موقع ملا تو اس نے بڑی کوششوں سے مدھوسودن کی بے ضابطگیوں اور خویش پروریوں کے ثبوت فراہم کئے۔ کمپنی کے تمام معاملات خرید و فروخت میں مدھوسودن چھپا چھپا کے کمیشن لیا کرتا ہے۔ اس افواہ کو کانوں کان تمام کمپنی کے شرکا میں پھیلانے کا فرض بھی، اس نے اپنے ہی ذمہ لے لیا۔ ایسی بے بُنیاد اور کسی کو ذلیل کرنے والی افواہوں کا ثبوت تو لوگ طلب کرتے نہیں، اس لئے کہ ان کے اندر جو حرص و حسد کا جذبہ ہوتا ہے، وہی گویا مضبوط گواہ اور مدلل ثبوت ان افواہوں کے لئے بن جاتا ہے۔ پھر لوگوں کے خیالات خراب کر دینے کا ایک آسان نسخہ مدھوسودن کی غیر معمولی اقبال مندی، کاروباری ہوش مندی، اور اس کے بے داغ کردار کی شہرت تھی۔ مدھوسودن غوطہ لگا کے اندر اندر ہی پانی پیتا ہے، یہ الزام ان حریص لوگوں کے لئے بہت ہی تسکین بخش تھا۔ وہ خود غوطہ لگانے کی جرات میں اس سے پانچ ہاتھ آگے ہی تھے، مگر کوئی تالاب اپنی دسترس میں نہ پاتے تھے۔

تعلقہ کے مالک کو مدھوسودن نے پکی زبان دیدی تھی۔ نقصان کے ڈر سے اپنی زبان بدلنے والا آدمی وہ نہ تھا۔ اس لئے اس نے طے کر لیا تھا کہ تعلقہ وہ خود ہی خرید کر کمپنی والوں کو دکھا دیگا، کہ انہوں نے تعلقہ نہ خرید کر دھوکا کھایا۔

اس دن وہ بہت دیر سے گھر واپس آیا۔ اپنی خوش قسمتی کے متعلق اس کے

دل میں ایک اندھا یقین سا جم گیا تھا۔ آج اسے یہ اندیشہ ہوا کہ شاید زندگی کے سفر میں قسمت نے اس کی گاڑی کو ایک سلسلے کی لائین سے دوسرے سلسلے کی لائین پر ڈال دیا ہے۔ پہلے دھچکے سے تو اس کا دل بیٹھ سا گیا۔ میٹنگ سے واپس آکر آفس والے کمرے میں ایک صوفے پر لیٹ کر گڑ گڑی سے نکلتے ہوئے دھوئیں کے مرغولوں میں اپنی فکر کی گتھیوں کو سلجھانے لگا۔

بنین نے آ کے خبر دی کہ بپر اداس کے گھر سے ایک آدمی ملنے آیا ہے۔

مدھوسودن نے جھلا کر کہا " واپس کر دو۔ کہہ دو مجھے اس وقت فرصت نہیں۔"

بنین اس کے مزاج کی یہ کیفیت دیکھ کر سمجھ گیا کہ میٹنگ میں ضرور کچھ گڑ بڑ ہوئی ہے۔ اس نے سوچا کہ دادا کا دل اس وقت کمزور ہو رہا ہے۔ جو کمزور ہوتا ہے وہ فطرتاً سنگ دل بھی ہوتا ہے۔ اس کا احساس کمتری سنگدلی کا روپ اختیار کر لیتا ہے بنین کو اس بات کا یقین تھا کہ دادا کا زخمی دل اب بہورانی پر بڑی سختی سے چوٹ کرنا چاہے گا۔ اب سے پہلے اس کے دل میں کچھ ہچکچاہٹ سی تھی، اب وہ رہی سہی ہچکچاہٹ بھی جاتی رہی۔ کچھ دیر اُدھر ٹہل گھوم کے وہ پھر آفس کے کمرے میں داخل ہوا۔ دیکھا کہ دادا وہ رجسٹر لیے ورق گردانی کر رہے ہیں، جس میں لوگوں کے پتے درج تھے۔ بنین جیسے ہی آ کر کھڑا ہوا، مدھوسودن نے سر اٹھا کر بڑی رکھائی سے پوچھا " اب کیا ضرورت ہے؟ شاید اپنے بپر اداس بابو کی وکالت کرنے آئے ہو، اب؟"

بنین بولا، " نہیں دادا۔ اب اس کی فکر نہ کرو۔ ان کے یہاں کا آدمی کچھ ایسی پھٹکار سنکے گیا ہے کہ تم خود بھی بلا بھیجو، تو اب وہ ادھر آنے کا نام نہ لے گا۔"

یہ بات بھی مدھوسودن سے سہی نہ جا سکی، بول اٹھا " کٹری انگلیوں کا جھٹکا پڑے گا۔ تو خود ہی قدموں پر آ کے گر پڑے گا۔ وہ آدمی آیا تھا کس لیے؟"

"تمہیں خبر دینے آیا تھا کہ بپراد اس بابو کے کلکتہ آنے میں ابھی دو دن دیر ہوگی۔ طبیعت ایک ذرا سنبھل لے، تب آئیں گے۔"

"اچھا، اچھا، اس کے لئے ایسی بیتابی نہیں۔"

"دادا کل صبح مجھے دو گھنٹوں کی چھٹی چاہیئے۔"

"کیوں؟"

"سنو گے تو تمہیں غصہ آئے گا۔"

"نہیں سنوں تو، اور زیادہ آئے گا۔"

"کمبھ کونام سے ایک جوتشی آئے ہیں۔ ان سے مل کر ذرا قسمت کا حال جاننا چاہتا ہوں۔"

مدھوسودن کا دل دھڑک اُٹھا۔ جی چاہا کہ اسی وقت دوڑا ہوا ان کے پاس جائے۔ لیکن زبان سے ڈانٹ کر کہا "تم کیا ان باتوں پر یقین کرتے ہو؟"

"اطمینان کی حالت میں تو نہیں کرتا۔ خوف کے عالم میں کرتا ہوں۔"

"خوف کس بات کا ہے یہ بھی تو سنوں۔"

بنین نے کچھ جواب نہ دیا۔ آہستہ آہستہ سر کھجانے لگا۔

"خوف کس کا ہے بتاؤ نا؟"

"اس دنیا میں تمہارے سوا کسی اور سے تو میں ڈرتا نہیں؟ ادھر کچھ دنوں سے تمہاری کیفیت دیکھ کر میرے دل کو اطمینان نہیں ہوتا۔"

لوگ اُس سے شیر کی طرح ڈرتے ہیں، اس خیال سے مدھوسودن کو بہت ہی تسکین اور خوشی ہوا کرتی تھی۔ بنین کے چہرے کی طرف خاموش ٹکٹکی لگائے دیکھتا ہوا اور حقہ کے کش لگاتا ہوا وہ اپنی عظمت کا احساس کرنے لگا۔

بنین نے کہا "اس لئے چاہتا ہوں کہ ایک بار ٹھیک سے پتہ لگا لوں کہ

گرہیں میرے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہتی ہیں، اور کس طرح ان گرہوں سے نجات ہو سکتی ہے"

"تمہارے جیسا ناستک تو کسی چیز پر ایمان رکھتا نہیں۔ وہ اور گرہوں پر اعتقاد؟"

"دیوتاؤں پر ایمان ہوتا تو گرہوں کو نہ مانتا دادا۔ جو ڈاکٹر پر بھروسہ نہیں کرتا اسے عطائیوں پر بھروسہ کرنے میں کوئی تامل نہیں ہوتا۔"

"اپنے ستاروں کی گردش جاننے کے لئے مدھوسودن جس شدت سے بیتاب ہو رہا تھا، اسی شدت سے جھنجھلا کر بولا "لکھ پڑھ کے بھی بندر کے بندر ہی رہے تم۔ یہی حاصل ہے تمہاری تعلیم کا کہ جو کوئی بھی جو کچھ کہہ دے اس پر آنکھ بند کر کے یقین کر لو!"

"اس آدمی کے پاس بھرگو مُنی کی کتاب ہے۔ جو شخص جہاں بھی جس زمانے میں پیدا ہوا ہے یا پیدا ہو گا سب کی جنم پتری مکمل تیار۔ سنسکرت میں لکھی ہوئی ہے اب اس پر تو کچھ شبہے کی گنجائش نہیں۔ ہاتھوں ہاتھ آزمائش کر کے دیکھ لو۔"

"جو لوگ دوسروں کو اُلّو بنا کر اپنی روٹی کماتے ہیں، ان کے لئے بدھاتا تمہارے جیسے اُلّو بھی کافی تعداد میں پیدا کر دیتے ہیں!"

"اور پھر انہیں الوؤں کی جان بچانے کے لئے تمہارے جیسے عقلمند بھی تو پیدا کر دیئے ہیں۔ جو مارتا ہے اس پر جتنی دیا کرتے ہیں، اتنی ہی دیا مار کھانے والے پر بھی کر دیتے ہیں۔ بھرگو منی کی کتاب پر بھی تم ذرا اپنی تیز عقل چلا کے دیکھو نا!"

"اچھا ٹھیک ہے۔ کل صبح مجھے اپنے ساتھ لے کے جانا۔ دیکھوں تمہارے یہ کمبھ کنام والے کتنے چالاک ہیں؟"

"تمہارے اس انکار کا زور تو اس بے چارے کا حساب بھی شاید غلط کر دے۔ دنیا میں دیکھا جاتا ہے کہ کسی آدمی پر اعتبار کیا جائے تو وہ قابلِ اعتبار آدمی ہو جاتا ہے۔

ان گرہوں کا بھی یہی حال ہے۔ دیکھو نا صاحب لوگ گرہ کو نہیں مانتے، تو اُن پر گرہ کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ ابھی اسی دن تمہارے آفس کے چھوٹے صاحب ٹھیک ۱۲ کی گرہ میں جا کے گھوڑ دوڑ کی بازی جیت آئے۔ میں ہوتا تو بازی جیتنا تو درکنار شاید گھوڑا بدک کر میرے پیٹ پر لات ہی جما دیتا۔ ان گرہوں اور ستاروں کی چال کے حساب میں تم اپنی عقل لڑانے نہ جاؤ۔ اپنے دل میں اپنا یقین راسخ رکھو۔"

مدھوسودن دل ہی دل میں خوش ہوا۔ مسکرا مسکرا کے گڑگڑی سے شغل کرنے لگا۔

دوسرے دن صبح سویرے سات بجے سے پہلے ہی، بینن اپنے ساتھ مدھوسودن کو لئے ایک چھوٹی سی گلی کی غلاظتوں سے گذرتا ہوا بیکنٹھ شاستری کے آستانے پر حاضر ہو گیا۔ مکان ایک منزلہ تھا اور بہت ہی اندھیرا۔ دیواروں میں لون لگ گئی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ان میں شدید قسم کی کوڑھ پھوٹ نکلی ہے۔ تخت پر ایک پھٹی ہوئی میلی سی دری بچھی ہوئی تھی۔ اس کے ایک کونے پر کچھ دقیانوسی کتابیں بکھری پڑی تھیں۔ دیوار پر شیو اور پاربتی کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ بینن نے پکارا "شاستری جی!"۔ چھینٹ کی ایک میلی سی دوھر اوڑھے، سامنے سے سر منڈائے، پیچھے چوٹی رکھے ایک ناٹے قد کا بیمار سا آدمی کمرے میں داخل ہوا۔ بینن نے اسے بہت جھک کے پرنام کیا۔ مدھوسودن نے اس کا چہرہ دیکھا تو اس کے دل میں بھگتی نہ جاگ سکی۔ لیکن دل میں یہ خوف بھی لگا ہوا تھا کہ غیب کی باتوں سے ان نجومیوں کو کوئی گہرا سروکار ہے۔ اس لئے جلدی سے ایک اچٹتا ہوا نیم قد سلام ادا کر کے اس نے گویا رسم عقیدت ادا کر دی۔ بینن نے مدھوسودن کی ایک جنم پتری جوتشی جی کے سامنے رکھ دی۔ انہوں نے اس کی طرف التفات نہ کی اور مدھوسودن کے ہاتھ دیکھنے لگے۔ پھر کاٹھ کے صندوق سے کاغذ قلم دوات لے کر انہوں نے خود ایک دائرہ بنایا۔ اور مدھوسودن کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے بولے "پانچواں خانہ" مدھوسودن کی سمجھ میں کچھ

نہ آیا۔ جوتشی جی انگلیوں کی پور پر ٹھہر ٹھہر کے گننے لگے "ک برگ، کھ برگ، چ برگ، ڈ برگ، نہ برگ، پہ برگ" مدھوسودن کے پلّے اب بھی کچھ نہ پڑا۔ جوتشی جی پھر بولے "پانچواں خانہ" مدھوسودن صبر کئے چُپ چاپ بیٹھا رہا۔ جوتشی جی پھر بُدبُدانے لگے "پہ، بھ، بہ، بھ، مہ۔ مدھوسودن کی سمجھ میں اتنا بھر آیا کہ جوتشی جی نے بھر گومنی کی کتاب میں اس کی زندگی کا زائچہ ڈھونڈھ نکالا ہے۔ اتنے ہی میں بیکنٹھ شاستری جی بول اُٹھے "پنچ اکھرنگ" (یعنی پانچ حرف والا")

بینن نے چونک کر مدھوسودن کے کان میں کہا، "سمجھ گیا دادا۔ میں سمجھ گیا۔"

"کیا سمجھے؟"

"پانچویں خانہ کا پانچواں حرف مہ ہے۔ اس کے بعد پانچ حرف مہ، دھ، سو، د، ن، تمہاری جنم پتری میں گرہوں کی عنایت سے تین پانچ ایک ہی جگہ اکٹھا ہو گئے۔

مدھوسودن کی حیرت کی انتہا نہ تھی۔ ماں باپ کے نام رکھنے سے ہزاروں برس پہلے ہی اس کا نام بھر گومنی کی کتاب میں درج ہو چکا تھا۔ ستاروں کی چال کا بھی عجیب حساب ہے۔ اس کے بعد اپنی گذشتہ زندگی کے مختصر حالات سنسکرت زبان میں لکھے ہوئے دم بخود بیٹھا سنتا رہا۔ الفاظ کے معنی جتنے کم سمجھ میں آئے عقیدت اتنی ہی زیادہ بڑھتی گئی۔ اس کی ساری زندگی کی کہانی جیسے اس الہامی آواز سے ایک مورتی کی طرح اس کے سامنے مجسم نظر آئی۔ اپنے سینے پر ہاتھ پھیر کر دیکھا، تو ایسا معلوم ہوا جیسے کہ اس کا سارا جسم ہی ان حرفوں اور اشاروں کے مصالحے سے تیار کی ہوئی ایک کتاب ہے، جسے کسی رشی نے کسی بن میں بیٹھ کے لکھا ہو۔ پیشین گوئی کا آخری حصّہ یہ تھا کہ مدھوسودن کے گھر میں ایک بار لکشمی کے قدم آئیں گے۔ اس لئے پہلے ہی سے اس گھرانے میں غیر متوقع اقبال مندی کے آثار نمایاں ہو گئے تھے۔

چند ہی روز ہوئے وہ نئی بہو کے روپ میں گھر کے اندر آبھی گئی ہیں۔ اب بہت ہشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ اس لئے کہ اگر ان کے دل کو کوئی دکھ پہونچا تو پھر گھر کے بُرے دن آلگیں گے۔

بیکنٹھ شاستری نے فرمایا کہ "بُرے دنوں کے آثار ظاہر بھی ہو چکے ہیں۔ ان ستاروں کے اثر میں پیدا ہونے والا، اگر ابھی سے ہشیار نہ ہوا، تو بڑی مصیبت میں پھنس جائے گا۔" مدھوسودن دم بخود چپ بیٹھا رہا۔ اسے یاد آگئی وہ شادی کے دن ہی آنے والی بھاری منافع کی خبر۔ اور پھر اس کے چند دنوں کے بعد ہی آفتوں کا آغاز لکشمی خود آجائیں تو بڑے بھاگ کی بات ہے۔ لیکن ان کے آنے کے بعد کی ذمہ داری بھی کتنی خطرناک ہے۔

واپسی میں مدھوسودن گاڑی میں خاموش بیٹھا رہا۔ بتین ایک دفعہ بول اُٹھا۔ "مجھے تو اس بیکنٹھ شاستری کی باتوں کا بالکل یقین نہ آیا، ضرور اس نے کسی سے تمہارے متعلق کچھ پہلے ہی سے پوچھ گچھ رکھا تھا۔"

"کیا کہنے ہیں تمہاری عقل کے۔ یہ جو اتنے سارے انسان جہاں جہاں ہیں سب کی حالت اس نے پہلے ہی لکھ رکھی ہے۔ یہ کوئی آسان بات ہے؟"

"پیدائش سے پہلے کروڑوں آدمیوں کا حال لکھ رکھنے سے زیادہ آسان یہی ہے۔ پھر گومنی بھلا اتنا کاغذ کہاں پاتے اور ہمارے یہ بیکنٹھ شاستری اس کوٹھڑی میں انھیں رکھنے کی جگہ کیسے نکالتے۔"

"ارے وہ لوگ جنبشِ قلم سے ہزاروں باتیں لکھ جاتے تھے۔"

"ناممکن ہے!"

"تمہاری عقل میں جو نہ سمائے وہ ناممکن ہے۔ بہت بڑی ہے ناسائنس تمہاری؟ خیر اب بحث بند کرو۔ اس روز جو ان لوگوں کے یہاں سے آدمی آیا

تھانا، اس کو تم خود ہی آج جا کے بلا لاؤ - آج ہی، دیر نہ کرنا۔"

بھائی کو دھوکا دینے پر بینن کا دل اندر ہی اندر بہت پچھتانے لگا۔ یہ فریب اتنا آسان تھا اور اس قدر جلد اس کا بھائی اس کا شکار ہو گیا۔ یہ بات بہت ہی مضحکہ خیز تھی۔ مگر اس میں بھائی کی ذلت اور تحقیر کا پہلو بھی تھا۔ اس لئے اس کو اپنی اس حرکت سے پشیمانی بھی ہوئی اور تکلیف بھی محسوس ہونے لگی۔ بھائی کو اب سے پہلے بھی اس نے کئی بار چھوٹے موٹے جل دے تھے لیکن ان کا اثر اس کے دل پر ذرا بھی نہ ہوا تھا لیکن جو اس نے اتنا بڑا فریب کا جال ڈالا تو دل ہی دل میں اس کو بیحد پشیمانی ہوئی۔

بیالیسواں باب

مدھوسودن کے دل سے جیسے ایک بوجھ اُتر گیا۔ اپنی خودداری کا بوجھ۔ جس کے شدید اور سنگین احساس نے اس کی جذباتیت کو ہمیشہ دبائے رکھا تھا۔ کمو کی طرف اس کا جی جس وقت جھکا ہوتا اس وقت بھی اس کے دل میں اندر ہی اندر ایک کشمکش جاری رہتی۔ وہ جتنی عاجزی سے کمو کے سامنے جھکتا اتنی ہی سختی سے غیر محسوس طور پر کمو کے خلاف اس کے دل میں غصہ بھڑک اٹھتا۔ لیکن اب جو اپنے ستاروں کی چال سے اسکو واضح طور پر یہ معلوم ہو گیا کہ اس کے گھر میں، لکشمی خود ہی آ گئی ہیں اور اب ان کو بہر حال خوش رکھنا ہی ہے تو اس کے ذہن سے سارے دھندلکے دور ہو گئے اور جسم پر اس احساس سے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ دل ہی دل میں کہنے لگا۔ "لکشمی! میرے گھر کی لکشمی۔ میری قسمت کی دی ہوئی سب سے بڑی نعمت میرے گھر میں ہے!" جی چاہا کہ اسی وقت تمام ہچکچاہٹوں کو ٹھکرا کے کمو کے پاس جائے اور پوری عاجزی اور انکساری کے ساتھ اس سے کہدے کہ "مجھ سے کوئی قصور، کوئی بھول ہو جائے تو اس کا بُرا نہ ماننا۔" لیکن آج تو اب وقت نہ تھا۔ دن کافی چڑھ چکا تھا۔ بیوپار کے کاموں سے نپٹنے کے لئے فوراً ہی آفس جانا تھا۔ گھر جا کر کھانا کھانے کی بھی فرصت

نہ مل سکی۔

ادھر دن بھر کمو کے دل میں ایک ہنگامہ بپا رہا۔ اسے معلوم ہو چکا تھا کہ بھائی کل ہی آ رہے ہیں۔ طبیعت ان کی خراب ہے۔ ان سے ملاقات نصیب بھی ہوگی یا نہیں۔ یقین کے ساتھ ہی جاننے کے لئے اس کا دل بیتاب تھا۔ بینن کسی کام سے باہر گیا ہوا تھا۔ ابھی تک واپس نہ آسکا تھا۔ اُسے اپنی جگہ پورا یقین تھا کہ آج مدھوسودن واپس آنے کے ساتھ ہی بہورانی کو ہر ممکن طرح سے خوش کرنے کی کوشش کریگا۔ اس لئے پہلے سے اس بات کی کوئی چھاؤں دیکر اس مزہ کو کرکرا نہ کرنا چاہتا تھا۔

آج چھت پر بیٹھنا ممکن نہ ہوسکا۔ کل شام ہی سے بادل گھرے آ رہے تھے۔ آج دوپہر سے بوندا باندی بھی شروع ہوگئی۔ جاڑے کے بادل بن بلائے مہمان جیسے ناگوار ہوتے ہیں۔ نہ ان بادلوں میں رنگ تھا۔ نہ بوچھاروں میں کوئی آواز۔ بھیگی ہوئی فضا پر بھی جیسے مُردنی چھائی تھی۔ سورج کی روشنی سے محروم دنیا جیسے اونگھ سی رہی تھی۔ سیڑھی کے اوپر خوابگاہ کے دروازے کے پاس، چھت کا ایک حصّہ ڈھکا ہوا تھا۔ کمو وہیں زمین پر بیٹھ گئی۔ بارش کے ہلکے ہلکے چھینٹے رہ رہ کے اس کے جسم کو نم کر جاتے۔ آج کے اس دھندلے سے دن میں کمو کے دل میں یہ خیال آیا کہ اس کی زندگی نے بھی اسے جیسے ایک اژدھے کی طرح نگل لیا ہے۔ اور اس اندھیرے قید خانے میں کہیں کوئی ہلکا سا شگاف بھی نہیں۔ جس سے روشنی کی کوئی کرن سمائے۔ جو دیوتا اُسے بہلا پھسلا کے اس بے بسی اور مایوسی میں ڈال گئے ہیں، ان کے خلاف اس کے دل میں ایک ناراضی کا دھواں سا گھٹا ہوا تھا۔ آج اسی دھوئیں کے شعلے بھڑک اٹھے۔ وہ بیٹھی بیٹھی دفعتاً اُٹھ کھڑی ہوئی۔ دراز کھول کر وہ کرشن اور رادھا کی تصویر نکالی جو رنگین ریشمی غلاف میں لپٹی ہوئی تھی۔ آج وہ اس تصویر کو

پھاڑ کر پھینک دینا چاہتی تھی۔ اس کا جی چاہتا تھا کہ چیخ کر کہہ دے "میں تم سے اب ذرا بھی عقیدت نہیں رکھتی"۔ لیکن ہاتھ کانپ رہے تھے، اس لئے وہ جزدان کھول نہ سکی تھی۔ کھینچ تان میں وہ گانٹھ اور کس گئی۔ آخر چڑھ کے اس نے دانت سے گرہ نوچ پھینکی لیکن اتنے دنوں کی جانی پہچانی مورتی پر نظر پڑتے ہی وہ بے قابو ہوگئی۔ تصویر کو سینے سے لگا کے رونے لگی۔ کاٹھ کا فریم سینے میں جتنا چبھتا اتنے ہی زور سے وہ اسے سینے سے چمٹا لیتی۔

اتنے ہی میں خواب گاہ میں مرلی بیرا بستر لگانے آیا۔ جاڑے کے مارے بیچارے کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ جسم پر ایک میلی پھٹی سی چادر تھی۔ ماتھے پر بال صاف، رگیں ابھری ہوئی، گال پچکے ہوئے۔ کئی دن کی بڑھی ہوئی داڑھی میں بڑی بڑی کھونٹیاں نکلی ہوئی۔ ابھی کچھ دن ہی ہوئے تھے کہ ملیریا میں گرفتار ہوا تھا۔ اس لئے بدن میں خون کا نام نہ تھا۔ ڈاکٹر نے کہا تھا کہ کام سے چھٹی لے کے گھر جا کر آرام کرو۔ لیکن بے درد مالک کا قانون بھلا اسے چھٹی کیا دیتا۔

کمو نے پوچھا۔ "سردی لگ رہی ہے مرلی؟"

مرلی نے جواب دیا "جی سرکار! بدلی ہوگئی ہے نا، اس لئے سردی بڑھ گئی ہے!"

"تمہارے پاس کوئی گرم کپڑا نہیں؟"

"خطاب پانے کی خوشی میں مہاراجہ بہادر نے گرم کپڑا دیا تھا، مگر میرے نواسے کو کھانسی ہوگئی۔ ڈاکٹر کے حکم سے اسی کو پہنا دیا۔"

بغل کے کمرے میں جو الماری رکھی تھی، اسمیں سے ایک خاکستری رنگ کا پرانا الوان نکال کر کمو مرلی کو دیتی ہوئی بولی، "لو یہ چادر میں تمہیں دے رہی ہوں۔"

مرلی نے گڑگڑا کر کہا "معاف کیجئے رانی ماں، مہاراجہ خفا ہونگے"۔ کمو سمجھ گئی کہ اس گھر میں رحم کرنے کا راستہ بہت ہی تنگ ہے۔ لیکن وہ خود چونکہ دیوتاؤں سے

رحم کی طالب تھی، اس لئے دوسروں پر رحم کرنا ہی اس کا تنہا راستہ تھا۔ غصے میں اس نے مُرلی کے ہاتھ سے الوان لے کر زمین پر پھینک دیا۔

مُرلی ہاتھ جوڑ بولا "رانی ماں! آپ لکشمی ہیں، خفا نہ ہوجئے۔ مجھے گرم کپڑوں کی ضرورت نہیں پڑتی۔ میں تو حقہ بردار کی کوٹھری میں رہتا ہوں —— وہاں ہر وقت گملے میں گُل سلگتے رہتے ہیں۔ میں خوب گرمایا رہتا ہوں۔"

کمو نے کہا "مُرلی! دیکھو بینن ٹھاکر پو' اگر گھر میں ہوں تو انھیں یہاں بلالاؤ۔"

بینن جیسے ہی کمرے میں داخل ہوا کمو بول اٹھی "ٹھاکر پو'! تمہیں ایک کام میرا کر ہی دینا ہوگا۔ بولو کردوگے؟"

"اس کام میں اگر میرا کوئی نقصان ہو تو ابھی فوراً کردوں گا، اور اگر تمہارا نقصان ہوگا تو ہرگز نہ کروں گا۔"

"میرا اب اور کیا نقصان ہوگا؟ میں اب کسی چیز سے نہیں ڈرتی" کہتی ہوئی کمو اپنے ہاتھوں سے سونے کے موٹے موٹے دونوں کڑے اُتارتے ہوئے بولی "لو میرے یہ دونوں کڑے، بیچ کے دادا کی صحت کے لئے ہَوَن کرادو۔"

"اس کی ضرورت نہ ہوگی، بہورانی، تم جو بھگتی ان سے کرتی ہو اس کے ثواب سے ہر ہر لمحے ان کی صحت کے لئے ہَوَن ہو رہا ہے۔"

"ٹھاکر پو! دادا کے لئے میں اور تو کچھ نہیں سکتی۔ کم از کم دیوتاؤں کے ذریعہ تو اپنی سیوا ان تک پہونچا دوں۔"

"تمہیں کچھ بھی نہ کرنا ہوگا بہورانی! آخر ہم لوگ جو تمہارے سیوک ہیں وہ کس دن کے لئے؟"

"تم لوگ بھلا کیا کرسکتے ہو۔ بتاؤ؟"

"ہم لوگ تو پاپی ہیں پاپ کرسکتے ہیں۔ پاپ کر کے بھی اگر تمہاری کوئی خدمت

پھاڑ کر پھینک دینا چاہتی تھی۔ اس کا جی چاہتا تھا کہ چیخ کر کہہ دے "میں تم سے اب ذرا بھی عقیدت نہیں رکھتی"۔ لیکن ہاتھ کانپ رہے تھے، اس لیئے وہ جزدان کھول نہ سکی تھی۔ کھینچ تان میں وہ گانٹھ اور کس گئی۔ آخر چڑھ کے اس نے دانت سے گرہ نوچ پھینکی۔ لیکن اتنے دنوں کی جانی پہچانی مورتی پر نظر پڑتے ہی وہ بے قابو ہو گئی۔ تصویر کو سینے سے لگا کے رونے لگی۔ کاٹھ کا فریم سینے میں جتنا چبھتا اتنے ہی زور سے وہ اسے سینے سے چمٹا لیتی۔

اتنے ہی میں خواب گاہ میں مُرلی بیرا بستر لگانے آیا۔ جاڑے کے مارے بیچارے کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ جسم پر ایک میلی پھٹی سی چادر تھی۔ ماتھے پر بال صاف، رگیں اُبھری ہوئی، گال پچکے ہوئے۔ کئی دن کی بڑھی ہوئی داڑھی میں بڑی بڑی کھونٹیاں نکلی ہوئی۔ ابھی کچھ دن ہی ہوئے تھے کہ ملیریا میں گرفتار رہا تھا۔ اس لئے بدن میں خون کا نام نہ تھا۔ ڈاکٹر نے کہا تھا کہ کام سے چھٹی لے کے گھر جا کر آرام کرو۔ لیکن بے درد مالک کا قانون بھلا اسے چھٹی کیا دیتا۔

کمو نے پوچھا۔ "سردی لگ رہی ہے مُرلی؟"

مرلی نے جواب دیا "جی سرکار! بدلی ہو گئی ہے نا، اس لئے سردی بڑھ گئی ہے!"

"تمہارے پاس کوئی گرم کپڑا نہیں؟"

"خطاب پانے کی خوشی میں مہاراجہ بہادر نے گرم کپڑا دیا تھا، مگر میرے نواسے کو کھانسی ہو گئی۔ ڈاکٹر کے حکم سے اسی کو پہنا دیا۔"

بغل کے کمرے میں جو الماری رکھی تھی، اسمیں سے ایک خاکستری رنگ کا پرانا الوان نکال کر کمو مُرلی کو دیتی ہوئی بولی، "لو یہ چادر میں تمہیں دے رہی ہوں۔"

مُرلی نے گڑگڑا کر کہا "معاف کیجیے رانی ماں، مہاراجہ خفا ہونگے"۔ کمو سمجھ گئی کہ اس گھر میں رحم کرنے کا راستہ بہت ہی تنگ ہے۔ لیکن وہ خود چونکہ دیوتاؤں سے

رحم کی طالب تھی، اس لئے دوسروں پر رحم کرنا ہی اس کا تمہارا ستہ تھا۔ غصہ میں اس نے مُرلی کے ہاتھ سے الوان لے کر زمین پر پھینک دیا۔

مُرلی ہاتھ جوڑ بولا "رانی ماں! آپ لکشمی ہیں، خفا نہ ہوجئے۔ مجھے گرم کپڑوں کی ضرورت نہیں پڑتی۔ میں تو حقہ بردار کی کوٹھری میں رہتا ہوں — وہاں ہر وقت گملے میں گُل سلگتے رہتے ہیں۔ میں خوب گرمایا رہتا ہوں۔"

کمو نے کہا "مُرلی! دیکھو بینن ٹھاکر ہو، اگر گھر میں ہوں تو انھیں یہاں بلا لاؤ۔"

بینن جیسے ہی کمرے میں داخل ہوا کمو بول اٹھی "ٹھاکر پو! تمہیں ایک کام میرا کر ہی دینا ہوگا۔ بولو کر دو گے؟"

"اس کام میں اگر میرا کوئی نقصان ہو تو ابھی فوراً کر دوں گا، اور اگر تمہارا نقصان ہوگا تو ہرگز نہ کروں گا۔"

"میرا اب اور کیا نقصان ہوگا؟ میں اب کسی چیز سے نہیں ڈرتی" کہتی ہوئی کمو اپنے ہاتھوں سے سونے کے موٹے موٹے دونوں کڑے اُتارتے ہوئے بولی "لو میرے یہ دونوں کڑے، بیچ کے دادا کی صحت کے لئے ہون کرا دو۔"

"اس کی ضرورت نہ ہوگی، بہو رانی، تم جو بھگتی ان سے کرتی ہو اس کے ثواب سے ہر ہر لمحے ان کی صحت کے لئے ہون ہو رہا ہے۔"

"ٹھاکر پو! دادا کے لئے میں اور تو کچھ نہیں سکتی۔ کم از کم دیوتاؤں کے ذریعہ تو اپنی سیوا ان تک پہونچا دوں۔"

"تمہیں کچھ بھی نہ کرنا ہوگا بہو رانی! آخر ہم لوگ جو تمہارے سیوک ہیں وہ کس دن کے لئے؟"

"تم لوگ بھلا کیا کر سکتے ہو۔ بتاؤ؟"

"ہم لوگ تو پاپی ہیں پاپ کر سکتے ہیں۔ پاپ کر کے بھی اگر تمہاری کوئی خدمت

کرسکیں تو اپنے آپ کو ہم قابل مبارکباد سمجھیں۔"

"ٹھاکر پو! اس بات کو مذاق میں نہ اڑاؤ۔"

"میں ذرا بھی مذاق نہیں کر رہا ہوں۔ پُن کر لے سے کہیں زیادہ مشکل پاپ کرنا ہے۔ دیوتا اگر یہ سمجھ پائیں تو انعام دیں۔"

دیوتاؤں کی شان میں بینن کا یہ گستاخانہ طرزِ کلام حسبِ عادت کمو کو بُرا لگتا۔ لیکن اس کا بھائی بپرادا اس بھی تو دل سے دیوتاؤں کی عقیدت نہیں رکھتا تھا۔ اسکی اس بدعقیدگی پر تو وہ خفا نہ ہو سکتی تھی۔ جس طرح چھوٹے بچوں کی شرارت پر بھی ماں اُن سے پیار ہی کرتی ہے، اسی طرح کمو بھی اس قسم کی خطاؤں سے درگذر کرتی تھی۔

ایک پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کمو بولی "ٹھاکر پو! دنیا میں تم لوگ۔ تو اپنے بل پر کام کر سکتے ہو، لیکن ہم لوگوں کو تو اپنا بل، اپنا زور استعمال کرنے کا حق نہیں۔ جن سے محبت کرتی ہوں، اُن تک پہونچ نہیں، تو پھر ان کی خدمت کروں تو کس طرح کروں؟ دن کاٹے نہیں کٹتے۔ ڈھونڈھے بھی کوئی راہ نہیں ملتی۔ ہم لوگوں پر رحم کرنے والا کیا کوئی بھی نہیں؟ کہیں بھی نہیں؟"

بینن کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں۔

"دادا کے لئے مجھے کچھ نہ کچھ کرنا ہی ہے ٹھاکر پو! کچھ تو دینا ہی ہوگا۔ یہ کڑے میری ماں کے ہیں، اس لئے میں انھیں اپنے دیوتا کی نذر کروں گی۔"

"دیوتا کے ہاتھ میں کوئی چیز نہیں دی جاتی بھورانی! انہوں نے تو یونہی لے لیا ہے۔ دو دن اور ٹھہر جاؤ۔ اگر یہ دیکھنا کہ وہ اب بھی خوش نہیں ہوئے، تو پھر جو کہوگی وہی کروں گا۔ جو دیوتا تم پر دیا نہیں کرتے اُنھیں ہی بھوگ چڑھا آؤں گا۔"

رات کا اندھیرا پھیل چکا تھا۔ باہر سیڑھی پر جانی پہچانی قدموں کی چاپ سنائی دی۔ بینن چونک پڑا۔ سمجھ گیا کہ بھائی آرہا ہے۔ پھر بھی بھاگا نہیں۔ ہمت

کر کے اس کا انتظار کرنے لگا۔ ادھر کمو کا دل پل بھر میں بہت زیادہ اندیشوں سے بھر گیا اس غیر متوقع دھچکے کا احساس جو دفعتاً اس کی رگ رگ میں دوڑ گیا تو اسے بہت خوف محسوس ہوا۔ اس پاپ نے اسے اس قدر کمزور اور مغلوب کیسے کر رکھا ہے۔

اچانک اس نے بہن سے پوچھا "ٹھاکر پو! تم ایسے کسی شخص کو جانتے ہو جو مجھے گرو کی طرح اُپدیش دے سکے۔

"آخر ضرورت کیا ہے اس کی؟"

"اپنے دل کو میں اپنے آپ سنبھال نہیں سکتی۔"

"اس میں تمہارے دل کا قصور نہیں۔"

"مصیبت باہر سے آتی ہے، مگر خطا دل ہی کی ہوتی ہے دادا سے میں نے یہ بات بار بار سنی ہے۔"

"تمہارے دادا ہی تمہیں اپدیش دیں گے — ڈرو نہیں۔"

"میرے لئے وہ دن اب نہ آئیں گے۔"

مدھوسودن کی کاروباری ذہنیت کے ساتھ جب اس کی محبت کا سمجھوتہ ہو گیا تو وہی محبت اب اس کے سارے کام کاج میں سیلاب کی طرح اُمنڈ آئی۔ کمو کا حسین چہرہ، اس کی خوش نصیبی کا دیا ہوا، ایک انمول انعام تھا۔ سر پر آئی ہوئی مصیبت کے ٹل جانے کے آثار بھی آج ہی نمایاں ہو چکے تھے۔ کل جن لوگوں نے اس کے خلاف ووٹ دیئے تھے، ان میں سے اکثر نے آج اپنا رویہ بدل کر اسے خط لکھے تھے۔ مدھوسودن نے وہ تعلقہ خود خرید لینے کی تجویز کی، اُن میں سے بعض نے دل ہی دل میں یہ بھی سوچا کہ ہم لوگ دھوکا کھا گئے شاید؟" اکثر نے یہ خیال بھی ظاہر کیا کہ اس معاملے پر دوبارہ غور کرنا مناسب ہے۔

غیر حاضری کے قصور پر آفس کے دربان کو نصف ماہ کی تنخواہ کاٹی جانے کی

سزا دی گئی تھی۔ آج ٹفن کے وقت جب اس نے آ کے پاؤں پکڑے، تو فوراً ہی مدھوسودن نے اسے معاف کر دیا۔ معاف کرنے کے معنی یہ ہوئے کہ جرمانے کی رقم اپنی جیب سے دربان کو دیکر اس کے نقصان کی تلافی کر دی، دفتر میں جرمانہ کی رقم درج کر لی گئی تھی۔ قانون کی خلاف ورزی نہیں کی جا سکتی تھی۔

آج کا دن مدھوسودن کے لئے بہت ہی حیرت انگیز تھا۔ باہر آسمان پر بدلی چھائی ہوئی تھی۔ رم جھم بارش ہو رہی تھی۔ لیکن اس سے اس کے دل کی خوشی اور بڑھتی ہی گئی تھی۔ آفس سے واپسی کے بعد رات کے کھانے تک کا وقت مدھوسودن ہمیشہ باہر ہی گذارا کرتا۔ شادی کے بعد کئی دن لوگوں کی نگاہ بچا کے اس نے بے وقت اندر آنے کی کوشش بھی کی تھی۔ آج جیسے اپنے قدموں کی زوردار چاپ سے سارے گھر کو یہ جتا دینا چاہتا تھا کہ میں کمو سے ملنے جا رہا ہوں۔ آج اس کو یہ محسوس ہو رہا تھا کہ اس کی یہ خوش نصیبی اتنی عظیم الشان ہے کہ ساری دنیا اس سے رشک کر سکتی ہے۔

بارش تھوڑی دیر کے لئے ذرا تھم گئی۔ اس وقت تک تمام کمروں میں روشنی نہیں جلی تھی۔ انادی بڑھیا ہاتھ میں لوبان دانی لئے سارے گھر میں لوبان کا دھواں دیتی پھر رہی تھی۔ ایک چمگادڑ اوپر آسمان سے اُتر کر نیچے کے کمروں کی لالٹینوں کی روشنی میں ادھر سے ادھر اوپر نیچے چکر کاٹ رہی تھی۔ برآمدے میں داسیاں بیٹھی، اپنے پاؤں پر چراغ کی بتیاں بٹ رہی تھیں۔ قدموں کی چاپ سنتے ہی چہرے پر گھونگھٹ کھینچتی ہوئی بھاگیں۔ پاؤں کی چاپ سنتے ہی اپنے کمرے سے شیام سندری ہاتھ میں پانوں کی ڈبیا لئے باہر نکل آئی۔ مدھوسودن آفس سے باہر آتا تو وہ حسب دستور روزانہ یہ پان باہر بھجوا دیتی۔ گھر میں یہ سبھی جانتے تھے کہ مدھوسودن کی پسند کے پان شیاما ہی بنا سکتی تھی۔ اس جاننے میں کچھ اور

بھی جاننے کا ایک خفیف سا اشارہ بھی چھپا ہوا تھا۔ اسی بل پر شیاما بیچ راستہ ہی میں مدھوسودن کے سامنے جا کھڑی ہوئی اور پانوں کی ڈبیا بڑھاتی ہوئی بولی "ٹھاکر جی! تمہارے پان تیار ہیں۔ لیئے جاؤ۔" آج سے پہلے یہ صورت ہوتی تو اس بہانے دو ایک بات ہو جاتی اور ان باتوں میں کچھ مٹھاس بھی گھلی ہوتی۔ لیکن آج نہ جانے کیا ہوا کہ مدھوسودن دور ہی سے کترا کر نکل گیا۔ جیسے کہ وہ اگر ڈبیا لینے کو ہاتھ بڑھاتا تو شاید شیاما کی چھوت اسے لگ جاتی۔

شیاما کی دونوں بڑی بڑی آنکھوں سے جیسے طیش میں شعلے نکل پڑے۔ لیکن دوسری ہی آن میں یہ شعلے آنسوؤں کے بڑے بڑے قطروں میں ڈوب گئے۔ دلوں کا حال جاننے والا یہ جانتا تھا کہ شیام سندری مدھوسودن سے محبت کرتی تھی۔

مدھوسودن کے کمرے میں داخل ہوتے ہی، بپن کمو کے پاؤں کی خاک ماتھے پر لگا کے اٹھ کھڑا ہوا اور بولا "گرو والی بات یاد رہے گی۔ آج ہی سے ڈھونڈھنا شروع کر دوں گا۔" پھر بھائی سے مخاطب ہو کے بولا "بہورانی کسی گرو سے شاستر کی باتیں سننا چاہتی ہیں۔ ہم لوگوں کے پنڈت مہاشے ہیں تو سہی مگر——"

مدھوسودن مضطربانہ لہجے میں بول اُٹھا "شاستر کی باتیں؟ اچھا اچھا میں دیکھ لوں گا۔ تمہیں کچھ کرنے کی ضرورت نہیں۔"

بپن چلا گیا۔

مدھوسودن آج راستے بھر دل ہی دل میں یہی فقرہ دہراتا آیا تھا کہ "تمہارے آنے سے میرے گھر میں اجالا ہو گیا ہے۔" ایسی باتیں کہنے کی عادت اسے بالکل ہی نہ تھی۔ اس لئے اس نے سوچ رکھا تھا کہ کمرے میں داخل ہوتے ہی یہ جملہ پہلے ہی جھپا کے سے فوراً بول جاؤں گا۔ لیکن بپن کو دیکھتے ہی بات جیسے حلق میں اٹک سی گئی۔ اور پھر اس کے بعد ذکر چلا شاستر اور گرو کا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس کا منہ بالکل ہی

بند ہوگیا۔ دل ہی دل میں جو تیاریاں وہ کر رہا تھا سب کی سب پہلے ہی رکاوٹ میں بیکار ہوگئیں۔ کمو کے چہرے کی طرف نگاہ ڈالی، تو وہاں ایک خوف سا چھایا ہوا نظر آیا۔ معلوم ہوتا تھا جیسے کہ وہ سراپا فکر و اندیشہ بن گئی ہے۔ اور کوئی دن ہوتا تو اس کی طرف اس کی نگاہ پڑتی بھی نہیں۔ لیکن آج اس کے دل میں جو ایک جوت جاگ گئی تھی، اس سے اس کی بصارت بھی جیسے کچھ زیادہ ہوگئی تھی۔ آج کے دن اُسے کمو سے قربت کا ایک پرزور احساس ہو رہا تھا۔ آج کے دن کمو کے چہرے پر یہ اداسی، یہ بے توجہی اس کو ایک بے رحمی ایک ناانصافی معلوم ہوئی۔ پھر بھی اس نے یہ عزم کیا کہ آج اپنے راستے سے ڈگوں گا نہیں۔ لیکن اتنا تو بہر حال ہوگیا کہ آج کے مرحلہ کو جس قدر وہ آسان سمجھ رہا تھا اتنا آسان نہ رہا۔ کچھ دیر چپ رہنے کے بعد وہ بولا "بڑی بہو! اٹھ کے جانے کی فکر میں ہو شاید؟ اک ذرا بیٹھو گی نہیں؟"

مدھوسودن کی بات اور اس کا لہجہ سن کے کمو سخت متحیر ہوئی۔ بولی "نہیں! جاؤں گی نہیں؟"

"تمہارے لئے ایک چیز لایا ہوں، کھول کے دیکھو" اتنا کہہ کے اس نے جیب سے ایک سنہری ڈبیہ نکال کر اس کے ہاتھ میں دیدی۔ ڈبیہ کھولی تو کمو نے دیکھا وہی اس کے بھائی کی دی ہوئی نیلم کی انگوٹھی رکھی ہے۔ دل دھڑک اٹھا۔ سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کرے۔

"یہ انگوٹھی اپنی انگلی میں مجھے پہنانے دو گی؟"

کمو نے ہاتھ بڑھا دیا مدھوسودن کمو کا ہاتھ اپنی گود میں رکھے آہستہ آہستہ انگوٹھی اس کی انگلی میں پہنانے لگا۔ اور جان بوجھ کے دیر لگائی، پھر ہاتھ اٹھا کے چوم کر بولا "تمہاری یہ انگوٹھی تمہاری انگلی سے اُتار کر میں نے غلطی کی تھی۔ تمہارے ہاتھ میں رہ کے کوئی نگینہ بھی کوئی بُرا اثر نہیں دکھا سکتا۔"

کمو کو اگر کوئی پیٹتا بھی تو اس کو اتنی دہشت نہ ہوتی، جتنی اس وقت ہو رہی تھی۔ کمو کی یہ بچوں جیسی دہشت، مدھوسودن کو بہت ہی پیاری معلوم ہوئی۔ کمو کے چہرے کے رنگ ہی سے یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ یہ تحفہ اس کی نظر میں کوئی معمولی تحفہ نہ تھا۔ لیکن اس کے علاوہ مدھوسودن نے اور بھی ایک چیز چھپا رکھی تھی۔ بولا "تمہارے میکے سے کالو مکرجی آیا ہے۔ اس سے ملاقات کروگی؟"

کمو کا چہرہ روشن ہو گیا۔ بولی "کالو دا آئے ہیں۔!"

"انھیں بلوا دوں۔ تم لوگ جب تک باتیں کرو۔ میں کھانا کھا آؤں"۔ کمو کی آنکھوں میں احسان مندی کے آنسو ڈبڈبا آئے۔

تینتالیسواں باب

چیٹرجی گھرانے کی زمینداری کی دیکھ بھال کالو کے لئے موروثی خدمت تھی۔ بھروسہ کے تمام کام اسی کے ہاتھ سے ہوتے تھے۔ اس کے مورثوں میں سے کسی ایک نے چیٹرجی گھرانے کے لئے جیل کی سزا بھگتی تھی۔ آج کالو، بھوسودن کو سود کی ایک قسط ادا کر کے رسید لینے آیا تھا۔ ناٹا قد، گورا رنگ، بھرا بھرا چہرہ، ایک ذرا ترچھی پھیلی پھیلی سی آنکھیں، ان پر کھچی کھچی گھنی بھوئیں۔ بڑی بڑی خوب گھنی مونچھیں اور سر کے بال قریب قریب سیاہ، بڑے اہتمام سے چنی ہوئی شانتی پوری دھوتی پہنے اور اس پر مالکوں کی شان برقرار رکھنے کے لئے ایک پرانا مگر قیمتی جامہ وار کا کرتا۔ ایک انگلی میں انگوٹھی بھی تھی ــــــ جس کا نگینہ بہت کم قیمت نہ تھا۔ کالو کے کمرے میں داخل ہوتے ہی، کمو نے اسے پرنام کیا۔ دونوں قالین پر بیٹھ گئے۔ کالو نے کہا "چھوٹی کھوکھی[1] ابھی چند دن ہی تو ہوئے ہیں تمہیں وہاں سے آئے ہوئے مگر معلوم ہوتا ہے جیسے تمہیں برسوں سے نہیں دیکھا۔"

"پہلے یہ بتاؤ گردادا کیسے ہیں؟"

---

[1] کھوکھی: بچی، بیٹا۔

"بڑے بابو کے لئے تو ادھر بڑی پریشانی میں گذری ہم سب کی، تم جس دن آئیں اس کے دوسرے دن سے مرض خوب بڑھ گیا تھا۔لیکن آدمی بڑے ضبط کے ہیں، اور جسم میں طاقت بھی ہے اس لئے سنبھال لے گئے۔ ڈاکٹر بھی حیران رہ گئے تھے۔"

"دادا کل آرہے ہیں؟"

"بات تو یہی طے تھی۔لیکن ابھی دو دن اور دیر ہوگی، پورنیما پڑ گئی، اس لئے سب نے انھیں آنے سے منع کیا کہ ایسا نہ ہو پھر کہیں بخار آجائے۔خیر یہ تو ہوا۔تم بتاؤ کیسی رہیں؟"

کالو کا جی نہ چاہا کہ کچھ بولے، کچھ دل ہی دل میں سوچنے لگا، "کمو کے چہرے پر جو ملاحت تھی وہ کہاں گئی؟ آنکھوں کے نیچے یہ سیاہ حلقے کیسے ہیں۔اس کا اتنا کھلتا ہوا رنگ اتنا پھیکا کیوں پڑ گیا؟" کمو کے دل میں بھی ایک سوال اٹھ رہا تھا' لیکن وہ منہ کھول کے پوچھنا نہ چاہتی تھی، "دادا نے کیا مجھے کچھ کہلا نہیں بھیجا؟" اس کے اس ناکردہ سوال کے جواب ہی میں گویا کالو نے کہا "بڑے بابو نے میرے ہاتھ تمہارے لئے ایک چیز بھیجی ہے۔

کمو نے بے قراری سے پوچھا "کیا بھیجا ہے، کہاں ہے وہ چیز؟"

"اسے باہر ہی چھوڑ آیا ہوں۔"

"یہاں کیوں نہ لائے؟"

"پریشان نہ ہو بیٹا۔ مہاراجہ نے کہا ہے کہ وہ خود ہی لے کر آئیں گے۔

"کیا چیز ہے یہ تو بتاؤ۔"

"انہوں نے مجھے بتانے کے لئے منع جو کیا ہے۔" پھر کمرے کے چاروں طرف نگاہ ڈال کے کالو نے کہا۔ "بڑے آرام اور جتن کے ساتھ تمہیں رکھا ہے،

انہوں نے ــــ بڑے بابو سے جاکر کہوں گا۔ کتنے خوش ہوں گے وہ۔ پہلے دو دن جو تمہاری کوئی خبر نہ ملی، تو وہ بہت بے چین رہے تھے۔ ڈاک کا کچھ گول مال ہو گیا تھا اس لئے تین خط انہیں ساتھ ساتھ ملے۔

کالو دا سے کمو کھانا کھانے کے لئے کہنا چاہتی تھی۔ مگر ہمت نہ ہوتی تھی۔ ہچکچاتے ہوئے آہستہ سے پوچھا "کالو دا کھانا تو تم نے ابتک نہ کھایا ہو گا؟"

"دیکھتا ہوں کہ کلکتہ میں شام کے بعد کچھ کھانا مجھ سے برداشت نہیں ہوتا بیٹا اس لئے رام داس کبیراج کے یہاں سے مکر دھج لے کے استعمال کر رہا ہوں، مگر ابتک تو کچھ فائدہ نہ ہوا۔"

کالو سمجھ گیا کہ ابھی اس گھر میں نئی نویلی ہے، اس لئے ابتک کمو نے گھر کی مالکن ہونے کا اختیار استعمال کرنا سیکھا نہیں ہے۔ منہ کھول کے کھانا کھانے کے لئے کہنا اُسے ممکن نہ ہو سکے گا۔ کہتے تکلیف ہی ہو گی۔

اتنے ہی میں موتی کی ماں نے آکر دروازے کی آڑ سے کمو کو ہاتھ سے اشارہ کر کے پاس بلایا اور کہا "تمہارے گھر سے مکھر جی مہاشے آئے ہیں۔ ان کے لئے کھانا تیار ہے۔ انھیں نیچے کے کمرے میں لے آؤ، میں کھلا دوں گی۔"

کمو کمرے میں واپس آکے بولی "کالو دا یہ تم اپنے ان کبیراج جی کی بات رہنے دو۔ تمہیں کھانا کھا کے ہی جانا پڑے گا۔"

غضب کی بات ہے یہ تو ظلم ہو گا مجھ پر ۔ . . . . اور کسی دن آکے کھا لوں گا۔"

"نہیں، ایسا تو ہو ہی نہیں سکتا۔ آؤ چلو!"

آخر ثابت یہ ہوا کہ مکھر دھج نے کافی اثر کیا تھا۔ بھوک کی ذرا بھی کمی محسوس نہ ہوئی۔

کالو دا کا کھانا ختم ہوتے ہی کمو اپنے کمرے میں چلی آئی۔ آج اس کا دل میکے کی یاد سے بھرا ہوا تھا۔ اتنے دنوں کے اندر لوز نگر کے خانہ باغ میں آم کے درخت بوروں سے لد چکے ہوں گے۔ اودی اودی جامنوں کے پیڑ کے نیچے تالاب کے کنارے چبوترے پر بال بکھرائے، باھوں کا تکیہ لگائے، لیٹے لیٹے کمو نے کتنی ہی سنسان مدھ مکھیوں کی بھنبھناہٹ سے گونجتی ہوئی دوپہر، دھوپ چھاؤں کے سائے میں گذاری تھی۔ اس وقت دل میں ایک انجانا اور بے سبب سا درد نہ اٹھتا۔ اس کی سمجھ میں نہ آتا کہ اس درد کے معنی کیا ہیں؟

اسی شام کے دھندلکے میں، برج کے راستے پر گایوں کی اڑاتی ہوئی دھول اس کے درد بھرے دل کے خوابوں کو رنگین بنا جاتی۔ وہ یہ سمجھ نہ سکتی تھی کہ اس کے شباب کے خیالی، اور نایافتہ رفیق، نے اس کے جیون ساگر کی تہہ میں مایا گھول دی ہے۔ رادھا کرشن کی جگل مورتی کا تصوّر کرتے وقت جس نے اس سے آنکھ مچولی کھیلی تھی، اسی کو اپنے اسراج سے نکلتی ہوئی ملتانی دھن کی لہروں کے ذریعے کھینچ کر، اس نے اپنے نہاں خانۂ دل میں چھپا رکھا تھا۔ اس کی اُٹھتی ہوئی جوانی کے خیالی محبوب کی کتنی پرچھائیاں اس گھر کے کونے کونے میں بکھری نظر آتی تھیں۔ کھلی ہوئی چھت سے گاؤں کی آڑی ترچھی پگڈنڈیوں کے کنارے کنارے، پھولوں کی آگ سے لہکتے ہوئے، سرسوں کے کھیت نظر آئے۔ کھڑکی سے لگی ہوئی دیوار کے کنارے مٹی کا ایک توہ تھا، اس پر سیاہی مائل سبز کائی کی لکیریں، جیسے کسی پرانی بھولی بسری کہانی کی دھندلی سی تصویر ہو۔ صبح کو سو کے اٹھتے ہی، جب وہ دو منزلہ پر اپنی خوابگاہ کے جنگلے سے باہر نگاہ ڈالتی، تو دور اُفق پر نیلے آسمان سے ملے ہوئے سپید بادبان نظر آتے۔ کشتیاں افق کے کنارے یوں بہتی نظر آتیں جیسے دل سے اُٹھتی ہوئی تمناؤں کی بے مقصد لہریں۔

نوجوانی کا یہ سراب ہی اس کے ساتھ کلکتہ آیا اور اسکی پوجا اور اس کی سنگیت میں
میں چھپ بیٹھا۔ اسی نے غیبی آواز کا روپ بھرا، اور اس کی نگاہوں پر پردہ ڈال کر،
اسے اس بیاہ کے جال میں پھنسا کر، خود حقیقت کی کڑی دھوپ میں کہیں گم ہو گیا۔

اتنے ہی میں مدھوسودن نہ جانے کب اس کے پیچھے آ کھڑا ہوا، اور خاموشی
سے دیوار میں لٹکے ہوئے آئینہ میں کمو کے چہرے کا اتار چڑھاؤ ٹکٹکی لگائے دیکھتا
رہا۔ سمجھ گیا کہ اس وقت کمو جس عالم خیال میں کھوئی ہوئی ہے، اس ان جانے، ان دیکھے
عالم تک، اس کی پہونچ ممکن نہیں۔ کوئی اور دن ہوتا تو کمو کی یہ کھوئی کھوئی سی کیفیت
دیکھکر اسے غصہ آ گیا ہوتا۔ لیکن وہ نہایت ہی پر سکون اداسی کے ساتھ کمو کے
پاس آکر بیٹھ گیا اور بولا "کیا سوچ رہی ہو بڑی بہو؟"

کمو چونک پڑی۔ چہرہ فق ہو گیا۔ مدھوسودن اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں
لے کر اسے کھینچتا ہوا بولا "تم کیا کسی طرح بھی میرے قابو میں نہ آؤ گی؟" اس سوال
کا جواب وہ ڈھونڈھے بھی نہ پا سکی۔ یہی سوال وہ خود اپنے دل سے بھی کیا کرتی تھی
کہ آخر وہ مدھوسودن کی پوری طرح کیوں ہو نہیں پاتی، جب مدھوسودن اس سے
سخت برتاؤ کیا کرتا تھا، اسوقت تو اس سوال کا جواب دینا سہل تھا۔ لیکن اب جو
اسنے ہار مان لی، تو کمو کے پاس اپنے آپ کو ملامت کرنے کے سوا اور کوئی جواب
نہ تھا۔ جان و دل، جسم و جان کے ساتھ پوری طرح اپنے آپ کو شوہر کے حوالے
نہ کرنا، بہت بڑا گناہ ہے۔ اس میں کمو کو ذرہ برابر بھی شک نہ تھا۔ پھر بھی، نہ جانے
کیوں، اس کے دل کا یہ حال تھا۔ عورتوں کا تنہا مقصدِ زندگی تو ستی ساوتری بن
جانا ہی ہے۔ اس مقصد سے دور ہٹ جانے میں جو تباہی اور ذلت ہوتی ہے وہ
اسی سے اپنے آپ کو بچانا چاہتی تھی — اس لئے آج بہت مضطرب ہو کر مدھوسودن
سے بولی "مجھ پر رحم کرو تم!"

"آخر کیا رحم کرنا ہوگا؟"

"مجھے تم اپنا بنا لو۔ مجھ پر حکومت کرو۔ مجھے سزا دو۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میں تمہارے لائق نہیں"۔

یہ بات سن کر انتہائی کرب کے عالم میں بھی مدھوسودن مسکرانے لگا۔ کمّو نیک بی بی کے فرائض ادا کرنا چاہتی ہے۔ وہ اگر ایک عام گھر والی ہوتی تو اس کا اتنا کہنا ہی کافی ہوتا۔ لیکن مشکل تو یہ تھی کہ وہ بیاہتا بی بی سے بہت زیادہ اونچی تھی۔ اسکی اس اونچائی کو پا لینے کے لئے وہ اونچی سے اونچی بولی بول رہا تھا، مگر سب پھیکا ہی جا رہا تھا۔ بار بار اپنی ہی کم مائیگی کا احساس اسے ہو رہا تھا۔ کمّو اور اپنے درمیان، جو ناقابل عبور تفاوت تھا، اس کا احساس روز بروز اس کے اضطراب و اضطرار کو بڑھاتا جا رہا تھا۔

ایک ٹھنڈی سانس کھینچ کر بولا "تمہیں ایک چیز دوں تو اس کے بدلے میں کیا دو گی۔ بتاؤ تو؟"

کمّو سمجھ گئی کہ وہی اس کے بھائی کی بھیجی ہوئی چیز ہوگی۔ بڑے اشتیاق سے اس کے چہرے کی طرف دیکھنے لگی۔

"لیکن جیسی قیمتی چیز ہے، اس کا دام بھی ویسا ہی لوں گا" اتنا کہہ کے اس نے پلنگ کے نیچے سے ریشمی غلاف چڑھا ہوا ایک اسراج نکالا اور غلاف اتار کر رکھ دیا۔ یہ کمّو کا وہی جانا پہچانا اسراج تھا، جس پر ہاتھی دانت کا کام بنا ہوا تھا۔ سسرال آتے وقت یہ اسراج وہ میکے ہی میں چھوڑ آئی تھی۔

مدھوسودن بولا "خوش تو ہو گئیں نا؟ اب دام دو۔"

مدھوسودن کیا دام مانگتا ہے، کمّو کی سمجھ میں نہ آیا۔ خاموش تکتی رہی۔ وہ پھر بولا، "بجا کے سناؤ مجھ کو۔"

فرمائش کچھ ایسی مشکل تو نہ تھی۔ پھر بھی اُسے یہ مطالبہ گراں ہی معلوم ہوا۔ کیونکہ کمو کو یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ مدھو سودن کو موسیقی سے کوئی لگاؤ نہیں۔ ایسے بے رس آدمی کے سامنے بجانے میں جو ایک تامل ہوتا ہے، اس کو دور کرنا کمو کے لئے مشکل تھا۔ وہ سر جھکائے اسراج کے تاروں کو چھیڑنے لگی۔

مدھو سودن نے کہا "بجاؤ نا، بڑی بہو۔ میرے سامنے بجانے میں شرماتی کیوں ہو؟"

کمو بولی "سُر نہیں ملتے۔"

"تمہارے دل ہی کا سُر نہیں ملتا۔ صاف صاف یہی کہو نا"

بات کی تلخ سچائی سے کمو کے دل پر ایک چوٹ سی لگی۔ بولی "ساز ٹھیک کر کے رکھوں گی۔ تمہیں اور کسی دن سناؤں گی۔"

"کب سناؤ گی یہ طے کرو۔ کل؟"

"اچھا، کل ہی سہی۔"

"شام کو جب آفس سے واپس آؤں گا اسوقت؟"

"ہاں، اسی وقت۔"

"اسراج پا کے بہت خوش ہو نا؟"

"ہاں بہت خوش ہوں۔"

شال کے اندر سے ایک چمڑے کا کیس نکال کر بولا "تمہارے لئے جو یہ موتیوں کا ہار لایا ہوں۔ اس کو پا کے اتنی ہی خوشی ہو گی؟"

اتنا نازک اور مشکل سوال کرنے کی ضرورت کیا تھی؟ کمو، خاموشی کے ساتھ اسراج کے تاروں کو بیٹھی چھیڑتی رہی۔

"سمجھ گیا! درخواست نامنظور ہوئی۔"

کمو اس جملہ کا مطلب صاف سمجھ نہ پائی۔

مدھوسودن پھر کہنے لگا، "آرزو یہی تھی کہ اپنے دل کی یہ عرض تمہارے دل کی عدالت میں پیش کر دوں گا۔ مگر عرض سننے سے پہلے ہی مقدمہ خارج ہو گیا۔"

کمو کے سامنے زیور کا ڈبہ فرش پر کھلا پڑا تھا۔ دونوں خاموش تھے۔ کبھی کبھی کمو جیسے بیٹھے بیٹھے کھو جایا کرتی تھی، ویسے ہی کھوئی کھوئی سی بیٹھی رہی۔ ایک ذرا دیر بعد چونکی اور ہار اُٹھا کے گلے میں ڈال کر مدھوسودن کو جھک کر پرنام کیا۔ پھر پوچھا "تم میرا بجانا سنو گے۔؟"

"ہاں، سنوں گا۔"

"ابھی، اسی وقت سناؤں گی۔" یہ کہہ کے، اسراج کے سُر ملانے لگی۔ کدارے کی الاپ سے شروع کرنے کے بعد، وہ یہ بھول گئی کہ کمرے میں اور کوئی بیٹھا ہے یا نہیں۔ کدارے سے پھر چھایانٹ تک پہونچی اور جو گانا وہ بہت زیادہ پسند کرتی تھی وہی شروع کر دیا۔ "ٹھاری رہو میری آنکھن کے آگے"۔ سُروں کی اس فضا میں رنگین پرچھائیاں ڈالتا، اُسی بے مثال روپ کا ظہور ہوا جسے کمو نے اپنے گیتوں میں پایا تھا، اپنی روح میں پایا تھا اور آنکھوں میں پانے کی پیاس بجھانے کے لیے رات دن منتیں کرتی رہتی تھی۔ "ٹھاری رہو میری آنکھن کے آگے"۔

مدھوسودن میں موسیقی کی اصلی روح سمجھنے کی صلاحیت نہ تھی۔ لیکن کمو کے عالم فریب چہرے پر جو کیف نغمہ پھیلا ہوا تھا، اسراج کے پردوں کے اندر کمو کی انگلیوں کے لمس سے جو بول ناچ اُٹھے تھے، انھوں نے اس کے دل میں بھی ایک ہلچل پیدا کر دی ۔۔ اسے ایسا محسوس ہونے لگا جیسے کوئی اس پر نعمتوں کی بارش کر رہا ہے۔ اسی بے خودی کے عالم میں بجاتے بجاتے دفعتاً کمو کی نظر ادھر پڑ گئی، تو دیکھا کہ مدھوسودن اسے ٹکٹکی لگائے دیکھ رہا ہے۔ اس کے ہاتھ دفعتاً رک گئے۔

شرما کے بجانا بند کر دیا۔ مدھوسودن کے دل میں سخاوت کا جوش اُٹھا۔ بولا "بڑی بہو! کیا چاہیئے تمہیں، بولو؟" کمو اگر یہ بھی کہتی کہ کچھ دنوں کے لیئے میں دادا کی سیوا کرنے کے لیئے جانا چاہتی ہوں، تو مدھوسودن اس وقت اس پر بھی خوشی سے راضی ہو جاتا کیونکہ آج وہ کمو کے چہرے پر موسیقی کی پیدا کی ہوئی دمک دیکھ کر دل ہی دل میں کہہ رہا تھا کہ "لکشمی تو سچ مچ میرے گھر آگئی ہے۔ کیسی تعجب خیز بات ہے۔"

کمو نے اسراج زمین پر رکھ دیا اور خاموش بیٹھ گئی۔

مدھوسودن نے اور ایک بار بڑی لجاحت سے کہا۔ "بڑی بہو! آج تم مجھ سے کچھ مانگو۔ جو مانگوگی وہ پاؤگی۔"

کمو بولی، "مُرلی بیرے کو ایک گرم کپڑا دینا چاہتی ہوں۔"

کمو اگر یہ کہتی کہ میں کچھ نہیں چاہتی تو بھی بہتر ہوتا۔ لیکن یہ مُرلی بیرے کیلئے کمبل! یہ تو جو سر کا تاج دے سکتا ہو اُس سے جوتے کے فیتے مانگنا ہوا۔

مدھوسودن دم بخود بیٹھا رہا۔ غصہ آیا اُسی بیرے غریب پر۔ بولا، "معلوم ہوتا ہے یہ کمبخت مُرلی تمہیں تنگ کرتا ہے۔"

"نہیں، میں خود ہی اس کو ایک الوان دے رہی تھی۔ لیکن اس نے نہ لیا۔ تم اگر حکم دو گے تو شاید اسے لینے کی ہمت ہو۔"

مدھوسودن تھوڑی دیر کچھ سوچتا رہا۔ پھر بولا "بھیک دینا چاہتی ہو؟ اچھا دیکھوں تو کہاں ہے تمہارا الوان۔"

کمو اپنا وہی پُرانا بادامی رنگ والا الوان لے آئی۔ مدھوسودن نے اسے اوڑھ لیا۔ تپائی پر چھوٹی سی گھنٹی رکھی تھی۔ اسے بجایا تو ایک بوڑھی داسی آئی، اُس سے کہا "مُرلی بیرے کو بلا لاؤ۔"

مُرلی آ کے ہاتھ جوڑ کر کھڑا رہا۔ سردی اور خوف سے اس کے دونوں ہاتھ

کانپ رہے تھے۔

"تمہاری رانی ماں نے تمہیں انعام دیا ہے"! یہ کہہ کر اس نے اپنے جیبی بٹوے سے ایک سو روپے کا نوٹ نکالا، اور اس کی تہیں کھول کر کمو کے ہاتھ پر رکھدیا۔ مدھوسودن نے زندگی بھر اتنا بڑا دان کبھی کسی کو بے غرض دیا ہی نہ تھا۔ یہ محال سی بات ممکن ہوتے دیکھکر، مُرلی بے چارے کے آئے حواس جلتے رہے۔ بہت ہی لرزتے ہوئے لہجے میں بولا "ہجور!"

"ہجور کیا ہے؟ اُلّو کہیں کا۔ لے اپنی رانی ماں کے ہاتھ سے بخشش لے لے اسی روپئے سے جتنے جی چاہے گرم کپڑے بنا لے۔"

یہ معاملہ یہیں پر ختم ہوا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ اس دن کے اور معاملے بھی وہیں پر ختم ہو گئے۔ جس سوتے کی لہروں سے کمو کا دل امنڈ آیا تھا، وہ سوتا ہی دفعتاً جیسے رُک گیا۔ مدھوسودن کے دل میں بھی جوار آئی تھی اور اسکی تنگدلی کے کناروں کو بہالے گئی تھی وہ بھی اس ہیرے کے لئے ایک حقیر سی خواہش کرتے ہی جیسے رک سی گئی اور آہستہ آہستہ تہہ نشین ہو گئی۔ اس کے بعد سے گفتگو کا سلسلہ جاری رکھنا دونوں کے لئے ناممکن ہو گیا۔ نیل والے تعلقہ کی خریداری کے متعلق بات چیت کرنے کے لئے شام ہی سے باہر کے کچھ لوگ آئے بیٹھے تھے۔ مدھوسودن یہ بات بھول ہی گیا تھا۔ دفعتاً یاد جو آئی تو چونک پڑا اور اپنے اوپر آپ نفریں کرنے لگا۔ فوراً اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور بولا "کام ہے مجھے۔ اب چلا" یہ کہتا ہوا جلدی جلدی باہر چلا۔ راستہ میں شیام سندری کے کمرے کی طرف سے گذرا تو نہایت ہی صاف اور بلند آواز میں پکار کر پوچھا۔

"کمرے میں ہو؟"

شیام سندری نے آج کھانا نہیں کھایا تھا۔ ایک چادر سے مُنہ ڈھانکے

چٹائی پر بہت اداس پڑی تھی۔ مدھوسودن کی پکار سنتے ہی جلدی سے اُٹھ کر باہر دروازہ پر جا کھڑی ہوئی، اور پوچھا "کیا ہے ٹھاکر پو؟"

"پان نہیں دیئے تم نے آج مجھ کو؟"

چوالیسواں باب

باہر اندھیرے میں کواڑ کی اوٹ میں ایک ہستی بڑی دیر سے چپکی کھڑی تھی وہ ہستی تھی بابل کی۔ بڑی ہمت کی تھی۔ غریب نے۔ وہ مدھوسودن سے یوں ڈرتا تھا جیسے کوئی ملک الموت سے ڈرے۔ پھر بھی وہ کاٹھ کی مورت بنا وہاں چپکا کھڑا تھا۔ اس دن مدھوسودن سے ڈانٹ سننے کے بعد پھر اپنی جیٹھی ماں کے پاس آنے کا اسے موقع ہی نہ ملا تھا۔ اس کا دل بے چین رہتا۔ آج شام کو آنے میں خطرہ تھا۔ مگر اس کی ماں اسے جب بستر پر سلا کے اپنے کام دھندے میں لگ گئی، تو دفعتاً اس کے کان میں اسراج کی آواز آئی۔ کیا بج رہا ہے، یہ تو اس کی سمجھ میں نہ آیا۔ کون بجا رہا ہے یہ بھی معلوم نہ ہو سکا۔ مگر اس کا یقین تھا کہ یہ آواز آرہی ہے جیٹھی ماں کے کمرے سے۔ اس کا بھی یقین تھا کہ جیٹھا جی کمرے میں نہیں ہیں، اس لئے کہ وہ کبھی یہ سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ مدھوسودن کی موجودگی میں کوئی باجا بھی بجا سکتا ہے۔ دومنزلہ پر چڑھتے ہی جب کمرے کے دروازے پر اس نے اپنے جیٹھا جی مہاشے کے جوتے رکھے دیکھے، تو بھاگنا چاہا۔ لیکن جب باہر سے یہ نظر آیا کہ جیٹھی ماں خود بجا رہی ہیں، تو پھر اس کے قدم نہ اٹھ سکے۔ دروازے کی آڑ میں کھڑا سننے لگا۔ وہ تو پہلے ہی سے جیٹھی ماں کو حیرت انگیز ہستی سمجھتا تھا

لیکن آج تو اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ مدھوسودن کے باہر جاتے ہی وہ اپنے اشتیاق کو دبا نہ سکا۔ کمرے میں گھس کے کمو کے گلے سے لپٹ گیا، اور اس کی گود میں بیٹھ کے کان میں بولا "جیٹھی ماں!"

کمو اُسے اپنے سینے سے لگاتی ہوئی بولی "یہ کیا؟ تمہارے ہاتھ اتنے ٹھنڈے کیوں ہیں؟ بارش کی ٹھنڈی ہوا لگ گئی ہے، شاید؟"

ہابل نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کو یہ ڈر ہوا کہ جیٹھی ماں اب مجھے بستر پر سونے کے لئے بھیج دیں گی۔ کمو اسے اپنی شال کے اندر لے کر اپنے جسم کی گرمی سے اسے گرماتی ہوئی بولی "ابتک تم سونے کیوں نہ گئے گوپال؟"

"تمہارا باجا بجانا سننے آیا تھا۔ تم کیسے یہ باجا بجا لیتی ہو جیٹھی ماں۔"

"سیکھ لوگے، تو تم بھی بجا سکو گے۔"

"مجھے سکھا دوگی؟"

ٹھیک اسی وقت موتی کی ماں آندھی کی طرح کمرے میں گھستی ہوئی بولی "یہ دیکھو! لونڈا یہاں چھپا بیٹھا ہے نا؟ میں اُسے چاروں طرف ڈھونڈھتی پھر رہی ہوں۔ ویسے تو شام ہوتے ہی کمرے سے باہر دو قدم جانے میں بدن تھر تھرانے لگتا ہے، اور اسی وقت جیٹھی ماں کے پاس آنے میں ڈر خوف سب غایب۔ چل! سونے چل!!"

ہابل کمو سے چمٹا بیٹھا رہا۔

کمو بولی "ارے تھوڑی دیر اور رہنے دو نا!"

"یوں جو اس کے حوصلے بڑھاتی رہو گی تو پھر مشکل میں پڑو گی۔ لاؤ اسے سلا کے میں ابھی آتی ہوں۔"

کمو کا جی بہت چاہا کہ ہابل کو کچھ کھانے یا کھیلنے کی چیز دے۔ لیکن اس کے

پاس اس وقت دینے کے لائق کوئی چیز نہ تھی، اس لئے صرف اس کا منہ چومتی ہوئی بولی "جاؤ، اب آج سونے جاؤ، میرے لال! کل دوپہر کو تمہیں باجا سناؤنگی"۔

ہابل منہ بنائے ہوئے ماں کے ساتھ اٹھ کر چلا گیا۔

تھوڑی ہی دیر بعد موتی کی ماں واپس آ گئی۔ وہ یہ جاننے کے لئے بے قرار تھی کہ منین کی چال کس حد تک کامیاب ہوئی۔ کمو کے پاس بیٹھتے ہی اس کی نظر پڑی، کمو کی انگلی میں اس نیلم کی انگوٹھی پر۔ سمجھ گئی کہ کام بن گیا۔ بات چھیڑنے کے لئے بولی "دیدی تمہیں اپنا یہ ساز کیسے مل گیا؟"

کمو بولی "دادا نے بھیج دیا ہے"۔

"بڑے ٹھاکر نے لا کر دیا ہے شاید؟"

کمو نے مختصر جواب دیا "ہاں"۔

موتی کی ماں نے کمو کے چہرے پر نگاہ ڈالی، تو اُسے حسرت یا خوشی کسی چیز کا اثر نظر نہ آیا۔

"تمہارے دادا کے متعلق انہوں نے کچھ کہا تھا؟"

"نہیں"۔

"وہ پرسوں ہی آرہے ہیں۔ تمہارے وہاں جانے کی کوئی بات نہیں نکلی تھی؟"

"نہیں دادا کے متعلق کوئی بات بھی نہ ہوئی تھی۔؟"

"تم نے خود کیوں نہ کہا، دیدی؟"

"میں اُن سے سب کچھ کہہ سکتی ہوں مگر یہ نہیں کہہ سکتی؟"

"تمہیں کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہ ہوگی۔ تم یونہی چلی جانا۔ بڑے ٹھاکر کچھ نہ بولیں گے"۔

موتی کی ماں ابتک پوری طرح یہ نہ سمجھ سکی تھی کہ مدھوسودن کا یہ حسن سلوک ہی

کمو کے لئے ایک مصیبت بن گیا ہے۔ اس لئے کہ وہ اس کے عوض جو کچھ مانگتا ہے، وہ اسے دینا چاہتی ہے، پھر بھی دے نہیں سکتی۔ اس کا دل جیسے دیوالیہ ہو گیا ہے اس لئے مدھوسودن سے کچھ اور لے کر قرض کا بوجھ بڑھانے میں، اسے اتنا تامل ہو رہا ہے۔ کمو کے دل میں یہ خیال بھی پیدا ہوا کہ اگر دادا چند دفعہ اور دیر سے آئیں تو اچھا ہی ہو۔"

تھوڑی دیر ٹھہر کے موتی کی ماں بولی "آج تو ایسا محسوس ہوا کہ جیسے بڑے ٹھاکر کا دل بہت خوش ہے۔"

فکرمند نگاہوں سے موتی کی ماں کی طرف دیکھتی ہوئی کمو بولی "میں یہی سمجھ نہیں پاتی کہ یہ خوشی کیوں ہے؟ اسی سے مجھے ڈر معلوم ہوتا ہے مجھے کیا کرنا ہوگا، یہی سمجھ میں نہیں آتا۔"

کمو کی ٹھوڑی پکڑ کے موتی کی ماں بولی "کچھ بھی کرنا نہ ہوگا۔ تم اتنا بھی نہیں سمجھ سکتیں، اتنے دنوں تک وہ صرف تجارت ہی کرتے رہے ہیں۔ تمہاری جیسی لڑکی انھوں نے دیکھی کب ہے۔ رفتہ رفتہ جتنا بھی تمہیں پہچانتے جاتے ہیں، تمہاری قدر بڑھتی جاتی ہے۔"

"جتنا دیکھیں گے اتنا ہی پہچانیں گے۔ مگر میرے اندر تو ایسی کوئی چیز دیکھنے کے لائق ہی نہیں بہن! میں تو خود ہی یہ دیکھ رہی ہوں کہ اندر سے میرا دل بالکل ہی خالی، بالکل ہی سُونا ہے۔ یہ سُونا پن تو روز بروز اور زیادہ صفائی کے ساتھ نظر آنے لگے گا۔ اس لئے جب میں دفعتاً انہیں بہت خوش پاتی ہوں، تو مجھے یہی محسوس ہوتا ہے کہ وہ دھوکا کھا گئے۔ جیسے ہی ان کو اس کا احساس ہوگا، ان کا غصہ اور زیادہ بڑھ جائیگا۔ یہ غصہ ان کا چونکہ حق بجانب ہوگا، اس لئے میں اس سے نہیں ڈرتی۔"

"اپنی قیمت تم کیا جانو دیدی؟ تم جس دن ان لوگوں کے گھر آئی ہو اسی دن

تمہاری طرف سے ان لوگوں کو جو کچھ مل گیا ہے وہ سارا خاندان مل کے بھی تولنا چاہے تو نہ تُل سکے۔ میرے جو بابو صاحب ہیں وہ تو تم پر جیسے مرمٹے ہیں۔ تمہارے لئے تو جب تک وہ سمندر نہ متھ ڈالیں گے انہیں چین ہی نہیں آئے گا۔ میں اگر تم سے محبت نہ کرتی ہوتی تو اسی بات پر مجھ سے اور ان سے اب تک ضرور چل جاتی۔"

کمو ہنستی ہوئی بولی "بڑے بھاگ ہیں ہمارے کہ ایسا دیور ملا ہے۔"

"اور یہ جو تمہاری دیورانی بچاری ہے، وہ تو شاید تمہارے بھاگ کے ستاروں میں راہو یا کیتو ہے نا!"

"تم دونوں میں سے کسی ایک کا نام لینے کے بعد دوسرے کا نام لینے کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔"

موتی کی ماں نے داہنے ہاتھ سے کمو کو گلے لگاتے ہوئے کہا "میری ایک التجا ہے تم سے۔"

"کیا؟ بتاؤ۔"

"تم مجھ سے اپنے دل کی بات کہو۔"

"کیا خوب بات کہی تم نے بہن۔ یہ تو شروع ہی سے دل ہی دل میں کہنا سُننا ہونے ہی لگا ہے۔"

"تم پھر مجھ سے کچھ چھپاؤ مت۔ آخر تم آج اس طرح منہ کیوں بنائے ہو۔ میں یہی سمجھ نہیں پاتی۔"

کمو دم بھر موتی کی ماں کی طرف دیکھتی رہی، پھر بولی "سچی بات بتاؤں۔ مجھے جیسے اپنے آپ سے ڈر لگتا ہے!"

"بھلا یہ کیا بات ہوئی۔ اپنے آپ سے کیا ڈرنا؟"

"میں اتنے دنوں سے اپنے آپ کو جو سمجھ رہی ہوں آج دفعتاً دیکھتی ہوں کہ

میں وہ نہیں ہوں، میں تو اپنے دل کی ساری پونجی سمیٹ کے پورے یقین اور ارادے کے ساتھ آئی تھی۔ دادا ہچکچا رہے تھے، مگر میں نے ضد کر کے اس نئے راستے پر قدم ڈال دیئے۔ لیکن جس ہستی کے سہارے میں نے قدم بڑھائے تھے، وہ آج کہاں ہے؟ کہیں بھی تو نظر نہیں آتی؟“

”تم شاید اُن سے محبت نہیں کر پاتیں؟ اچھا مجھ سے چھپاؤ نہیں۔ صاف صاف بتاؤ کیا کسی سے کبھی محبت کی ہے؟ محبت کس چیز کو کہتے ہیں جانتی ہو تم؟“

”اگر میں یہ کہوں کہ جانتی ہوں تو تم ہنس دوگی؟ سورج نکلنے سے پہلے جیسے روشنی ہوتی ہے، میری زندگی کے اُفق پر محبت بھی ویسے ہی چھا گئی تھی۔ ہر وقت یہی معلوم ہوتا کہ سورج اب نکلا، اب نکلا۔ اسی سورج کے طلوع ہونے کا تصور لئے ہوئے ہی میں نکلی تھی، ہاتھ میں گنگا جلی لئے، پھولوں کی ڈلیا سجائے، جس دیوتا کو اتنے دنوں سے اپنے من مندر میں بٹھائے تھی، مجھے محسوس ہوتا تھا کہ انھیں کی طرف سے مجھے سہارا ملا ہے۔ جیسے کوئی اپنے محبوب سے ملنے چلے، بس بھی ویسے ہی ہمہ تن شوق چلی تھی۔ اندھیری رات بھی اندھیری معلوم نہ ہوتی تھی۔ آج آنکھیں مل کے روشنی میں دیکھتی ہوں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ دل کے اندر جس کو دیکھا تھا وہ کوئی اور تھا، اور باہر یہ کوئی اور ہے۔ اب یہ برس پر برس گھڑیوں پر گھڑیاں کیسے کٹیں گی؟“

”تمہیں کیا یہ محسوس ہوتا ہے کہ تم بڑے ٹھاکر سے کبھی محبت کر ہی نہ سکوگی؟“

”ضرور کر سکتی تھی۔ دل میں کچھ ایسا تصور بھی کر کے آئی تھی جس کے سہارے سب کچھ اپنی پسند کے موافق بنا لینا آسان ہوتا۔ لیکن شروع ہی میں تمہارے بڑے ٹھاکر نے پورے گھروندے کو اپنی ٹھوکر سے گرا دیا۔ اب آج وہی سب باتیں پتھر کی طرح سخت ہو کر میرے دل کو لگ رہی ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے میرے جسم سے اُوپر والی نازک کھال کسی نے رگڑ رگڑ کر چھیل ڈالی ہے۔ اسی سے ہر وقت،

مجھے چوٹ لگتی محسوس ہوتی ہے۔ لگ ہی جاتی ہے جس چیز کو چھوتی ہوں چونک پڑتی ہوں۔ ممکن ہے یہ زخمی کھال رفتہ رفتہ سخت ہو جائے تو پھر سب کچھ سہنے لگوں۔ لیکن زندگی میں کبھی خوشی تو نصیب ہونے سے رہی۔"

"کچھ کہا نہیں جا سکتا بہن۔"

"خوب کہا جا سکتا ہے، کہا کیوں نہیں جا سکتا؟ آج میرے دل میں تل بھر بھی کسی چیز کا موہ نہیں۔ میری زندگی اب ایک بے حیا کی زندگی کی طرح بالکل ہی کھلی پڑی ہے۔ اپنے آپ کو فریب دینے کے لئے بھی، اب کوئی اوٹ باقی نہیں۔ عورت کے لئے موت کے سوا اور کون سا گوشہ پناہ ہے ان کی زندگی کو بیدھ 'بدھاتا' نے ایسے ہی شکنجے میں کس کر بنا لیا ہے۔"

کمو کی زبان سے موتی کی ماں نے ایسی دلدوز اور پُر مغز باتیں آج تک نہ سُنی تھیں۔ خاص کر آج کے دن جبکہ ان دونوں نے اپنی تدبیروں سے بڑے ٹھاکر کے دل کو کمو کی طرف سے خوش کر دیا تھا۔ کمو کی یہ تند و تلخ باتیں سُن کر موتی کی ماں کے دل میں ایک خوف سا سما گیا۔ وہ سمجھ گئی کہ بیل کی جڑ ہی جل گئی ہے اُوپر سے عنایت کا پانی ڈھلکا کے مالی اُسے اب کسی طرح بھی شاداب نہیں کر سکتا۔

تھوڑی دیر بعد کمو پھر بول اٹھی "یہ میں جانتی ہوں کہ یہ جو میں پوری سپردگی اور عقیدت کے ساتھ اپنے آپ کو شوہر کے حوالے نہیں کرتی، یہ میرا بہت ہی بڑا پاپ ہے۔ لیکن مجھے اس مہا پاپ سے اتنا خوف نہیں، جتنا بغیر عقیدت کے اپنے آپ کو سپرد کرنے کے کرب و اندوہ کا ہے۔"

موتی کی ماں ڈھونڈھنے پر بھی کوئی جواب نہ پا سکی، تو دم بخود بیٹھی رہی۔ تھوڑی دیر چپ رہنے کے بعد کمو پھر بولی "تمہاری کتنی اچھی قسمت ہے بہن کون سا ایسا پُن کیا تھا تم نے، جو ٹھاکر سے اس طرح دل و جان کے ساتھ محبت کر سکیں

پہلے میں یہ سمجھتی تھی کہ محبت کرنا ہی آسان ہے۔ سبھی عورتیں اپنے شوہروں سے اپنے آپ ہی محبت کرنے لگتی ہیں۔ لیکن آج یہ دیکھتی ہوں کہ کسی سے محبت کر پانا بہت ہی مشکل ہے۔ ساری زندگی اس تپسیا میں کٹ جاتی ہے۔ اچھا بہن سچ سچ بتاؤ، کیا سب عورتیں اپنے اپنے شوہروں سے محبت کرتی ہیں؟"

موتی کی ماں ایک ذرا ہنس کر بولی "محبت نہ کر کے بھی، تو اچھی بی بی بنا جانا ہے، نہیں تو پھر یہ دنیا چلے کیسے؟"

"اس کا حوصلہ دو مجھ کو۔ کچھ اور نہیں بن سکتی، تو کم از کم اچھی بی بی تو بن سکوں۔ تو اب اسی میں زیادہ ہے، اس لئے ریاضت بھی بڑی کٹھن کرنی پڑتی ہے"۔

"لیکن اس میں رکاوٹ باہر سے ہوتی ہے"۔

"اس رکاوٹ کو اندر سے بھی دور کیا جا سکتا ہے۔ میں ہار نہ مانوں گی"۔

"تم نہ دور کر سکو گی تو اور کون کر سکے گا۔؟"

بارش نے زور پکڑا۔ ہوا سے لیمپ کی لو رہ رہ کر بھڑک اُٹھنے لگی۔ رُکی ہوئی ہوا کے جھونکے رہ رہ کے ایک طائر شب پرہ کی طرح پھڑپھڑا پھڑپھڑا کر پنکھے سے ٹکرا ٹکرا کر آنے لگے۔ کمو کے جسم اور جان دونوں میں ایک جھرجھری سی پیدا ہو گئی۔ وہ پھر بولنے لگی "اب میں اپنے دیوتا کو پکارتی بھی ہوں تو دل سے آواز نہیں نکلتی۔ منتر جپتی رہوں مگر دل جیسے منہ پھیرے الگ الگ رہتا ہے۔ ذرا بھی جواب نہیں دیتا۔ مجھے سب سے زیادہ ڈر اسی بات سے ہونے لگا ہے"۔

باتیں بنا کے جھوٹی تسلی دینے کی ہمت موتی کی ماں کو نہ ہو سکی۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا صرف کمو کو اپنے سینے سے چمٹا لیا۔ اتنے ہی میں باہر سے آواز آئی "منجھلی بہو!" کمو خوش ہو کے بول اٹھی "آؤ آؤ ٹھاکر پوا"۔

"شام کے وقت گھر کی روشنی کو اپنے کمرے میں نہ دیکھا اس لئے ڈھونڈھتا

پھر رہا ہوں۔

موتی کی ماں بولی " ہائے ہائے بے چارا سانپ۔ غریب کا من چھن گیا۔"

"کون من ہے اور کون سانپ وہ تو کنڈلی دیکھتے ہی سمجھ میں آسکتا ہے۔ تم کیا کہتی ہو بہورانی؟"

"مجھے ثالث نہ بناؤ، ٹھاکر پو!"

"سمجھا سمجھا۔ بنایا تو میں ہی گھاٹے میں رہوں گا۔"

"اچھا بھئی تم اپنی کھوئی دولت کو اب ڈھونڈھ چکے، واپس مے جاؤ۔ میں روکوں گی نہیں۔"

"کھوئی ہوئی دولت کی ان کو کوئی تلاش نہیں دیدی۔ یہ تو صرف اس بہانے سے بہورانی کے قدم لینے آئے ہیں۔"

"بہلانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے؟ یہ قدم تو آپ ہی آپ ہاتھ میں آگئے ہیں جو ماورائے تمنا ہے اس کی تمنا کوئی کیا کرے۔ لکشمی دیوی جب آتی ہے تو اپنے آپ ہی آجاتی ہے۔ اس دنیا میں ہزاروں لاکھوں انسان ہیں جو مجھ سے زیادہ لائق ہیں۔ پھر یہ دونوں حسین قدم چھونے کی سعادت تو مجھے ہی نصیب ہوئی۔ اور تو کسی کو نہ ہو سکی۔ بنین کی زندگی تو بن داموں ہی بن گئی۔"

"اُنہہ۔ نہ جانے کیا کیا بک رہے ہو ٹھاکر پو۔ شاید وہ اپنی انسائیکلوپیڈیا ہی سے یہ سب کچھ ڈھونڈھ نکالا ہے۔"

"وہ لوگ ایسی باتیں کیا لکھ سکتے ہیں۔ وہ بچارے کیا جانیں کہ قدم لینا کسے کہتے ہیں۔ بکری کے کھر جیسی نکیلی ایڑی والے جوتوں کی حرم سرا میں، تو ان کمبختوں نے اپنی لکشمیوں کے قدم قید کر رکھے ہیں۔ انسائیکلوپیڈیا والوں کی کیا حیثیت ہے کہ وہ قدموں کی عظمت کو سمجھ سکیں۔ لکشمن نے چودہ برس کا بن باس

میتا کے چرن ہی دیکھ دیکھ کے کاٹ دیا۔ ان چرنوں کی قیمت تو ہمارے دیس کے دیوتا ہی جانتے ہیں۔ اپنے قدموں پر ساری کھینچ لے رہی ہو تو کھینچ لو۔ ڈرنے کی کوئی بات نہیں۔ شام کے وقت کنول منہ چھپا لیتا ہے تو کیا برابر چھپا ہی رہتا ہے —— پھر تو پنکھڑیاں کھل ہی پڑتی ہیں۔"

"بہن سچی بات تو یہ ہے کہ انھیں میٹھی میٹھی باتوں سے ٹھاکر پو نے تمہارا دل موہ لیا ہے۔"

"ذرا بھی نہیں دیدی۔ میٹھی باتوں کا فضول خرچ کرنے والے آدمی یہ نہیں"

"خوشامد کی ضرورت نہیں ہوتی، شاید؟"

"بہورانی عورت کی خوشامد کی بھوک کبھی مٹتی ہی نہیں۔ ضرورت تو خوب ہے، مگر میں تو شیو کی طرح پنجانی (پانچ منہ والا) نہیں۔ میرے اس ایک منہ کی خوشامد پرانی ہو گئی ہے۔ اس میں اب انہیں مزہ نہیں ملتا۔"

ٹھیک اسی وقت مرلی بیرے نے آکر بنین کو خبر دی "مہاراج باہر کے آفس کمرے میں بلا رہے ہیں۔"

طلب کی خبر سنکر بنین بدمزہ ہو گیا۔ اس نے سوچا تھا کہ مدھوسودن آج آفس سے واپس ہوتے ہی سیدھے اپنی خوابگاہ میں چلا جائیگا۔ ناؤ پھر کہیں ریت میں اٹک گئی شاید؟

بنین کے جانے کے بعد موتی کی ماں آہستہ آہستہ بولی "لیکن یہ بات یقین سمجھ لو کہ بڑے ٹھاکر تم سے محبت کرتے ہیں۔"

کمو بولی " اسی پر تو مجھے حیرت ہوتی ہے۔"

"یہ کیا کہتی ہو۔ تم سے محبت کرنا حیرت کی کونسی بات ہے؟ وہ کیا پتھر کے بنے ہوئے ہیں؟"

"میں ان کے لائق نہیں؟"

"دُنیا میں کون سا مرد ہے وہ، تم جس کے لائق نہیں؟"

"کتنی طاقت ہے اُن کی، کتنی عزت، کتنی پختہ عقل ہے۔ کتنے بڑے آدمی ہیں۔ وہ مجھ میں انھیں ملے گا ہی کیا۔ میں کتنی خام ہوں، اس کا پتہ یہاں آکر دو ہی دن میں چل گیا۔ اس لئے جب وہ مجھ سے محبت کرنے لگتے ہیں، تو مجھے سب سے زیادہ ڈر معلوم ہوتا ہے۔ میں اپنے اندر تو ڈھونڈنے پر بھی کچھ نہیں پاتی — اسی تہی دامنی کے ساتھ میں ان کی تمنّا کروں بھی، تو کیسے؟ کل رات بیٹھے بیٹھے دل میں یہی بات آئی کہ میں جیسے ایک بیرنگ لفافہ ہوں۔ مجھے محصول ادا کرکے انہوں نے لیا ہے۔ کھول کے دیکھتے ہی پتہ چل جائے گا کہ اس میں کوئی چٹھی نہیں!"

"دیدی تم نے تو ہنسا مارا! یہ سب میں جانتی ہوں کہ بڑے ٹھاکر کا بہت بڑا کاروبار ہے۔ کاروباری عقل میں بھی کوئی ان کا مدمقابل نہیں۔ لیکن تم کیا انکے کارخانے کی منیجری کرنے آئی ہو، جو لیاقت نہ ہونے سے ڈر رہی ہو۔ بڑے ٹھاکر اگر کھل کر دل کی بات کہیں، تو انہیں کہنا پڑے گا کہ وہ خود تمہارے لائق نہیں۔"

"یہ بات انہوں نے کہی تھی۔"

"لیکن تمہیں یقین نہ آیا؟"

"الٹے مجھے اور ڈر ہوا تھا۔ خیال آیا کہ انہیں میرے متعلق دھوکہ ہوا ہے، یہ دھوکا بہت جلد ہی کھل جائیگا۔"

"تمہارے دل میں یہ خیال کیوں آیا؟ یہ تو بتاؤ دیدی!"

"بتا دوں؟ یہ جو دفعتاً میرا بیاہ ہوگیا۔ یہ سب میرا ہی کیا دھرا ہے — لیکن نہ جانے کس خبط، کس مجنوں جیسی ضد کے ماتحت یہ کام کر بیٹھی تھی۔ جن باتوں نے مجھے اُس دن مدہوش کر رکھا تھا، آج دیکھتی ہوں کہ وہ سب کچھ ایک سراب تھا۔

اس دن مجھے نہ جانے کیا مستحکم یقین اور کیسی سخت ضد سی ہو گئی تھی کہ کوئی مجھے روک نہ سکتا تھا۔ دادا اچھی طرح سمجھ گئے تھے، اس لئے انھوں نے بے فائدہ روک تھام کی کوشش نہ کی، لیکن انھیں کتنا اندیشہ، کتنی بے چینی تھی میں کیا سمجھ نہ سکی تھی؟ سمجھ کر بھی میں نے اپنے جنون کو ایک ذرا بھی روکنے کی کوشش نہ کی۔ ایسی نا سمجھ بن گئی تھی میں۔ اب آج سے زندگی بھر میں دکھ سہتی رہوں گی، دکھ دیتی رہوں گی۔ اور برابر یہ احساس مجھے کچوکے دیتا رہے گا کہ یہ سب کچھ میرا ہی کیا دھرا ہے۔"

موتی کی ماں کی سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ کہے کیا۔ تھوڑی دیر چپ رہنے کے بعد اس نے پوچھا "اچھا دیدی یہ تو بتاؤ کہ تم نے بیاہ کرنے کا فیصلہ کیا تھا تو کیا سوچ کے۔"

"اس وقت میرا ایمان یہ تھا کہ شوہر بھلا ہو یا برا، عورت کے نسائی غرور کا تنہا مدار و مرکز ہے۔ میرے دل میں تل بھر بھی شک نہ تھا، وسوسہ نہ تھا۔ اپنی جگہ یہ اٹل یقین تھا کہ پرجاپتی نے میرے لئے جو شوہر چن لیا ہے، اس سے میں محبت کروں گی ہی۔ بچپن سے ہی میں نے اپنی ماں کو دیکھا تھا۔ پران پڑھے تھے، کتھائیں سنی تھیں۔ مجھے یہ خیال تھا کہ شاستروں کے مطابق اپنی زندگی گذارنا بہت ہی آسان ہو گا۔"

"دیدی انیس برس کی کنواری کے لئے تو شاستر نہیں لکھے گئے تھے!"

"آج سمجھ میں آیا کہ محبت تو جیسے صرف ایک بالائی آمدنی ہے۔ اسے نظر انداز کر کے دھرم کے لنگر کے سہارے تو زندگی کے سمندر میں ناؤ چلانی ہو گی۔ دھرم اگر رسیلا بن کر پھول نہیں دے سکتا، پھل نہیں دے سکتا، تو کم از کم سوکھ کے مرجھانے تو دیگا!"

موتی کی ماں خود کچھ نہ بولی۔ چپکی بیٹھی کمو کی باتیں سنتی رہی۔

پینتالیسواں باب

مدھوسودن نے دفتر پہونچتے ہی دیکھا کہ خبر اچھی نہیں۔ مدراس کا ایک
بہت بڑا بینک فیل ہوگیا۔ اُس بینک سے ان لوگوں کا لین دین تھا۔ اس کے
بعد یہ معلوم ہوا کہ کمپنی کے کسی ڈائرکٹر کی طرف سے کمپنی کے بعض ملازم کاغذ
پتر کی چھان بین کر رہے ہیں۔ اتنے دنوں تک کبھی کسی نے مدھوسودن پر شبہ
کرنے کی جرأت نہ کی تھی۔ ایک شخص نے جو ایک جگہ گرفت کی، تو جیسے سارا
طلسم ہی ٹوٹ گیا۔ بڑے بڑے کاموں میں چھوٹی چھوٹی غلطیاں پکڑنا بہت
آسان ہے۔ جو بڑے بڑے سپہ سالار ہوتے ہیں، وہ اپنی چھوٹی چھوٹی ہاروں سے
ہی گذر کر بڑی بڑی فتحیں حاصل کرتے رہے ہیں۔ اس لیے ان چھوٹی چھوٹی فروگذاشتوں
پر کسی کی نظر نہیں جاتی۔ لیکن یہی چھوٹی چھوٹی فروگذاشتیں، جن جن کے ایک لمبی
فہرست تیار کرلی جائے تو معمولی آدمی بھی اپنی عقل کی بڑائی جتانے کے لیے یہ
کہنے لگتا ہے کہ "میں ہوتا تو ایسی غلطی کبھی نہ کرتا" ان لوگوں کو کون سمجھائے کہ
مدھوسودن نے ٹوٹی ناؤ ہی کنارے لگائی ہے۔ وہ نہ ہوتا تو پار لگانا ممکن ہی نہ ہوتا
اصل میں تو دیکھنا یہ تھا کہ وہ ساحل تک پہونچا یا نہیں۔ آج ناؤ کو ریت پر کھینچ
کر اس کے سوراخ گنتے اور اس پر فیصلہ صادر کرتے وقت ان لوگوں کے قدموں

میں تھرتھری پڑ جاتی ہے، جو اس ناؤ پر بہ حفاظت پار اتر آئے ہیں۔ جو لوگ کاروبار کی دقتوں سے ناواقف ہوتے ہیں، وہ تو ایسے نازک تنقیدی موقعوں پر آسانی سے دوسروں کو بھڑکانے کا موقعہ پا جاتے ہیں۔ عموماً ناواقف لوگ کاروبار کا نفع دیکھتے ہیں، تنقید کرنا نہیں چاہتے۔ لیکن اگر اتفاقاً وہ تنقید کرنے بیٹھتے ہیں، تو پھر وہ ایک عذاب بن جاتے ہیں۔ ان موقعوں پر مدھوسودن کو نہایت شدید حقارت آمیز غصہ آتا۔ لیکن جہاں بے وقوفوں کی سرداری ہو، وہاں اُن سے سمجھوتہ کرنے کے سوا کوئی اور چارہ کار نہیں ہوتا۔ کمزور اور پرانی سیڑھی مچمچاتی ہے، پھسلتی ہے ٹوٹ جانے کا ڈر دکھاتی ہے۔ لیکن جس کو اوپر چڑھنا ہوتا ہے اُسے پاؤں تلے کی ٹیک کو بچا ہی کے رکھنا پڑتا ہے۔ غصہ میں جی تو یہی چاہتا ہے کہ ٹھوکر مار دے لیکن ایسا کرنا تو مصیبت کو اور بڑھانا ہوتا ہے۔ اپنے بچّے کو خطرے میں دیکھکر شیرنی اپنا شکار بھول جاتی ہے۔ اپنے کاروبار کے متعلق مدھوسودن کا بھی یہی حال تھا۔ کیونکہ یہ سارا کھڑاگ تو اسی کا پھیلایا ہوا تھا۔ اس کی تخلیق تھا۔ اس پورے کاروبار کے لیئے اس کے دل میں جو درد تھا، وہ صرف روپیوں کے لیئے نہ تھا، جن میں قوت تخلیق ہوتی ہے، نہ اپنی تخلیق میں ہی اپنے سارے وجود کو سمو دیتے ہیں۔ اور جب وہ خطرہ میں ہو تو، پھر زندگی کے اور سارے دکھ سکھ کی فکر حقیر ہو کر رہ جاتی ہے مدھوسودن ادھر کچھ دنوں سے کمو کی طرف بڑی زوردار کشش سے کھنچا جا رہا تھا۔ لیکن اس وقت وہ کشش بھی فراست پڑ گئی۔ ڈھلتی ہوئی عمر میں اس نے محبت کی ضرورت بڑی سختی سے محسوس کی تھی۔ ایسی محبت کے آثار جب بے وقت ظاہر ہوتے ہیں تو وہ بہت ہی پُرشور اور طوفانی ہو جاتی ہے۔ مدھوسودن کو اس طرف سے کافی دھچکا لگا تھا۔ مگر آج اس کے دل میں اس چوٹ کا بھی احساس نہ تھا۔

بنین جیسے ہی کمرے میں داخل ہوا، مدھوسودن نے اس سے پوچھا "میرے

پرائیوٹ جمع خرچ کا رجسٹر کسی باہر والے آدمی کے ہاتھ پڑ گیا ہے، شاید تمہیں کچھ معلوم ہے؟"

بنین چونک کر بولا "یہ کیا کہتے ہو؟"

"تمہیں پتہ لگانا ہوگا کہ خزانچی کے کمرے میں کسی اور کی آمد و رفت تو نہیں ہو رہی ہے؟"

"رتی کانت تو بہت ہی بھروسے کا آدمی ہے۔ بھلا وہ بھی کبھی ......"

"بات کچھ ایسی آپڑی ہے کہ مجھے یہ شبہ ہو رہا ہے، کہ اس کی لاعلمی میں محرروں سے کوئی سازباز ہو رہی ہے۔ بڑی احتیاط سے پتہ لگانا چاہئے کہ اس میں کون کون لوگ ہیں۔"

نوکر نے آکر خبر دی کہ کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔ مدھوسودن نے اس کی طرف توجہ بھی نہ دی۔ بنین سے کہا "میری گاڑی فوراً تیار کرا دو۔"

بنین بولا "کھانا کھا کے نہ جاؤ گے؟ رات تو بہت کافی آچکی ہے۔"

"باہر ہی کھالوں گا۔ کام ہے۔"

بنین سر جھکائے سوچتا ہوا باہر نکلا۔ وہ جو منصوبہ بنا رہا تھا شاید وہ پٹ پڑ گیا۔

دفعتاً مدھوسودن نے پھر اسے پکار کر بلایا اور کہا "یہ چٹھی کمو کو دے آؤ۔"

بنین نے دیکھا تو بپرداس کا خط تھا۔ سمجھ گیا کہ یہ خط آج صبح ہی آیا تھا۔ مدھوسودن نے اسے اپنے پاس اس غرض سے رکھ لیا تھا کہ شام کو خود اپنے ہاتھ سے دیگا۔ اس کو خواہش سی رہتی تھی کہ کمو سے ملاقات کے لئے جب جائے تو کوئی نہ کوئی نذر ساتھ لے جائے۔ لیکن آج آفس میں جو طوفان اٹھا تو یہ جذباتی منصوبہ بھی اسی طوفان میں ڈوب گیا۔

مدراس کا جو بینک فیل ہوا تھا اس پر سب کو عام طور سے پکّا بھروسہ تھا گھوشال کمپنی کا جو کاروباری تعلق اس بینک سے تھا اس کے متعلق بھی کسی ڈائرکٹر یا حصّہ دار نے ذرّہ برابر شبہ یا اندیشہ نہیں کیا تھا۔ دفعتاً جو یہ کل بگڑ گئی تو لوگوں نے کہنا شروع کر دیا "ہم لوگ تو شروع ہی سے یہ سمجھ رہے تھے۔ ہم نے تو پہلے ہی کہہ دیا تھا" وغیرہ وغیرہ۔

اچانک حملے کے موقعہ پر کاروبار کو تباہی سے بچانے کے لئے، جس وقت سب کو متحد ہو کر اور سر جوڑ کر بچاؤ کی کوشش کرنی چاہئے، اسی وقت لوگ تباہی کا الزام ایک دوسرے پر رکھنے میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ اور آپس میں کسی سے بغض وحسد ہو تو پھر اسے نیچا دکھانے کی فکر میں ڈگمگائے ہوئے کاروبار کو ایسی ٹھوکر لگا دیتے ہیں کہ وہ بالکل بیٹھ جاتا ہے۔

مدھوسودن کو یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ اس معاملے میں بھی ایسی ہی کوشش شروع ہو جائے گی۔ مدراس بینک کے فیل ہو جانے کی وجہ سے گھوشال کمپنی کو کتنا نقصان ہو گا، اس کے صحیح تخمینہ کا ابھی وقت نہیں آیا تھا۔ لیکن اس میں ذرا بھی شک نہ تھا۔ کہ مدھوسودن کی ساکھ اور اس کے اقتدار کو ختم کرنے کے لئے اس معاملے کو مصالحہ کی طرح استعمال کیا جائے گا۔ بہرحال وقت خراب آ گیا تھا۔ اس لئے اس وقت اور تمام باتوں کو بھول کر مدھوسودن کو اسی کے سدھار کے لئے کمر باندھنی پڑی۔

رات کو مدھوسودن سے باتیں کرنے کے بعد، بپن جب اپنے کمرے میں واپس آیا تو دیکھا موتی کی ماں اور کمو ایک بیٹھی باتیں کر رہی ہیں۔ اس نے کہا۔

"بھورانی، تمہارے دادا کی چٹھی آئی ہے۔"

کمو نے چونک کر چٹھی لی۔ کھولتے ہوئے ہاتھ کانپنے لگے۔ یہ خوف ہوا کہ ممکن ہے کوئی بری خبر ہو اس میں۔ ممکن ہے ابھی وہ آ ہی نہ سکتے ہوں۔ بہت

آہستہ آہستہ اس نے لفافہ کھول کے پڑھنا شروع کیا۔ پھر تھوڑی دیر ایک سناٹے میں رہی۔ اس کا چہرہ دیکھتے ہی یہ پتہ چلتا تھا کہ کہیں چوٹ پہونچی ہے۔ بنین سے بولی "آج سہ پہر کو تین بجے دادا کلکتہ پہونچ گئے ہیں۔"

"آج ہی آئے ہیں؟ وہ تو۔۔۔۔"

"لکھا ہے کہ دو دن کے بعد ہی آنے کی بات طے تھی۔ لیکن ایک خاص ضرورت سے پہلے ہی چلا آنا پڑا۔"

اتنا کہہ کے وہ خاموش ہو رہی۔ چٹھی کے آخر میں لکھا تھا کہ طبیعت ذرا سنبھلتے ہی وہ کمو کو دیکھنے آئیں گے۔ ان کے لئے کمو زیادہ مضطرب اور پریشان نہ ہو یہی بات اس نے پہلے والے خط میں لکھی تھی۔ آخر کیوں؟ کیا بات ہوئی ہے۔ کمو سے کون ایسی خطا ہو گئی ہے؟ یہ تو جیسے صاف صاف یہ کہہ دینا ہے کہ تم میرے یہاں نہ آؤ۔ جی میں آیا کہ زمین پر لوٹ پڑے، اور جی بھر کے رولے۔ لیکن آنسو روک کے پتھر کی مورتی کی طرح خاموش بیٹھی رہی۔

بنین سمجھ گیا کہ چٹھی میں کوئی سخت چوٹ دینے والی بات لکھی ہوئی ہے۔ کمو کا چہرہ دیکھ کے اس کا دل دکھنے لگا بولا "بھورانی! تمہیں تو کل ہی ان کے یہاں جانا چاہیئے۔"

"نہیں میں نہ جاؤں گی" کہتے ہی وہ اپنے آپ کو سنبھال نہ سکی۔ دونوں ہاتھوں سے منہ ڈھانپ کر رونے لگی۔ موتی کی ماں کچھ نہ بولی۔ کمو کو اپنی طرف کھینچ سینے سے لگا لیا۔ کمو بھرائے ہوئے لہجے میں بولی "دادا نے مجھے وہاں آنے سے منع کیا ہے۔"

بنین نے کہا "نہیں نہیں، بھورانی تم نے ایکدم غلط سمجھا ہے۔"

کمو نے بڑے تیکھے لہجے سر ہلا کے گویا یہ بتایا کہ اس نے ذرا بھی غلط

نہیں سمجھا۔"

بینن نے کہا "تم نے کیا غلط سمجھا ہے بتاؤں؟ بپرداس بابو نے سمجھا ہوگا کہ میرے دادا تمہیں ان کے یہاں جانے کی ہرگز اجازت نہ دیں گے۔ اگر تم نے کوشش کی تو پھر تمہیں ذلّت اٹھانی پڑے گی۔ تمہیں تکلیف ہوگی۔ اسی سے بچنے کے لئے اُنہوں نے اپنی طرف سے ایسی بات لکھ کے تمہارے لئے آسانی پیدا کردی ہے۔"

یہ بات سُنتے ہی کمو کے دل میں جیسے آناً فاناً ایک گہرا سکون سا پیدا ہوگیا۔ اپنی بھیگی ہوئی پلکوں کے اندر سے اس نے بینن پر ایک شفقت بھری نگاہ ڈالی اور چپکی بیٹھی رہی۔ بینن ہی کا خیال صحیح ہے، اس میں اب اس کو ذرّہ برابر شک نہ رہا۔ بھائی کی محبت پر جو اس نے پل بھر کے لئے شبہ کیا تھا، اس کے احساس سے اُسے ایسی شرمندگی محسوس ہوئی کہ اپنے اوپر آپ نفریں کرنے لگی۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ اپنے دل میں ایک طاقت بھی محسوس کرنے لگی۔ فوراً ہی دوڑ کر بھائی کے پاس جانے کے بدلے یہیں رہ کر اُن کے آنے کا انتظار کرتے رہنے کا حوصلہ دل میں پیدا ہوگیا۔ یہی بہتر بھی تھا۔ موتی کی ماں نے اس کی ٹھوڑی اٹھا کے کہا۔ "واہ، واہ، بھائی کے طرف سے ایک ذرا سی بے رخی کی ہوا سی آگئی تو تمہارے خودداری کے سمندر میں جیسے طوفان سا آگیا۔"

بینن نے کہا "بھورانی، پھر کل تمہارے جانے کا بندوبست کروں جا کے؟"

"تمہیں بھلا کونسی ضرورت ہے۔"

"واہ میرے دادا کو تمہارے دادا جو چاہیں اپنے دل میں سمجھ بیٹھیں، اور میں چپکا بیٹھا رہوں۔ میں تو اپنے دادا کی طرف سے لڑوں گا۔ تم سے ہار ماننے کو میں تیار نہیں۔ کل تمہیں ان کے یہاں جانا ہی پڑے گا۔"

کمو ہنسنے لگی۔

"بہورانی، یہ ہنسنے کی بات نہیں۔ ہم لوگوں کے گھرانے پر اگر کوئی بات آئے گی تو اس میں تمہاری بھی تو توہین ہے۔ اچھا جاؤ اب منہ پر پانی کے چھینٹے ڈال آو۔ کھانا کھانے کے لئے جانا ہے۔ آج مینجر صاحب کے یہاں دادا کی دعوت ہے۔ میرا خیال ہے کہ آج وہ گھر میں سونے بھی نہ آسکیں گے۔ دیکھا ہے کہ باہر والے کمرے ہی میں ان کا بستر لگا ہوا ہے۔

یہ خبر سن کر کمو کو دل ہی دل میں ایک آرام سا محسوس ہوا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے اس آرام کے احساس پر اُسے شرم بھی معلوم ہوئی۔

رات کو سوتے وقت بینن اور موتی کی ماں کے درمیان اس کے متعلق مشورہ ہونے لگا۔ موتی کی ماں نے کہا "تم نے جو دیدی کو اتنا بھروسہ دلا دیا ہے۔ اب کیا ہو گا؟"

"اس کے بعد کیا؟ بینن کا جیسا قول ہے ویسا فعل۔ بہورانی کو جانا ہی ہو گا۔ اس کے بعد، جو ہو سو ہو۔"

نئے بنے ہوئے راجہ کے خاندان والوں کو اپنی عزّت اور شان کا بڑا تیز احساس تھا۔ ان لوگوں نے اپنی جگہ یہ طے کر لیا تھا کہ بیاہ کے بعد، نئی بہو اپنے پہلے درجہ سے بہت اونچی ہو گئی ہے۔ اس کے لئے میکے کو جہاں تک جلد ہو سکے بھول جانا ہی بہتر ہے۔ اس صورت حال میں اگر دونوں طرف کی عزّت نہ بچائی جا سکے تو کم از کم ایک طرف کی عزّت تو بہر حال بچانی ہی ہے۔ اور یہ طرف کونسی ہوگی۔ اس کے متعلق بینن نے اپنے دل میں اچھی طرح سے فیصلہ کر رکھا تھا۔ آج سے پہلے اس کے خواب میں بھی یہ بات نہ آئی تھی، کہ وہ اپنے بڑے بھائی سے اس میدان میں لڑنے کی ہمّت کر سکے گا، جہاں اس کا سب سے

زیادہ اقتدار و اختیار ہے۔

میاں بی بی نے صلاح مشورہ کر کے یہ طے کر لیا کہ کل صبح کو کمو چند دنوں کے لئے ہی سہی اپنے بھائی سے ملاقات کر آئے۔ مدھوسودن کے سامنے یہ تجویز پیش کرنی چاہئے۔ اگر وہ راضی ہو جائے اور کمو وہاں چلی جائے، تو پھر وہاں سے دو چار ہی دن بعد واپس نہ آنے کے لئے کوئی نہ کوئی بہانہ ڈھونڈھ نکالنا مشکل نہ ہوگا۔

مدھوسودن بہت رات گئے گھر واپس آیا اور ساتھ ہی ساتھ کاغذات کا ایک ڈھیر لایا۔ بنین نے جھانک کر دیکھا کہ وہ ابتک سونے نہیں گیا، چشمہ لگائے ہاتھ میں نیلی پنسل لئے، آفس کی میز پر بیٹھا کوئی دستاویز بڑے غور سے پڑھ رہا ہے، اور نشان لگا رہا ہے یا نوٹ بک میں کچھ نوٹ کر رہا ہے۔ بنین ہمت کر کے کمرے میں داخل ہوتے ہی بولا "دادا، میں تمہارے کام میں ہاتھ بٹا سکتا ہوں"۔ مدھوسودن نے مختصراً جواب دیا "نہیں"۔ کاروبار کے اس نازک مرحلے میں وہ تمام کام اپنے ہاتھوں سے ہی کرنا چاہتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ تمام باتیں اس کی نگاہ کے سامنے ہی ہوں۔ اس کام میں دوسروں کا سہارا لینا گویا اپنے آپکو کمزور ثابت کرنا ہوگا۔

بنین کو کچھ کہنے کا موقع نہ ملا، تو کمرے سے باہر آگیا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ جلد کوئی موقع مل بھی نہ سکے گا۔ اِدھر اس نے یہ عزم کر رکھا تھا کہ کل صبح سویرے ہی بھورانی کو روانہ کر ہی دوں گا۔ آج رات ہی کو کسی نہ کسی طرح اجازت حاصل کرنی ہی تھی۔

تھوڑی دیر بعد ہاتھ میں ایک جلتا ہوا لیمپ لئے وہ کمرے میں پھر داخل ہوا اور میز پر رکھتا ہوا بولا "تمہیں روشنی کم پڑ رہی تھی"۔

مدھوسودن نے بھی محسوس کیا کہ اس دوسرے لیمپ کے آجانے سے اسکے کام میں کچھ سہولت ہو گئی ہے۔ لیکن اس بہانے بھی بات کرنے کا کوئی موقعہ نہ ملا۔

اس لئے بنین کو پھر کمرے سے باہر آجانا پڑا۔

بنین تھوڑی دیر بعد پھر مدھوسودن کی استعمالی گڑگڑی تازہ کر کے چلم بھر کے لے گیا اور اس کی کرسی کی بائیں طرف رکھ کر مہنال میز پر ڈال دی۔ مدھوسودن نے محسوس کیا کہ اس کی بھی ضرورت تھی۔ دم بھر کے لئے پنسل رکھ کر مہنال اٹھالی اور کش لینے لگا۔

اسی مہلت میں بنین نے بات چھیڑ دی " دادا! سونے نہیں جاؤ گے۔ رات بہت زیادہ آگئی۔ بہورانی شاید تمہارے انتظار میں بیٹھی جاگتی ہوں گی؟" یہ بات آناً فاناً مدھوسودن کے دل میں جالگی، جہاز اونچی موجوں پر ڈگمگاتا ہوا جارہا تھا۔ ایسے ہی میں ساحل سے ایک چڑیا اڑ کر مستول پر آبیٹھی۔ ویران سمندر کے بیچ میں دم بھر کے لئے کسی سرسبز جزیرے کے گھنیرے جنگل کی سلونی تصویر نگاہوں کے سامنے آگئی۔ لیکن اس وقت تو اس طرف توجہ کرنے کی فرصت نہ تھی۔ جہاز کو آگے بڑھانا ہی ہوگا۔

مدھوسودن کے دل میں پل بھر کے لئے ایک بیتابی سی پیدا ہوئی، لیکن اس نے فوراً ہی اُسے دبا دیا، اور بنین سے کہا " بڑی بہو سے کہدو کہ جاکر سو رہیں آج میں باہر ہی سو رہوں گا۔"

" کہو تو انھیں یہیں بلادوں۔" کہہ کے بنین حقہ کی چلم پھونکنے لگا۔ مدھوسودن جھلا کے بول اُٹھا " نہیں! نہیں!"

لیکن اسی جھنجھلاہٹ کے ساتھ بنین بولا " وہ تم سے ایک بات عرض کرنے کے انتظار میں بیٹھی ہیں۔"

مدھوسودن نے خشکی سے جواب دیا " اس وقت کوئی عرض سننے کا وقت نہیں میرے پاس۔"

"تمہارے پاس وقت نہیں ہے۔ لیکن ان کے پاس بھی تو وقت کم ہے!"

"کیوں؟ کیا ہوا ہے؟"

"بپرا داس بابو آج کلکتہ آگئے ہیں۔ ابھی یہ خبر ملی ہے۔ اس لئے بھوانی کل صبح کو ــــ"

"صبح کو جانا چاہتی ہیں؟"

"زیادہ دنوں کے لئے نہیں۔ بس ایک ذرا جا کے ....."

مدھوسودن ہاتھ ہلاتا ہوا بولا "تو پھر جائیں نا، جائیں۔ بس اور کچھ نہیں، تم جاؤ۔"

حکم پاتے ہی کمرے سے بنین بھاگ نکلا۔ لیکن باہر آتے ہی مدھوسودن کی آواز آئی "بنین!"

اسے ڈر معلوم ہوا کہ دادا شاید حکم واپس لے لیں گے۔ واپس آکے جیسے ہی وہ سامنے کھڑا ہوا۔ مدھوسودن نے کہا "بڑی بہو، ابھی کچھ دنوں اپنے دادا کے یہاں ہی رہیں گی، تم اس کا انتظام کر دینا۔"

بنین کو یہ خوف ہوا کہ ایسا نہ ہو بھائی کی یہ تجویز سن کر، اس کے چہرے پر خوشی کی جھلک آگئی ہو۔ اس لئے کچھ تامل کا انداز لئے ہوئے وہ سر کھجانے لگا۔ بلکہ یہ بھی کہا "بھورانی چلی گئیں، تو گھر خالی خالی معلوم ہو گا۔"

مدھوسودن نے کوئی جواب نہ دیا، گڑگڑی کی نہال میز پر ڈال کے پھر کام میں لگ گیا۔ اس لئے کہ اسے یہ احساس ہو گیا کہ دل فریبی کا راستہ ابھی تک کھلا ہوا تھا۔ مگر اس وقت تو اُدھر سے اکدم منہ موڑنا ہے۔

بنین خوش خوش چلدیا۔ مدھوسودن کا کام چلتا رہا۔ لیکن نہ جانے کب اسکے کام کے دھارے سے بچھڑ ایک اور جذباتی دھارا ابھی اُلٹے رُخ پر چپکے سے بہہ نکلا تھا

یہ خود اس کی سمجھ میں بہت دیر تک نہ آسکا۔ اچانک کام کرتے کرتے، اس نے
پنسل رکھ دی اور مہنال اٹھالی۔ دن کے وقت جب مدھوسودن نے کمو کے
خیال کی گرفت سے پوری طرح رہائی حاصل کرلی تھی، اور پہلے کی طرح اپنے اوپر تنہا
اقتدار و اختیار محسوس کیا تھا، تو اسے خوشی سی محسوس ہوئی، لیکن اس وقت جیسے
جیسے رات بڑھتی جا رہی تھی، ویسے ہی ویسے اس کا یہ اندیشہ بڑھتا جا رہا تھا کہ
دشمن قلعہ چھوڑ کر بھاگا نہیں ہے۔ سرنگ میں چھپا بیٹھا ہے۔

بارش تھم گئی تھی۔ اندھیری رات کا چاند، باغ کے گوشے میں، ایک پرانے
شیشم کے درخت کے اوپر کے آسمان سے آدھی دنیا کو مدھوش بنا رہا تھا۔ ہوا ٹھنڈی
چل رہی تھی۔ مدھوسودن کا جسم بستر کے اندر ایک گرم و نازک لمس کا مطالبہ کرنے لگا۔
نیلی پنسل کو زور سے پکڑ کے وہ پھر کاغذات پر جھک گیا۔ لیکن دل کی فضا میں ایک نہایت
مہین، مگر صاف آواز گونج رہی تھی "بہورانی ممکن ہے بیٹھی جاگ رہی ہوں۔"

مدھوسودن نے عزم کرلیا تھا کہ ایک بہت ضروری کام آج رات ہی ختم کرکے رکھوں گا
اس کام کو صبح کے وقت ختم کرنے میں کوئی زیادہ حرج نہ ہوتا۔ لیکن اپنے ارادے کو
پورا کرنا اس کی کاروباری زندگی کا دھرم تھا۔ اگر اس میں کوئی غفلت ہوتی، تو وہ اپنے
آپ کو کبھی معاف نہ کرتا۔ اتنے دنوں تک اس نے اپنے اس دھرم کا بڑی سختی سے
"پالن" کیا تھا۔ اور اس کا انعام بھی کافی پاتا رہا تھا۔ لیکن دن والے مدھوسودن
اور رات والے مدھوسودن کے سُروں میں رفتہ رفتہ کچھ فرق ہوتا جا رہا تھا۔ جیسے ایک
بین کے دو تار ہوں۔ وہ بڑے آہنی عزم کے ساتھ میز پر جھکا بیٹھا تھا۔ رات جب
جب زیادہ بڑھی تو اسی آہنی عزم کی دیوار میں ایک شگاف سا نمودار ہوا اور
اسی شگاف کے اندر سے یہ آواز، ایک بھونرے کی بھنبھناہٹ کی طرح، اس کے
کان میں گونجنے لگی "بہورانی شاید اب تک بیٹھی جاگ رہی ہوں۔"

وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ روشنی بھی دھیمی نہ کی، کاغذات بھی جیسے تھے ویسے ہی پڑے رہنے دیئے۔ اور خوابگاہ کی طرف چل پڑا۔ اندر صحن کے چاروں طرف جو برآمدہ تھا، اسی سے گذر کر سہ منزلہ پر جانے کا راستہ تھا۔ اسی برآمدے کے کٹھرے سے لگی شیام سندری زمین پر بیٹھی تھی۔ چاند اس وقت بیچ آسمان پر تھا۔ اور اس کی روشنی شیاما کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے تھی۔ معلوم ہوتا تھا جیسے وہ کہانیوں کی کتاب کی ایک تصویر ہو۔ یعنی یہ کہ وہ اس وقت ایسی ہستی معلوم نہیں ہو رہی تھی جو روز نظر آتی تھی۔ انتہائی قربت اور گہری شناسائی کا سخت غلاف جیسے اس نے اُتار پھینکا تھا اور اپنے ماحول سے بہت دور باہر نکل آئی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ مدھوسودن اسی طرف سے خوابگاہ میں جاتا ہے۔ اس کے ادھر سے گذرنے کا منظر شیاما کے دل میں بہت ہی تیکھا درد پیدا کر دیتا، اس لیئے اس کی کشش بھی اتنی پُر زور تھی۔ لیکن اس انتظار میں دل کو ایک درد لاحاصل میں مبتلا کرنے کا جنون ہی صرف کار فرما نہ تھا، بلکہ اس میں ایک اُمید موہوم بھی تھی۔ ایک دبی ہوئی آرزو بھی تھی کہ شاید پل بھر میں کچھ ہو جائے۔ ناممکن ممکن ہو جائے۔ یہ آدھی رات تک جاگتے رہنا اسی سہارے پر تھا۔ مدھوسودن ادھر ایک اچٹتی ہوئی سی نگاہ ڈالتا ہوا اوپر چڑھ گیا۔ شیاما اپنی قسمت کو کوستی اپنا سر کٹھرے پر پٹکتی رہی۔ کمرہ بالکل اندھیرا تھا۔ غسل خانے کے کھلے ہوئے دروازے سے ایک دھیمی روشنی آ رہی تھی۔ پہلے تو جی میں یہی آئی کہ اُلٹے پاؤں واپس چلا جائے لیکن جا نہ سکا۔ گیس والا لیمپ جلا دیا۔ کمو بستر پر گٹھری بنی گہری نیند سو رہی تھی روشنی جلنے پر بھی اس کی نیند نہ ٹوٹی۔ کمو کی اس سکھ کی نیند پر اسے غصہ آیا۔ ایک جھٹکے سے مسہری کا پردہ ہٹا کے بھدسے بستر پر بیٹھ گیا۔ پلنگ چیخ کر کانپ اُٹھا۔ کمو چونک کے اُٹھ بیٹھی۔ اسے تو یہ معلوم تھا کہ آج رات مدھوسودن نہیں آئے گا۔ دفعتاً اسے سامنے دیکھ کر کمو کے چہرے پر ایک ایسا رنگ آیا جیسے

دیکھتے ہی مدھوسودن کے دل میں ایک تیر سا لگا۔ سر میں جیسے ایک آگ سی لگ گئی بول اٹھا " تم مجھے کسی طرح سے بھی برداشت نہیں کر سکتی ہو، نا؟"

ایسے نازک سوال کا جواب کمو ڈھونڈھنے پر بھی نہ پا سکی۔ یہ تو سچ تھا، کہ مدھوسودن کو دیکھتے ہی، بیزاری سے اس کے دل میں ایک کپکپی سی پیدا ہو گئی تھی۔ وہ ابتک نیند کی ماتی تھی، اس لئے اپنے آپ پر اسے قابو حاصل نہ ہوا تھا۔ ورنہ اپنی اس بیزاری کو تو وہ ہر وقت اپنے دل کے اندر ہی اندر دبائے رکھنا چاہتی تھی۔ اس بیزاری کے زور کا احساس پوری طرح ابتک وہ خود نہ کر سکی تھی۔ وہ دفعتاً رونما ہو گئی تھی۔

مدھوسودن نے چبا چبا کے کہا " بھائی کے یہاں جانے کے متعلق تمہاری عرض تھی نا؟" کمو اس کے پاؤں پر گر کر معافی مانگنا ہی چاہتی تھی دفعتاً بھائی کا نام سُن کر، اس کا دل سخت ہو گیا۔ بولی " نہیں کوئی عرض نہیں!"

" کیا تم جانا نہیں چاہتیں؟"

" نہیں! میں نہیں چاہتی!"

" بنین کو تم نے میرے پاس اس غرض سے نہیں بھیجا تھا؟"

" نہیں، میں نے نہیں بھیجا تھا"

" کیا تم نے اپنی اس خواہش کا اظہار اس سے نہیں کیا تھا کہ تم جانا چاہتی ہو؟"

" میں نے تو ان سے یہ کہا تھا کہ میں دادا سے ملنے جاؤنگی ہی نہیں"

" کیوں؟"

" یہ میں نہیں بتا سکتی"

" نہیں بتا سکتیں؟ پھر وہی نور نگری چال!"

" میں تو نور نگر کی ہی لڑکی ہوں"

"تو پھر جاؤ انھیں لوگوں کے پاس، جاؤ! تم اس گھر کے لائق نہیں۔ میں نے مہربانی کی تھی، تم نے اس کی قدر نہ کی۔ اب پچھتانا پڑے گا۔" کمو کاٹھ کی مورتی بنی رہی کچھ جواب نہ دیا۔ اس نے کمو کا ہاتھ پکڑ کے ایک سخت جھٹکے کے ساتھ کہا "معافی مانگنا بھی نہیں جانتیں؟"

"کس لئے؟"

"یہ جو تم میرے بستر پر سو گئی تھیں، اس لئے۔"

کمو فوراً بچھونے سے اُٹھ کر دوسرے کمرے میں چلی گئی۔

مدھوسودن نے باہر واپس جاتے ہوئے دیکھا کہ شیاما اسی جگہ برآمدے میں لوٹی پڑی ہے۔ مدھوسودن نے اس کے ہاتھ پکڑ کے اٹھاتے ہوئے کہا، "کیا کر رہی ہو شیاما؟" شیاما اُٹھ بیٹھی اور اس کے دونوں پاؤں سینے سے چمٹا کر بہت ہی پُر درد لہجے میں بولی "تم مجھے مار ڈالو۔"

مدھوسودن نے اسے پکڑ کے اٹھایا اور بولا "ارے! یہ تمہارا بدن تو بالکل برف ہو رہا ہے۔ چلو تمہیں کمرے میں سلا آؤں" یہ کہہ کے اُس نے اُسے اپنی چادر کے ایک حصّے سے لپیٹ لیا اور داہنے ہاتھ سے اُسے زور سے پکڑے ہوئے کمرے کے اندر پہونچا کر چلنے لگا تو شیاما چپکے چپکے بولی:

"ایک ذرا بیٹھو گے نہیں؟"

مدھوسودن نے کہا "کام بہت ہے!"

رات کے وقت نہ جانے کون سا بھوت سوار ہو گیا تھا کہ کام کرنے کا سارا منصوبہ ہی خاک میں مل گیا اب وہ اس طرف توجہ نہ کر سکے گا۔ کمو کی طرف سے جو احتراز اور بیزاری اسے ملی تھی، اس کی کمی پوری کرنے کے لئے ایک اور جگہ بھنڈار کھلا ہوا تھا۔ یہ آج اسے اچھی طرح سمجھ میں آگیا تھا۔ انسان محبت

ہی میں اپنی اصلی قدر و قیمت حاصل کرتا ہے۔ مدھوسودن کو آج کی رات اس کا احساس کرنے کی ضرورت تھی۔ شیام سندری ساری زندگی اپنے تن من سے اس کا انتظار کر رہی تھی۔ اس یقین کے سہارے مدھوسودن آج رات اپنے کام میں نئی طاقت، نیا حوصلہ محسوس کرنے لگا۔ وہ جو توہین کا کانٹا اس کے دل میں چبھا ہوا تھا، اس کی کھٹک آج بہت کم ہو گئی۔

ادھر کمو کو اس رات کو جو دھکچا لگا، اس میں اس کو بھی ایک قسم کی تسکین حاصل ہوئی۔ جب بھی اور جس قدر بھی مدھوسودن نے اس سے التفات کیا اس قدر اسکے دل میں کش مکش پیدا ہوئی۔ اس محبت اس التفات کا معاوضہ اسے ادا کرنا چاہیے اس احساس فرض نے ہمیشہ اس کو بیکل رکھا۔ اس لڑائی میں کمو جیت کی کوئی امید نہ رہی تھی۔ لیکن یہ شکست بڑی ہی بدنما تھی، اس کو دبائے چھپائے رکھنے کی کوشش وہ جی جان سے کرتی رہتی تھی۔ لیکن کل رات یہ دبی چھپی ہوئی شکست صاف صاف ابھر آئی۔ کمو کے ایک غیر محتاط لمحے میں مدھوسودن نے یہ صاف صاف دیکھ لیا تھا، کہ کمو کی فطرت اور اس کی فطرت میں آسمان زمین کا فرق ہے۔ یہ معلوم ہو جانا ہی اچھا تھا، کیونکہ اس کے بعد دونوں کو اپنی اپنی جگہ اپنے فرائض یکسوئی سے ادا کرنا ممکن ہوتا۔ مدھوسودن اس کو پانے کی تمنا کرتا تھا، یہی ایک گتھی تھی۔ غصہ میں آکر جو وہ اس پر سختی کرتا تھا، یہ سختی بجا تھی برحق تھی، کیونکہ واقعی اسے اس کے بستر پر سونے کا کوئی حق نہ تھا سوتی ہے، تو وہ ایک صریحی فریب دیتی ہے۔ اس گھر میں اس کی جو حیثیت ہے، وہ ایک دھوکا ہی تو ہے۔

آج کی رات یہی سوال کمو کے دل میں بار بار اٹھتا رہا، کہ اس کے لئے مدھوسودن اس قدر بیتاب کیوں ہے؟ وہ تو بات بات پر اس کے لونڈی

طور طریقے کا سوال اٹھا کر اس کے دل میں کچوکے لگاتا رہتا ہے۔ اس کے معنی تو صاف صاف یہی ہوئے کہ اس کی اور ان لوگوں کی فطرت میں فرق ہے، مزاج میں فرق ہے، دولت میں فرق ہے۔ پھر مدھوسودن اس سے محبت کا اظہار کیوں کرتا ہے؟ یہ محبت کبھی سچی محبت ہو سکتی ہے؟ اس کو یقین کامل تھا کہ آج مدھوسودن یوں جو جی چاہے سمجھے، مگر اس کے ساتھ زندگی بسر کر کے وہ کبھی آسودگی حاصل نہ کر سکے گا۔ اس لئے جتنی جلد مدھوسودن اس حقیقت کا اعتراف کرلے، دونوں کے لئے اتنی ہی زیادہ بھلائی ہوگی۔

بنین کل رات بھائی کی اجازت حاصل کر کے جتنا خوش خوش آ کے سویا تھا۔ صبح کو وہ خوشی قریب قریب غائب ہوگئی۔ رات کو ڈھائی بجے مدھوسودن کام ختم کر کے اٹھا تو اسی وقت بنین کو بلوا بھیجا تھا۔ حکم یہ ملا کہ کمو کو کل صبح ہی بھائی کے یہاں بھیجدیا جائے، اور جب تک مدھوسودن خود اسے نہ بلائے اس وقت تک واپس آنے کی ضرورت نہیں۔ بنین سمجھ گیا کہ یہ جلاوطنی کی سزا ہے۔

انگنائی کے چو طرفہ برآمدے کے جس حصے میں کل رات مدھوسودن اور شیاما کی ملاقات ہوئی تھی، ٹھیک اس کے سامنے والے برآمدے سے ملا ہوا بنین کا کمرہ تھا۔ اس وقت دونوں میاں بی بی کمو کے متعلق ہی باتیں کر رہے تھے۔ اتنے ہی میں ادھر سے باتیں کرنے کی آواز آئی، تو سوتی کی ماں نے دروازہ کھول کے دیکھا۔ سامنے ہی چاندنی میں مدھوسودن اور شیاما کی ملاقات کا منظر نظر آیا۔ سمجھ گئی کہ کمو کی قسمت کے جال میں اسی اندھیری رات کے سناٹے میں ایک اور مضبوط گرہ پڑ گئی۔

بنین سے بولی "ٹھیک اس مصیبت کے وقت دیدی کا جانا اچھا ہوگا؟"

بنین نے کہا " اتنے دنوں تک بہورانی تو تھیں نہیں۔ یہ معاملہ اتنا آگے تو کبھی نہ بڑھا تھا۔ بہورانی کے رہنے ہی سے یہ سب کچھ ہو رہا ہے!!"

یہ کیا کہتے ہو؟"

"بہورانی نے اس کی سوئی ہوئی بھوک کو تو جگا دیا، مگر اس کی آسودگی کے لئے غذا فراہم نہ کر سکیں۔ اس لئے اس نے غلط راستہ اختیار کر لیا ہے۔ میں تو یہ سمجھتا ہوں، کہ ایسے وقت میں ان کا یہاں سے دور رہنا ہی بہتر ہے۔ اس سے اور کچھ فائیدہ ہو یا نہو، کم از کم وہ تو سکون سے رہ سکیں گی۔"

"تو پھر کیا یہ معاملہ یونہی چلتا رہے گا؟"

"جس آگ کو بجھانے کی کوئی صورت نہو، اس کو جلتے جلتے آپ ہی آپ بجھ کر راکھ ہو جانے تک چپکے کھڑے دیکھتے ہی رہنا پڑتا ہے۔"

اسدن ہابل دن بھر کمو کے ساتھ ساتھ ہی پھرتا رہا۔ گروجی پڑھانے آئے اور اسے باہر بلوا بھیجا تو اس نے کمو کی طرف نگاہ ڈالی۔ کمو اگر اسے جانے کے لئے کہتی تو وہ جاتا۔ لیکن کمو نے بیرے سے کہلوا بھیجا کہ ہابل کو آج چھٹی دے دی جائے

کمو کے جاتے وقت وہ انداز نظر نہ آیا جو ہر بہو کے تھوڑے دنوں کے لئے میکے جاتے وقت ہوتا ہے بلکہ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ یہ گھر جیسے آج ہمیشہ کے لئے اس کو کھو رہا ہے، جو چڑیا پنجرے میں بند تھی، آج پنجرے کا دروازہ ایک ذرا کھلا دیکھتے ہی اڑ نکلی۔ اب وہ پھر اس پنجرے میں نہ آئے گی۔

بپن بولا، "بہورانی! واپسی میں دیر نہ لگانا۔ یہ بات اگر دل کھول کے تم سے چلتے وقت کہہ سکتا، تو میرے دل کو چین آتا، مگر منہ سے یہ بات نکلتی نہیں جن لوگوں کی نگاہ میں تمہاری واقعی عزت ہے وہیں جا کے رہو۔ کسی وقت کسی کام کے لئے اگر بپن کی ضرورت ہو تو اسے یاد ضرور کرنا۔"

موتی کی ماں نے اپنے ہاتھ کے بنائے ہوئے اموٹ اور اچار وغیرہ ہانڈیوں میں بند کر کے پالکی کے اندر رکھدیئے۔ مگر بات چیت کچھ زیادہ نہ کی۔ اس لئے کہ کمو کی طرف سے اس کے دل میں ایک کھینچاؤ پیدا ہو گیا تھا۔

جتنک رکاوٹ سخت تھی، جتنک مدھوسودن کمو کی توہین و تذلیل کرتا رہا، موتی کی ماں دل وجان سے کمو کی طرفدار تھی۔ لیکن وہ رکاوٹ جو بہت ہی لطیف ہو، جس کی بنیاد نازک احساسات پر ہو، جس کا تجزیہ کرکے اس کا احساس کرنا مشکل ہو، وہ رکاوٹ اور تمام قسم کی رکاوٹوں سے زیادہ زوردار ہوسکتی ہے۔ یہ بات موتی کی ماں کی سمجھ میں کسی طرح نہیں آسکتی تھی۔ وہ تو بس اسی کو فطری بات سمجھتی تھی کہ شوہر جس وقت خوش ہو کے متوجہ ہو، عورت فوراً بلا عذر اس کو اپنی خوش قسمتی سمجھے۔ کسی عورت کا رویہ اگر اس کے خلاف کچھ اور ہو تو وہ قطعاً زیادتی ہے۔ خواہ مخواہ بات بڑھانا ہے۔ چنانچہ بینن کے دل میں اب بھی جو بہورانی کا درد تھا، یہ بھی موتی کی ماں کو ناگوار ہو رہا تھا۔ کمو کی مدھوسودن سے یہ بیزاری فطری ہے مصنوعی نہیں۔ یہ غرور نہیں۔ اس کی وجہ سے کمو اپنے آپ سے جو برابر لڑتی اور شکست کھاتی رہتی ہے۔ ان سب باتوں کا سمجھنا اور ماننا عام عورتوں کے بس کی بات نہ تھی۔ چین میں جو عورتیں رواج کے مطابق، بے عذر اپنے پاؤں شکنجوں میں کس کے بدشکل بنا لیتی ہیں، وہ اگر یہ سنیں کہ دنیا کے کسی حصہ میں ایسی عورتیں بھی ہیں، جو اپنے پاؤں کو بدشکل بنانے کی سختی کو ماننا اپنے لئے باعثِ توہین سمجھتی ہیں، تو وہ بے اختیار ہنس پڑیں گی۔ اور اس انکار کو قطعاً نازنخرہ سمجھیں گی۔ جو بات بنیادی طور پر فطری تھی، اسی کو وہ غیر فطری سمجھتی تھی۔ ایک وقت میں موتی کی ماں کو کمو سے اس کا دکھ دیکھکر شدید ہمدردی ہوگئی تھی۔ اس لئے اب کمو کی طرف سے اس کا دل سخت ہونے لگا تھا۔ تقدیر کی سازگاری جب اپنی نعمتیں دینے کے لئے آمادہ ہوکر آئے، اس وقت جو عورت اس کے قدموں پر سر جھکا کے وہ نعمت فوراً قبول نہ کر سکے۔ ایسی عورت سے ہمدردی کرنا موتی کی ماں کے لئے محال تھا۔ بلکہ یوں کہئے کہ اس کی نگاہ میں یہ ایک ناقابل عفو قصور تھا۔

چھیالیسواں باب

گھر کے قریب پہونچتے ہی کمو نے پالکی کے پٹ کو ایک ذرا ہٹا کر کمرے اوپر کی طرف نگاہ ڈالی۔ روزانہ ٹھیک اسی وقت سڑک کے کنارے والے برآمدے میں بیٹھ کر، بپرداس اخبار پڑھا کرتا تھا۔ لیکن آج وہاں کوئی نظر نہ آیا۔ کمو کے یہاں آنے کی خبر اس گھر میں کسی کو بھی نہ دی گئی تھی۔ پالکی کے ساتھ مہاراجہ کے تمغے لٹکائے ہوئے دربان کو دیکھ کر اس گھر کا دربان گھبرا اُٹھا۔ سمجھ گیا کہ دیدی ٹھکرائی آگئی ہیں۔ باہر کے صحن سے گذر کر پالکی اندر کی طرف چلی ہی تھی، کہ کمو نے پالکی کھڑی کروا دی اور اُتر کر جلدی جلدی باہر کوٹھے کی سیڑھی پر چڑھنے لگی۔ اس کی خواہش تھی کہ اور کسی سے ملنے کے پہلے وہ اپنے بھائی سے مل لے۔ اسے یقین تھا کہ باہر کی آرام گاہ ہی میں مریض کا بستر لگایا گیا ہوگا۔ اس کمرے کی کھڑکی سے خانہ باغ میں کرشن چوڑا، کچنار اور اشوک کے درختوں کا حسین کنج نظر آتا تھا۔ صبح کی کرنیں ڈالیوں اور پتّوں سے چھنتی ہوئی کمرے کے اندر آتیں۔ یہ کمرہ بپرداس کو بہت پسند تھا۔

سیڑھی کے اوپر پہونچتے ہی گھر کے پالتو کتے ٹام نے اسے دیکھ لیا۔ اور اُچک کر اپنی دونوں اگلی ٹانگیں اٹھا کے اس کے جسم سے لپٹ گیا اور بھونک

بھونک کے، دم ہلا ہلا کے اپنی خوشی کا اظہار کرنے لگا۔ پھر کمو آگے بڑھی تو اسکے آگے آگے کودتا پھاندتا بھونکتا چلا۔ بیراداس ایک تکیہ دار کوچ پر ٹیک لگائے نیم دراز تھا۔ پاؤں پر چھینٹ کی ایک دوھر پڑی تھی۔ داہنا ہاتھ ایک طرف بچھونے پر پڑا تھا۔ اس میں ایک کتاب بھی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ تھک کے ابھی ابھی پڑھنا بند کیا ہے۔ چائے کی پیالی اور ایک طشتری میں ایک آدھی کھائی ہوئی روٹی زمین پر پڑی تھی۔ سرہانے دیوار میں جو شیلف لگا ہوا تھا، اس میں کتابیں بکھری پڑی تھیں رات کو جو لیمپ کمرے میں جلا تھا، وہ دھوئیں سے کالا ایک کونے میں ابھی تک رکھا ہوا تھا۔ کمو بیراداس کو دیکھتے ہی چونک پڑی۔ بھائی کا ایسا اترا ہوا مریض چہرہ کمو نے آج تک نہ دیکھا تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ پہلے والے بیراداس اور آج کے بیراداس میں کئی جگوں کا فاصلہ ہو گیا ہے۔ بھائی کے قدموں پر سر رکھ کر کمو پھوٹ پھوٹ کے رونے لگی۔

"ارے کمو ہے؟ تو آگئی؟ آ ادھر آ!" کہتے ہوئے بیراداس نے اُسے پاس کھینچ لیا۔ اگرچہ اس نے خط میں کمو کو ایک طرح آنے کے لئے منع کیا تھا، پھر بھی اُسے یہ امید تھی کہ وہ آئے گی ضرور۔ وہ جو آ سکی تو اس کے دل میں یہ اطمینان ہوا کہ شاید کوئی رکاوٹ نہیں ہوئی اس کی گھریلو زندگی غالباً اب آسان ہو گئی ہے، دستور کے مطابق کمو کو لانے کے لئے پالکی اور آدمی یہیں سے جانا چاہیئے تھا۔ مگر اس کے بغیر بھی کمو آگئی، اِس سے ظاہر تھا کہ کمو کو کافی آزادی حاصل ہے، بیراداس کو مدھوسودن کے گھرانے سے اس کی امید نہ تھی۔

کمو بیراداس کے الجھے ہوئے بالوں کو سلجھاتی ہوئی بولی "دادا تمہاری یہ کیا حالت ہو گئی ہے؟"

"میری حالت بہتر ہونے کی کوئی صورت آجکل تو رونما ہوئی نہیں لیکن

تیرا یہ کیا حال ہے، چہرہ پھیکی پیاز ہو رہا ہے۔
اتنے ہی میں خبر پاتے ہی کھیما پشی آموجود ہوئیں، اور انھیں کے پیچھے دروازے کے پاس نوکروں اور داسیوں کی ایک بھیڑ لگ گئی۔ کھیما پشی نے سلام کے جواب میں دعا دے کر کمو کو اپنے گلے سے لگایا اور اس کی پیشانی چومی۔ نوکروں اور داسیوں نے آکر سلام کیا۔ سب سے خیر خبر پوچھنے کے بعد کمو بولی "پشی! دادا کا چہرہ تو بہت زیادہ اتر گیا ہے۔"
"بے سبب تو نہیں ہوا۔ تمہارے ہاتھ کی سیوا پائے بغیر تو اس کی صحت اچھی ہونا چاہتی نہیں۔ اتنے دنوں کی عادت جو ہے۔"
بپرا داس نے کہا "پشی، کمو کو کھانا نہ کھلاؤ گی؟"
"کھائے گی کیوں نہیں؟ اس کے لئے بھی کہنا پڑے گا کیا؟ اس کی پالکی کے کہاروں اور چپراسیوں کو بٹھلا آئی ہوں۔ اب جا رہی ہوں انھیں کھلا پلا آؤں تم دونوں بیٹھ کے باتیں کرو۔ میں چلی۔"
بپرا داس نے کھیما کو اشارے سے اپنے پاس بلا کے کان میں کچھ کہا۔ کمو سمجھ گئی، کہ اس کے ساتھ آنے والے کہاروں اور دربانوں کو کس طرح رخصت کرنا چاہئیے، اس کے متعلق بپرا داس پشی سے مشورہ کر رہا ہے۔ اس مشورہ میں وہ شریک نہ کی گئی۔ آج وہ بالکل غیر ہی سمجھی گئی۔ اس کا کمو کو بہت ملال ہوا۔ وہ بھی اب اس کا انتقام لینے اٹھی۔ اس گھر میں بیاہ سے پہلے جو مقام اس کا تھا اسی کو پھر سے حاصل کرنے کا کام اس نے شروع کر دیا۔
پہلے تو اس نے بھائی کے خانساماں گوکھل کو بلا کے کان میں چپکے چپکے کچھ حکم دیا۔ اس کے بعد اپنی مرضی کے مطابق کمرہ ٹھیک ٹھاک کرنے لگی۔ کمرے کے اندر جو پیالیاں، طشتریاں، لیمپ، سوڈا واٹر کی خالی بوتلیں، بید لوٹی ہوئی ایک

کرسی، کئی میلے تولیے اور بنیائنیں بکھری پڑی تھیں۔ سب کو باہر برآمدے میں نکال کر رکھا۔ شیلف پر کتابیں قرینے سے سجائیں۔ بھائی کے ہاتھ کے قریب ایک تپائی کھسکا کر رکھی۔ اس پر پڑھنے کی ایک کتاب، قلم دان، بلوٹنگ پیڈ، پینے کے پانی کی بلورین صراحی اور گلاس، چھوٹا سا ایک آئینہ، کنگھا اور برش سلیقے سے سجا دیا۔

اتنی ہی دیر میں گوکھل گرم پانی، پیتل کی سلپچی اور صاف تولیہ، بید کے مونڈھے پر لا کر رکھ گیا۔ کچھ پوچھے کچھے بغیر ہی کمو نے تولیہ بھگویا اور بیرا داس کا ہاتھ منہ صاف کیا۔ بال سنوارے۔ بیرا داس چھوٹے بچے کی طرح خاموش سب کچھ برداشت کرتا رہا کب کب دوا کھلائی ہوگی۔ غذا میں کیا کیا دینا ہوگا۔ سب کچھ پوچھ گچھ کے کمو یوں جم کے بیمار کے پاس تیمار دار بن کر بیٹھی جیسے اس کے سوا اور اس کو کچھ کرنا ہی نہیں اس فرض کے سوا اور کہیں اس کا کوئی فرض نہیں۔

بیرا داس نے ایک بار آہستہ آہستہ پوچھا: "آج تجھے کس وقت واپس جانا ہوگا؟"

کمو بولی "آج واپس جانا نہیں ہے!"

بیرا داس نے گھبرا کر پوچھا "اس میں تیری سسرال والوں کو اعتراض نہ ہوگا؟"

"نہیں میرے شوہر کی اجازت ہے"

بیرا داس خاموش ہوگیا۔ کمو کونے والی میز پر ایک چادر بچھا کے دوا کی شیشیاں بوتل وغیرہ اس پر چن کے رکھنے لگی۔ لمحہ بھر بعد بیرا داس نے پوچھا: "تو پھر تجھے کل واپس جانا ہوگا"

"نہیں ابھی کچھ دنوں میں تمہارے پاس رہوں گی"

ٹام کوچ کے نیچے خاموش لیٹا نیند کے مزے لینے کی فکر میں تھا۔ کمو نے نے اسے پیار سے چھیڑ کے اس کی محبت کے جوش کو اور بھڑکا دیا۔ وہ لپک کر آیا

اور کمو کی گود میں اپنی دونوں اگلی ٹانگیں رکھ کے نہایت خلوص اور زور کے ساتھ اُس سے گفتگو شروع کی۔ بیرا داس سمجھ گیا کہ کمو نے دنعتاً یہ ہنگامہ بپا کر کے اپنے آپ کو اس کے پیچھے چھپانے کی کوشش کی ہے۔

تھوڑی دیر بعد ہی کتے کے ساتھ کھیل بند کر کے کمو نے سر اُٹھا کے بھائی سے پوچھا "تمہارے بارلی کھانے کا وقت ہوگیا ہے۔ لادوں؟"

"نہیں ابھی نہیں ہوا ہے" کہہ کے اس نے کمو کو اپنے بستر کے قریب والی کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ بیٹھ گئی تو اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کے بولا "کمو مجھ سے کھل کے صاف صاف بیان کر، تیری زندگی وہاں کس طرح کٹ رہی ہے"

کمو فوراً ہی کچھ جواب نہ دے سکی۔ سر جھکائے بیٹھی رہی۔ دیکھتے ہی دیکھتے اسکا چہرہ لال ہوگیا۔ بچپن ہی کی طرح بیرا داس کی چھاتی پر سر رکھ کے پھوٹ پھوٹ کے رونے لگی۔ روتے روتے بولی، "دادا، میں سب کچھ غلط سمجھی تھی، مجھے کچھ بھی معلوم نہ تھا"

بیرا داس آہستہ آہستہ اس کا سر سہلانے لگا۔ تھوڑی دیر بعد بولا "میں تجھے ٹھیک طرح تربیت نہ دے سکا۔ ماں زندہ ہوتیں تو تجھے سسرال میں زندگی بسر کرنے کے لئے پہلے سے اچھی طرح تیار کر دیتیں"۔

کمو بولی "میں نے زندگی بھر تو صرف تم لوگوں ہی کو دیکھا تھا۔ یہاں سے اور دوسری جگہ سے اتنا زیادہ فرق ہوگا، میں نے اس کا تصوّر بھی نہ کیا تھا۔ بچپن ہی سے میں نے جو کچھ سوچا جو کچھ سمجھا تھا، وہ تمہیں لوگوں کی طرح سوچا سمجھا تھا۔ اس لئے میرے دل میں ذرا بھی خوف نہ تھا۔ ماں کو بابا نے اکثر بہت دکھ دیئے تھے۔ یہ میں جانتی ہوں۔ مگر وہ صرف شرارت اور نافرمانی تھی۔ اس کی چوٹ صرف باہر لگتی تھی اندر نہیں۔ لیکن یہاں تو سب کچھ اندر ہی اندر جیسے میری توہین و تذلیل کرتا رہتا ہے"۔

بیرا داس ایک گہری ٹھنڈی سانس کھینچ کر خاموش بیٹھا سوچتا رہا۔ بیاہ کے

دن ہی وہ اچھی طرح سمجھ گیا تھا کہ مدھوسودن ان لوگوں کی دنیا سے بالکل الگ ایک اور ہی دنیا کی مخلوق ہے۔ اسی اندرونی کوفت سے اس کی صحت کسی طرح بھی سدھرنے کا نام نہ لیتی تھی۔ اس ہاتھی کے لمبے سونڈ کی لپیٹ سے کمو کو بچانے کا تو کوئی راستہ نہ تھا۔ سب سے بڑی مشکل تو یہ تھی کہ اسی آدمی کے پاس اس کی ساری جائداد رہن تھی۔ یہی توہین آمیز تعلق، کمو کے دل کو کچوکے لگاتا رہتا ہے۔ بسترِ مرض پر لیٹا لیٹا بپرداس برابر یہی سوچتا رہا تھا، کہ مدھوسودن کے اس قرض والے بندھن سے کیونکر رہائی حاصل کرے۔ وہ کلکتہ نہیں آنا چاہتا تھا۔ اس لئے کہ اُسے اندیشہ تھا کہ ایسا نہ ہو کمو کی سسرال والوں سے اس کے تعلقات خوشگوار نہ ہو سکیں۔ کمو پر جو اس کو ایک محبت بھرا فطری اختیار حاصل تھا، ممکن ہے قدم قدم پر اُسے ٹھوکر لگے۔ اس لئے اس نے طے کر لیا تھا کہ وہ نور نگر ہی میں رہے گا۔ کلکتہ آنا پڑا اس کو صرف اس لئے کہ دوسرے کسی مہاجن سے قرض لے کر مدھوسودن کا قرض ادا کر دے وہ جانتا تھا کہ یہ بہت ہی مشکل کام ہے۔ اس لئے رات دن اس کا دل فکر کے بوجھ سے دبا جاتا تھا۔

تھوڑی دیر بعد کمو بپرداس کی طرف سے ایک ذرا منہ موڑ کر بولی "اچھا دادا! یہ جو میں اپنے سوامی کی طرف اپنا دل کسی طرح جھکا نہیں سکتی، یہ کیا میرے لئے پاپ ہے؟"

"کمو، تو تو جانتی ہے کہ پاپ اور پُن کے متعلق میرے خیالات شاستروں کے مطابق نہیں!"

کمو بے خیالی کے عالم میں ایک انگریزی مصور رسالے کے ورق الٹنے لگی۔ بپرداس بولا "مختلف آدمیوں کی زندگیاں، ان کے حالات وحادثات کے لحاظ سے، اتنی مختلف ہوتی ہیں، کہ اچھائی برائی کے عام قانون سے انہیں کس کے باندھ دیا جائے تو اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اس پر عمل سے قانون، قانون تو باقی رہتا ہے، مگر دھرم

نہیں بن سکتا۔" کمو اس ماہوار رسالے پر نگاہ جھکائے ہوئے بولی" ٹھیک جیسے میرا بائی کی زندگی" اس کے دل میں جب بھی فرض اور ماسوائے فرض کا ہنگامہ بپا ہوتا، تو کمو کو میرا بائی کی زندگی یاد آجاتی۔ اس کا بہت دل چاہتا کہ کوئی اسے میرا بائی کے تصورات کو اچھی طرح سمجھا دے۔

اپنی ہچکچاہٹ بمشکل دور کرکے، کمو بولی :" میرا بائی نے اپنے حقیقی سوامی کو اپنے اندر پا لیا تھا، اس لئے وہ اپنے سماجی سوامی کو دل سے نکال سکی تھیں۔ لیکن دنیا کو چھوڑ دینے کا اتنا بڑا اختیار، کیا مجھے بھی حاصل ہے ؟"

بیرا داس بولا" کمو! تو اپنے دیوتا کو دل وجان سے پوری طرح پا چکی تھی نا؟"
" اس وقت تو میں یہی سمجھتی تھی، لیکن جب میں مصیبت میں پھنسی، تو میں نے دیکھا، کہ میری روح جیسے سوکھ گئی ہے۔ اتنی کوشش کرتی ہوں، پھر بھی کسی طرح سچ مچ ان کو اپنے اندر نہیں پا سکتی۔ مجھے سب سے بڑا دکھ اسی کا ہے۔"

" کمو! دل کے اندر بھی جوار بھاٹا آتا ہے۔ خوف نہ کرو دن کے بیچ بیچ میں جو رات آجاتی ہے" اس سے دن مر تو نہیں جاتا۔ تو نے اب تک جو کچھ پایا ہے وہ تیری روح میں گھل مل تو گیا ہے۔"

" یہی آشیرباد دو دادا کہ میں انھیں کھو نہ بیٹھوں۔ میں جانتی ہوں کہ وہ بے دردی سے، مجھے جو دکھ دے رہے ہیں وہ اس لئے ہے کہ وہ اپنے آپ کو مجھے دینا چاہتے ہیں۔ دادا! میں اپنے متعلق تمہیں فکر میں مبتلا کرکے اور پریشان کر رہی ہوں۔"

" کمو، تیرے بچپن ہی سے مجھے تیرے متعلق سوچنے کی عادت سی ہو گئی ہے۔ آج اگر تیری خبر ملنا بند ہو جائے، تیرے متعلق کچھ سوچ نہ سکوں، تو مجھے ایک خلا سا محسوس ہونے لگتا ہے۔ اسی خلا میں ہاتھ پاؤں مارتے مارتے، تو میرے

دل کا یہ حال ہوگیا ہے۔"

کمو بپراداس کے پاؤں سہلاتے سہلاتے بولی: "میرے لئے تم اتنی فکر نہ کرو دادا۔ میری حفاظت کرنے والے میرے دل کے اندر ہیں۔ مجھ پر کوئی آفت نہ آئے گی۔"

"خیر ان باتوں کو اب چھوڑ۔ تجھے جس طرح میں گانا سکھایا کرتا تھا، آج جی چاہتا ہے اسی طرح پھر سکھاؤں۔"

"سکھایا تھا تو اچھا ہی کیا تھا دادا۔ اسی سے تو میری جان بچتی ہے لیکن آج رہنے دو۔ تمہیں ذرا اور طاقت آلے۔ بلکہ آج میں تمہیں کچھ گا کے سنا دوں۔"

بھائی کے سرہانے بیٹھی بیٹھی کمو آہستہ آہستہ گانے لگی۔

پیا کے گھر آئے سوھی ہیتم پیا پیاری رے
میرا کے پربھو گر دھر نگری
چرن کمل بلیہاری رے

بپراداس آنکھ بند کئے سنتا رہا۔ گانا گاتے وقت کمو کی دونوں آنکھوں میں ایک حسین مورت اتر آئی۔ دل کے اندر والی فضا میں روشنی پھیل گئی۔ پریتم گھر آگئے ہیں۔ ان کے "کمل چرن" کو دل ہی دل میں چوم رہی ہے۔ دل کی اندرونی دنیا ایک بدیہی حقیقت ہوگئی۔ جہاں پیا ملن ہوتا ہے وہ گانا گاتے گاتے اسی مقام پر پہونچ گئی ہے۔ "چرن کمل بلیہاری رے" — جیسے اس کا سارا وجود اس "کمل چرن" سے بھر گیا۔ وہ ایک بحر بیکراں بن گئی —— زندگی کے یہ سارے دکھ سکھ، یہ توہین و تذلیل، ان کی اب جگہ یہاں نہیں رہی۔ "پیا گھر آئے"۔ اب اس سے زیادہ اور چاہیئے کیا۔ اگر یہ گانا کبھی ختم ہی نہ ہو تو پھر کمو ہمیشہ کے لئے ہی نجات پا جائے۔

گوکھل چند توسٹ اور ایک پیالی بارلی تپائی پر رکھ گیا۔ کمو گانا روک کر بولی:

"کچھ دن پہلے دل ہی دل میں کوئی گرو ڈھونڈھ رہی تھی۔ اب مجھے کیا ضرورت ہے تم نے تو مجھے گانے کے منتر سکھا ہی دیئے ہیں۔

"مجھے شرمندہ نہ کر۔ میرے جیسے گرو تو یہاں سڑکوں پر مارے مارے پھرتے ہیں، وہ لوگ منتر دوسروں کو سکھاتے ہیں خود اسکے معنی تک نہیں جانتے۔"

اچھا یہ تو ٹھیک سے بتا کہ تو کتنے دنوں یہاں رہ سکے گی۔"

"جب تک طلبی کا حکم نہ آئے۔"

"تو نے یہاں آنے کی خواہش ظاہر کی تھی؟"

"نہیں میں نے نہیں کی تھی۔"

"اس کے کیا معنی ہے؟"

"معنی سوچنے سے کوئی فائدہ نہیں دادا۔ تم کوشش کر کے بھی سمجھ نہ پاؤگے تمہارے پاس آسکی ہوں۔ یہ بہت غنیمت ہے۔ جتنے دنوں رہ سکوں وہی بہتر ہے دادا تم کھا نہیں رہے ہو۔ کھا لو نا!"

نوکر نے آکر خبر دی کہ مکھر جی مہاشے آئے ہیں۔"

بپرا داس ایک ذرا گھبرا کے بولا "بلالو!"

۲

سینتالیسواں باب

کالو جیسے ہی کمرے میں داخل ہوا، کمو نے اُسے جھک کے پرنام کیا۔
کالو بولا "آ گئیں چھوٹی بہن تم! اب دادا کے اچھے ہونے میں دیر نہ لگے گی"۔
کمو کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں۔ آنسو روکتی ہوئی بولی "دادا، بارلی میں لیموں کا عرق نہ ملاؤ گے۔؟"
بپرا داس نے بڑی اداسی کے ساتھ ہاتھ ہلایا۔ یعنی یہ کہ نہ بھی ملایا تو کون ایسا ہرج ہے۔ کمو جانتی تھی کہ بپرا داس بارلی پسند نہیں کرتا۔ اس لئے جب کبھی وہ بھائی کو بارلی دیتی، تو اس میں تھوڑا سا لیموں کا عرق اور ایک ذرا سا گلاب ملا کے شربت سا بنا دیتی۔ لیکن یہ اہتمام آج کہاں تھا۔ بپرا داس نے اپنی خواہش کا اظہار بھی کسی سے نہیں کیا تھا۔ جو مل جاتا وہی بے دلی سے کھا پی لیتا۔
بارلی اچھی طرح بنا کے لانے کے لئے کمو اندر چلی گئی۔
بپرا داس نے بیتابی سے پوچھا "کالو دا۔ کیا خبر ہے، جلدی بتاؤ"۔
"صرف تمہارے دستخط پر کوئی روپیہ دینے کو راضی نہیں۔ سبودھ کے دستخط بھی چاہتے ہیں سب۔ مارواڑی مہاجنوں میں سے بعض بعض تیار بھی ہو جاتے ہیں۔ مگر نہ تو ایک طرح جوا کھیلنا ہوگا۔ سود بہت زیادہ مانگتے ہیں۔ اتنا ہم لوگوں نے

چل نہ سکے گا۔"

"کالو داسبُودھ کو بلانے کے لئے اب تار دینا ہوگا۔ اور دیر کرنے سے تو کام نہ چلے گا۔"

"مجھے بھی اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ اس دفعہ تمہاری وہ انگوٹھی بیچ کے جو کچھ حصّہ اصل کا بھی ادا کرنا چاہا تو مدھوسودن راضی نہ ہوا۔ اسی وقت میں سمجھ گیا کہ تھا کہ اس کے ساتھ آسانی سے پٹری نہ بیٹھے گی۔ اپنی مرضی کے مطابق کسی دن پھندا کس دے گا۔"

بپرا داس خاموش بیٹھا سوچتا رہا۔

کالو پھر بولا "چھوٹی بہن جو آج صبح ہی صبح چلی آئی ہے۔ کہیں لڑ جھگڑ کے تو نہیں آئی؟" مدھوسودن کو ناراض کرنا ہمارے لئے اس وقت مناسب نہیں۔ یہ یاد رکھنا چاہئے۔"

"کمو تو کہتی ہے کہ وہ اپنے سوامی کی اجازت سے آئی ہے!"

"اس اجازت کا رنگ ڈھنگ کیا ہے۔ یہ سمجھے بغیر تو دل کو اطمینان نہیں ہوتا۔ کتنی احتیاط کے ساتھ میں اس سے بات چیت کرتا ہوں' یہ تمہیں کیا بتاؤں دادا۔ جس وقت غصّے کے مارے سارے جسم میں آگ لگی ہوتی ہے' اس وقت بھی برف کی طرح ٹھنڈا بن کر سب کچھ سہنا پڑتا ہے۔ ٹھیک گوری شنکر پہاڑ کی طرح۔ دوپہر کی دھوپ میں بھی جس کی برف نہیں پگھلتی۔ ایک تو وہ مہاجن ہے' اس پر بہن کا دولھا۔ اسے سنبھالے رکھنا کوئی آسان بات نہیں۔"

بپرا داس نے کوئی جواب نہ دیا۔ بیٹھا سوچتا رہا۔

کمو بارلی لے کر آئی، اور پیالہ بپرا داس کے منہ سے لگا کر بولی "دادا پی لو"۔ بپرا داس اپنی گہری سوچ سے دفعتاً چونک پڑا۔ کمو سمجھ گئی کہ وہ کسی گہرے

غور میں اتنی دیر تک ڈوبا ہوا تھا۔

کالو جب کمرے سے باہر نکلا، تو کمو بھی اس کے پیچھے پیچھے آئی اور برآمدے میں اُسے روک کر بولی "کالو دا، تمہیں ساری بات مجھے بتا دینی ہوگی"۔

"کیا بات بتانی ہوگی، دیدی؟"

"تم لوگ کسی بات کی گہری فکر میں مبتلا ہو۔"

"جائداد ہوا در فکر نہو۔ یہ کبھی اس دنیا میں ممکن ہوا ہے۔ کبھی؟ یہ تو کانٹے دار درخت کا پھل ہے۔ بھوک سے پریشان ہو کر کھانا ہی پڑتا ہے، مگر توڑنے جایئے تو جسم بھی چھلنی ہو جاتا ہے۔"

"خیر، یہ سب باتیں چھوڑو۔ یہ بتاؤ کہ ہو کیا رہا ہے۔"

"جائیداد کے متعلق لڑکیوں سے بات کرنا منع ہے"۔

"میں اچھی طرح جانتی ہوں، کہ تم لوگوں میں کس جھمیلے کے لئے باتیں ہو رہی تھیں۔ بتاؤں؟"

"اچھا بتاؤ!"

"میرے سوامی کا قرض ہے دادا پر۔ اسی کے متعلق!"

کالو نے کچھ جواب نہ دیا، اپنی حیرت زدہ مسکراتی ہوئی آنکھوں سے کمو کی طرف تکتا رہا۔

"بتاؤ کہ میں نے ٹھیک کہا ہے یا نہیں؟"

"بھائی کی بہن ہو نا! بات کہنے سے پہلے سمجھ جاتی ہو۔"

بیاہ کے دوسرے ہی دن مدھوسودن نے اپنے آپ کو بپرداس کا مہاجن بتا کے فخر کیا تھا۔ کمو اسی دن سمجھ گئی تھی کہ اس کے بھائی کی عزت، اس کے شوہر کی نگاہ میں نہیں۔ روز ہی وہ دل سے دعا کرتی تھی، کہ یہ قرض

کسی طرح ادا ہو جائے۔ بپراداس کے دل میں بھی یہ کانٹا ہر وقت چبھتا رہتا تھا۔
کمو کو اُس کا یقین کامل تھا جس دن بنین نے بپراداس کی چٹھی پڑھ کر سنائی تھی۔
اسی وقت کمو کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی تھی، کہ تمام فساد کی جڑ یہی آپس کا
لین دین ہے۔

بھائی کی صحت کیوں اس قدر خراب ہو رہی ہے۔ اس حالت میں بھی وہ
کسی ضروری کام سے کلکتہ چلے آئے ہیں۔ یہ تمام باتیں صاف صاف کمو کی سمجھ
میں آ گئی تھیں۔

"کالودا! مجھ سے چھپاؤ مت۔ دادا قرض لینے کے لئے کلکتہ آئے ہیں"۔
"قرض لے گے ہی تو قرض ادا کرنا ہو گا۔ روپئے تو آسمان سے برستے نہیں
رشتہ داروں کا مقروض بن کر رہنا تو اچھا نہیں"۔
"یہ تو ٹھیک ہے۔ ہاں تو روپئے کا سامان کر لیا ہے نہ تم نے؟"
"گھوم پھر کے دیکھ رہا ہوں۔ ہو ہی جائے گا ڈر کیا ہے"۔
"نہیں، میں سمجھتی ہوں تم آسانی سے بندوبست نہیں کر پا رہے ہو"۔
"اچھا چھوٹی کھوکھی۔ تم سب کچھ جانتی ہی ہو، تو پھر مجھ سے پوچھتی کیوں ہو؟"
بچپن میں تم نے ایک دن میری مونچھ کھینچ کے پوچھا تھا، کہ مونچھ ہوتی کیسے ہے؟
تو میں نے جواب دیا تھا، کہ مناسب وقت سمجھ کے مونچھ کا بیج بو دیا تھا، اسی سے
اُگ گئی۔ اس جواب سے وہ سوال تو اسی وقت ختم ہو گیا تھا۔ آج یہ سوال ہوتا، تو
جواب دینے کے لئے ڈاکٹر بلانا ہوتا۔ ساری باتیں تم کو ہی صاف صاف معلوم
ہو جانی چاہئیں۔ یہ دنیا کی رسم نہیں"۔
"میں تم سے کہے رکھتی ہوں کالودا۔ دادا کے متعلق ہر بات مجھے معلوم
ہونی چاہئے"۔

"دادا کے مونچھ کیسے نکلی، یہ بھی؟"

"دیکھو بات کو تم یوں دبا نہیں سکتے۔ میں دادا کا چہرہ ہی دیکھ کر سمجھ گئی تھی کہ روپئے کی فراہمی میں سہولت نہ ہو سکی۔"

"اگر نہ بھی ہو سکی تو تمہارے یہ جان لینے سے فائدہ کیا ہو گا۔؟"

"یہ میں نہیں کہہ سکتی۔ مگر مجھے ہر بات بتانی ہی ہوگی۔ روپئے قرض ملے نہیں نا، تم کو ابتک؟"

"نہیں، ابتک تو نہیں ملے۔"

"آسانی سے ملیں گے بھی نہیں شاید؟"

"ملیں گے تو ضرور، مگر آسانی سے نہیں۔ مگر دیدی تمہارے سوالوں کے جواب دینے کی کوشش کرنے کے بدلے، روپئے حاصل کرنے کی فکر میں اگر میں باہر نکلوں، تو ممکن ہے کام کچھ آگے بڑھے۔ اب میں چلا۔"

لیکن تھوڑی دور جانیکے بعد ہی پلٹ آیا اور گو سے پوچھا۔ "کھوکھی، تم جو آج یہاں چلی آئی ہو اس میں کوئی کانٹا تو نہیں ہے۔ سچ سچ بتاؤ۔"

"ہے یا نہیں، یہ بھی میں ٹھیک سے سمجھ نہیں پاتی۔"

"سوامی کی مرضی سے آئی ہو؟"

"بے مانگے ہی، انہوں نے اجازت دے دی تھی۔"

"غصہ میں؟"

"یہ بھی میں ٹھیک ٹھیک نہیں کہہ سکتی۔ کہا ہے" جبتک بلا نہ بھیجوں آنے کی ضرورت نہیں۔"

"یہ تو کام کی بات نہیں ہوئی۔ تم اس سے پہلے ہی چلی جانا۔ اپنی مرضی سے چلی جانا۔"

جاؤں تو پھر حکم عدولی جو ہوگی۔"

"اچھا وہ میں دیکھ لوں گا۔"

"دادا، جو اس عظیم مصیبت میں گرفتار ہیں، تو اس کی تنہا ذمہ دار میں ہوں۔"
یہ خیال کمو اپنے دل سے کسی طرح نکال نہ سکتی تھی۔ اس کا جی چاہتا تھا کہ اپنے آپ کو سخت مار مارے۔ اس نے سُن رکھا تھا کہ ایسے بھی سنیاسی ہوتے ہیں جو کانٹوں کی سیج پر سوتے ہیں۔ وہ بھی کانٹوں پر سونے کے لئے راضی تھی، اگر اس کا کوئی فائدہ ہوتا۔ اگر کوئی جوگی، کوئی پنڈت، ایسا کوئی راستہ بتا دیتا، جس سے اس کی ذہنی پریشانی دور ہو جاتی، تو وہ اس کے ہاتھوں بکنے کو تیار تھی۔ ایسا کوئی نہ کوئی ضرور ہوگا۔ مگر کہاں ڈھونڈھے وہ۔ اگر وہ عورت نہ ہوتی تو کوئی نہ کوئی صورت ضرور ڈھونڈھ نکالتی۔ لیکن یہ چھوڑدا[1] کیا کر رہے ہیں۔ اکیلے دادا کے کندھوں پر سارا بوجھ ڈال کر وہ کس دل سے انگلینڈ میں بیٹھے ہیں؟۔

کمو کمرے میں داخل ہوئی، تو دیکھا بپرا داس بستر پر، چپ چاپ لیٹا کڑیوں اور شہتیروں کی طرف ٹکٹکی لگائے ہے۔ بھلا یوں بھی کہیں صحت درست ہو سکتی ہے؟ کمو کا جی چاہا کہ اپنی بگڑی قسمت کی چوکھٹ پر اپنا سر پٹک کر جان دیدے۔
بھائی کے سرہانے بیٹھ کے آہستہ آہستہ اس کا سر سہلاتی ہوئی بولی :-

"چھوڑدا کب آرہے ہیں؟"

"یہ تو میں نہیں بتا سکتا۔"

"اُنھیں آنے کے لئے خط لکھو نا۔"

"آخر کیوں، یہ تو بتا۔"

---

[1] چھوٹے بھائی۔

"گھر کا سارا جنجال تمہارے سر پر ہے۔ اکیلے یہ بوجھ تم کیسے اور کب تک ڈھو سکو گے"

"اس دنیا میں کسی کے حصّے میں صرف مطالبہ ہوتا ہے، اور کسی کے حصّے میں صرف ذمّہ داری۔ انھیں دونوں کے ساتھ یہ دنیا چلتی رہتی ہے۔ ذمّہ داری میں نے اپنے لئے مخصوص کر لی ہے۔ یہ میں کسی اور کو کیوں دوں؟"

"میں اگر مرد ہوتی تو تم سے زبردستی چھین لیتی۔"

"جب تو یہ سمجھتی ہے مکو کہ ذمہ داری اپنے سر لینے میں بھی ایک لذّت ہے، اور خود نہیں لے سکتی، اس لئے چھوڑدا کو دلوا کے اپنا شوق مٹانا چاہتی ہے۔ آخر کیوں؟ میں نے ہی آخر کیا قصور کیا ہے؟"

"دادا تم روپئے قرض لینے آئے ہو نا۔"

"کیسے سمجھی تو؟"

"تمہارا چہرہ ہی دیکھ کے سمجھ گئی۔ اچھا، یہ تو بتاؤ کہ میں کیا کچھ بھی نہیں کر سکتی؟"

"آخر کیا کرنا چاہتی ہے۔ بتا۔"

"اب یہی سمجھو جیسے کسی دستاویز پر دستخط کرنا۔ کیا میرے دستخط کی کوئی قیمت نہیں؟"

"خوب، قیمت ہے، مگر ہم لوگوں کی نگاہ میں۔ مہاجنوں کی نگاہ میں نہیں۔"

"تمہارے پاؤں پڑتی ہوں دادا۔ بتاؤ میں کیا کر سکتی ہوں؟"

"گھر کی لکشمی بن کے سکون سے رہ۔ صبر کے ساتھ انتظار کر۔ یہ یاد رکھ کہ زندگی میں یہ بھی ایک بہت بڑا کام ہے۔ جس طرح طوفان کے رُخ پر کشتی سیدھی رکھنا ایک بہت بڑا کام ہے، اسی طرح مصیبت میں دماغ ٹھیک رکھنا بھی ایک بہت مشکل کام ہے۔ جا، میرا اسراج اٹھا لا، اور بیٹھ کے تھوڑی دیر بجا۔"

"دادا، میرا بہت جی چاہتا ہے کہ کچھ نہ کچھ کروں۔"

"اسراج بجانا جیسے کچھ نہیں!"

"میں چاہتی ہوں کہ کوئی بہت سخت کام کروں۔"

"دستاویز پر دستخط کرنے سے بہت زیادہ سخت کام ہے، اسراج بجانا، جاکے اُٹھالا!"

اڑتالیسواں باب

اب سے پہلے شیاما بھی مدھوسودن سے اتنا ہی ڈرتی تھی جتنا سب اُس سے ڈرتے تھے۔ اگرچہ وہ یہ سمجھتی تھی کہ دل ہی دل میں مدھوسودن اکثر اس کی طرف جُھک بھی جاتا ہے۔ لیکن وہ کسی طرح بھی یہ اندازہ نہ کر پاتی تھی کہ کس طرف سے گھیرے کو توڑ کر اس تک پہونچا جا سکتا ہے۔ وقفہ دے دے کر ٹٹول ٹٹول کے اس نے آگے بڑھنے کی کوشش کی تھی۔ مگر بار بار اسے دھکا کھا کے پیچھے ہٹنا پڑا تھا۔ مدھوسودن یکسو ہو کر اپنے کاروبار کو بڑھانے کی کوشش میں لگا رہتا۔ کنچن (سونا) کی تمنا میں اس نے کامنی (عورت) کو بالکل ہی بے حقیقت سمجھ کر ٹھکرا دیا تھا۔ عورتیں اس لئے اُس سے بہت زیادہ ڈرتی تھیں۔ لیکن اس خوف میں بھی ایک کشش پنہاں رہتی ہے۔ اس دُور دُور رہنے اور ہچکچاہٹ کے باوجود بھی شیاما جیسے ایک پردے کی آڑ سے مدھوسودن کے گرد ایک خود فراموشی کے ساتھ طواف کر رہی تھی کبھی کبھی، غیر محتاط لمحوں میں، مدھوسودن نے اس کو تھوڑا تھوڑا سہارا بھی دیا تھا لیکن ایسے ہی لمحات میں حقیقی خوف کے اسباب بھی پیدا ہو گئے تھے۔ اور اس کے بعد ہی مدھوسودن تھوڑے دن تک دوسری طرف سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرنے لگتا، کہ اس کی زندگی میں عورت کا وجود بالکل ہی بے حقیقت ہے۔ اس لئے

شیام سندری اتنے دنوں تک اپنے آپ کو بہت بچا بچا کر رکھتی آئی تھی۔

مدھوسودن کی شادی کے بعد سے اسے اپنے آپ پر قابو نہ رہا۔ مدھوسودن اگر ہر عورت کی طرح کمو کی بھی تحقیر کرتا اُس سے بے التفاتی کرتا، تو وہ سہہ لیجاتی لیکن جب اس نے دیکھا کہ مدھوسودن اپنی باگ ڈھیلی کر کے کسی عورت کے لیے اندھا دھند متوالا ہو سکتا ہے، تو پھر اس سے اپنی حفاظت آپ کرنے کی تاب رخصت ہو گئی۔ اِدھر چند دنوں سے ہمّت کر کے وقت بے وقت، ذرا ذرا آگے بڑھ رہی تھی اور یہ محسوس کر رہی تھی کہ آگے بڑھنا ممکن ہے۔ کبھی کبھی اس نے تھوڑی بہت رکاوٹ بھی محسوس کی۔ لیکن پھر دیکھا کہ یہ رکاوٹ بھی دور ہوتی جاتی ہے۔ مدھوسودن کی کمزوری پکڑی جا چکی تھی، اس لئے وہ بھی اپنے صبر کے بندھنوں میں رہ نہ سکتی تھی۔ کمو جس دن اپنے میکے گئی، اس سے پہلے والی رات کو مدھوسودن نے اس کو جتنا قریب کھینچ لیا تھا، اتنا قریب تو وہ کبھی نہ ہوئی تھی۔ اس کے بعد ہی اس کے دل میں یہ خوف پیدا ہو گیا تھا، کہ کہیں اس کا ردِعمل نہ ہو۔ کہیں وہ پھر دھکا کھا کر پیچھے ہٹنے پر مجبور نہ ہو۔ لیکن اتنا اچھی طرح سمجھ میں آ گیا تھا کہ اگر وہ بزدلی سے کام نہ لے، تو خوف کے یہ تمام اسباب بھی ختم ہو جائینگے۔

مدھوسودن آج صبح ہی صبح گھر سے باہر نکل گیا تھا۔ واپسی ہوئی ایک بجے کے بعد۔ اِدھر بہت دنوں سے اس کے غسل کرنے اور کھانے کا وقت اتنا زیادہ کبھی نہ ٹلا تھا۔ آج تھکا ماندہ گھر پہونچا تو پہونچتے ہی اسے یاد آیا کہ کمو بھائی کے گھر جا چکی ہے اور خوش خوش ہی گئی ہے۔ مدھوسودن کی زندگی اتنے دنوں تک بالکل ہی اکیلی گذری تھی۔ پھر ایک ایسا وقت بھی آیا کہ جسم و روح میں اس نے ایک ناتوانی سی محسوس کی، اور اس کے دل میں کسی عورت کی محبّت کا سہارا لینے کا نیک خیال جاگ اٹھا۔ اسی لئے کمو کا اس طرح بے التفاتی کے ساتھ چلے جانا،

اس کو بہت ہی گراں گذرا۔ آج کھانا کھانے کے وقت شیام سندری قصداً اس کے پاس آکر نہ بیٹھی۔ اس لئے کہ ممکن تھا کہ مدھوسودن اپنی رات کی کمزوری کا احساس کر کے اپنے آپ سے بیزار ہو رہا ہو۔ کھانے کے بعد اپنی سونی خوابگاہ میں آکر وہ تھوڑی دیر خاموش پڑا رہا، پھر خود ہی شیاما کو بلوا بھیجا۔ شیاما سُرخ رنگ کی ایک ولایتی شال اوڑھے، ایک ذرا ہچکچاتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی اور نظر جھکائے ایک طرف کھڑی رہی۔ مدھوسودن بولا "آؤ ادھر آؤ یہاں بیٹھو۔"

شیاما یہ کہتی ہوئی سرہانے بیٹھ گئی کہ "تم تو جیسے بہت بیمار سے معلوم ہو رہے ہو۔" اور پھر اس کی طرف جھک کے اس کا سر سہلانے لگی۔

مدھوسودن بولا "ارے۔ تمہارا ہاتھ تو بہت ٹھنڈا ہے۔"

پھر رات کے وقت مدھوسودن جب اپنے کمرے میں سونے آیا تو دبے پاؤں ہی آ کے بولی "ایں! تم اکیلے ہو؟"

شیام سندری نے بڑی دیدہ دلیری کے ساتھ تمام حجابات اُٹھا دیئے، جیسے وہ نہایت بے پرواہی کے ساتھ تمام دنیا کو گواہ بنا کے مدھوسودن پر اپنا اقتدار محکم کر لینا چاہتی ہو اس کے لئے وقت زیادہ نہ تھا۔ کمو نہ جانے کب واپس آجائے۔ اسی بیچ میں اس کا قبضہ مکمل ہو جانا چاہئے۔ اس قبضہ کا اعلان ہو جائے تو اسکی قوت اور بھی بڑھ جائے گی۔ اب ایسے میں لاج شرم کرنے سے کام نہ چلے گا۔ صورت حال جب یہ ہو گئی، تو نوکروں، نوکرانیوں میں کانا پھوسی شروع ہو گئی۔ مدھوسودن نے اپنے دل میں جو آگ بہت دنوں سے بڑی قوت سے دبا رکھی تھی، وہ آگ اب اتنی ہی شدت سے بھڑک اٹھی۔ اس نے کسی کی بھی پرواہ نہ کی۔ اپنے دل کی کیفیت اس نے کھلے بندوں سارے گھر پر ظاہر کر دی۔

موتی کی ماں اور بینی، دونوں سمجھ گئے کہ اب اس آگ کو دبانا مشکل ہے۔

"ڈیڈی کو بلا لیا جائے کیا؟ کیا اور دیر کرنا اچھا ہوگا!"

"یہی تو میں بھی سوچ رہا ہوں۔ لیکن جبتک دادا کا حکم نہ ہو، باوجود بڑی کوشش کے کوئی راستہ نہیں دکھائی دیتا۔"

جس صبح کو بھائی کے پاس یہ بات کسی بہانے سے چھیڑنے کا ارادہ لیئے، بنین اس کے پاس گیا تو دیکھا کہ وہ کہیں جانے کو تیار کھڑا ہے۔ گاڑی بھی کھڑی ہے پوچھا "کہیں باہر جا رہے ہو کیا؟"

مدھوسودن اپنی ہچکچاہٹ دور کرتا ہوا بولا "اسی نجومی بیکنٹھ سوامی کے پاس جا رہا ہوں۔"

وہ چاہتا تھا کہ بنین سے اپنی یہ کمزوری چھپائے رکھے۔ پھر دفعتاً دل میں یہ خیال آیا کہ، اسے ساتھ لے لوں، تو سہولت ہوگی۔ اس لیئے بولا "آؤ چلو میرے ساتھ"

بنین نے دل ہی دل میں سوچا "لو ہوا ستیاناس" زبان سے بولا "ہاں کے پہلے دیکھ آؤں تو بہتر ہے۔ نہ جانے وہ گھر میں ہیں بھی یا نہیں۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ وہ اپنے وطن چلے گئے۔ مجھ سے بات تو یہی ہوئی تھی۔"

مدھوسودن بولا "اچھا تو ہے۔ چلو، چل کے دیکھ ہی لیا جائے۔"

بنین بے بس ہو کر ساتھ روانہ ہوا۔ مگر دل ہی دل میں آنے والی مصیبت کا اندازہ کرتا چلا۔"

نجومی کے گھر کے سامنے پہونچتے ہی، بنین جلدی سے گاڑی سے اتر پڑا۔ اور دروازے کے اندر جھانک کر بولا "معلوم ہوتا ہے مکان کے اندر کوئی نہیں"۔ ابھی اس کے مُنہ سے یہ جملہ نکلا ہی تھا، کہ بیکنٹھ سوامی خود بہ نفس نفیس نیم کی مسواک چباتے دروازے سے باہر تشریف لائے۔ بنین نے فوراً ان کے قدموں پر جھک کر پرنام کیا۔ اور آہستہ سے کہا "ذرا سنبھل کے باتیں کیجئے گا۔"

اسی اندھیری کوٹھری میں تینوں تخت پر بیٹھ گئے۔ بینن مدھوسودن کے پیچھے بیٹھا اور مدھوسودن کے کچھ کہنے سے پہلے ہی بول اٹھا، "مہاراجہ کی ساعت بڑی خراب جا رہی ہے۔ گرہ کب اترے گی، بتائیے شاستری جی۔"

بینن کا یہ جواب کی طرف اشارہ کرتا ہوا سوال مدھوسودن کو بہت ہی ناگوار گذرا۔ اس نے اپنے انگوٹھے سے بینن کی ران بہت زور سے دبائی۔

بیکنٹھ سوامی نے فوراً ہی مدھوسودن کا راس چکر بنا کر دکھایا، کہ اس کی دولت کے خانے میں سنیچر گرہ کا اثر پڑ رہا ہے۔"

گرہ کا نام جاننے سے تو مدھوسودن کا کچھ فائدہ نہ تھا۔ ان چکروں کا سمجھنا تو اس کے لئے بہت مشکل تھا۔ وہ تو بس یہ جاننا چاہتا تھا، کہ اس کے ساتھ جو لوگ دشمنی کر رہے ہیں، ان کے نام کیا ہیں۔ پنڈت جی اپنی پوتھی کے جتنے جی چاہے حروف پڑھ جائیں، ان کو تو صاف صاف نام نکال کر بتانا ہوگا۔ بینن کے لئے مشکل یہ تھی کہ وہ مدھوسودن کے دفتر کے اس قسم کے لوگوں کے نام نشان سے واقف نہ تھا۔ اشاروں سے بھی شاستری جی کی مدد کرنا، ممکن نہ تھا۔ بیکنٹھ سوامی بڑی محویت کے ساتھ اپنی پوتھی پڑھتے جاتے اور کنکھیوں سے مدھوسودن کی طرف دیکھتے بھی جاتے تھے۔ آج کے دن کے خانے میں جو نام تھے ان کے متعلق بھر گومنی بھی بالکل خاموش تھے۔ دفعتاً شاستری جی بول اُٹھے کہ دشمنی کر رہی ہے ایک عورت۔

بینن کی جان میں جان آئی۔ یہ عورت شیام سندری ہی ہے اگر کسی طرح سے یہ باور کرا دیا جائے تو پھر کوئی اندیشہ نہ رہے گا۔ مدھوسودن نے نام پوچھا تو شاستری جی نے حروف تہجی کی گردان شروع کر دی۔ کہ۔ کھ کی بحر میں آکے انھوں نے جیسے نظروں سے اوجھل بھر گومنی کی باتیں سننے کے لئے اپنے کان لگا دیئے اور ترچھی نگاہوں سے مدھوسودن کا چہرہ بھی دیکھتے رہے۔ "ک" کی بحر سنتے ہی مدھوسودن کے

چہرے پر ایک ذرا چمک سی آگئی۔ ادھر پیچھے سے بینن نے "نا" کا اشارہ کرنے کے لئے دہنے بائیں اپنا سر ہلانا شروع کیا۔ اس کو یہ معلوم نہ تھا کہ مدراس میں اس طرح کے اشارہ سے لوگ اُلٹے ہی معنی لیتے ہیں۔ بیکنٹھ سوامی کو اب کوئی شبہ نہ رہا۔ بڑے زور دار لہجے میں بول اُٹھے "ک" اس لئے کہ مدھوسودن کا چہرہ دیکھ کے ان کو یقین ہوگیا تھا کہ "ک" بجر کا پہلا ہی حرف ک ٹھیک ہے۔ اس لئے بات کو اور صاف طرح سمجھانے کے لئے بولے کہ مدھوسودن کی ساری نحوستیں اسی "ک" کے اندر ہیں۔ اس کے بعد مدھوسودن نے پورا نام جاننے کے لئے کوئی اصرار کرنے کی ضرورت نہ سمجھی۔ صرف اتنا پوچھا کہ "اس نحوست کا اُتار کیا ہوگا؟"

بیکنٹھ سوامی بڑی گمبھیرتا سے بولے "کنٹھ کنٹب کنٹھکا — یعنی یہ کہ عورت کی نحوست سے نجات ایک عورت ہی دلائے گی۔"

مدھوسودن چونک پڑا۔ سوامی جی اب انسانی کردار کی تحلیل نفسی کر رہے تھے۔

بینن نے بڑی بے چینی سے پوچھا "سوامی جی! یہ بتائیے کہ گھوڑ دوڑ میں مہاراجہ کا گھوڑا جیتا ہے یا نہیں۔

بیکنٹھ سوامی جانتے تھے کہ زیادہ تر گھوڑے کو جیتتے نہیں اس لئے انہوں نے جھوٹ موٹ حساب کر کے بتادیا "نقصان نظر آتا ہے۔"

حالانکہ ابھی کچھ دن پہلے ہی مدھوسودن کا گھوڑا بہت بڑی بازی جیت چکا تھا۔ مدھوسودن کو کچھ کہنے کا موقعہ نہ دیکر بینن نے فوراً ہی نہایت مایوسانہ صورت بنا کے پوچھا "سوامی جی یہ تو بتائیے کہ میری لڑکی کا حال کیا ہوگا؟"

یہ بتانا عبث ہے کہ بینن کے کوئی لڑکی سرے سے تھی ہی نہیں۔

بیکنٹھ سوامی نے دل ہی دل میں بات طے کرلی کہ ضرور لڑکی کے لئے بر تلاش کر رہا ہے۔ پھر بینن کا چہرہ دیکھ کے ان کو یہ بھی اندازہ ہوگیا تھا کہ لڑکی خوبصورت نہیں ہے

اس لئے جھٹ سے حکم لگا دیا کہ بر جلدی ملنا مشکل ہے۔ بہت روپیہ خرچ کرنا ہوگا۔"
بینن نے مدھوسودن کو کچھ اور پوچھنے کا موقعہ ہی نہ دیا۔ خود ہی بے در پے دس بارہ مہمل سوال کر ڈالے، اور ان کے الٹے پلٹے جواب سوامی جی سے کہلوا کر بھائی سے مخاطب ہو کر بولا "اب کیا کرو گے ٹھہر کے۔ اب چلو گھر۔"
پھر گاڑی پر سوار ہوتے ہی بولا "دادا، یہ سب چال ہی چال ہے اور کچھ نہیں مکّار کہیں کا!"
"لیکن اس دن تو ——"
"اس دن ضرور اس نے پہلے سے کچھ پتہ لگا رکھا ہوگا۔"
"اس کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ میں اسی دن آنے والا ہوں۔"
"یہ تو میری حماقت تھی، گھاٹ پر اس سے ملاقات ہو گئی تھی تو میں نے ذکر کر دیا تھا کہ تم کو لے کر آؤں گا۔"
جوتشی کے فریبی ہونے کا اب لاکھ ثبوت مہیا ہوتا رہے، مدھوسودن کے دل میں یہ بات جم گئی تھی، کہ اس کی تمام نحوست کا سبب یہ "ک" ہی ہے۔ اس نے دل میں سوچا کہ اِدھر اُدھر کے سوالات کے جواب غلط ہی سہی، مگر اس نے اصلی اور اہم سوال کا جواب بالکل ٹھیک ہی دیا ہے۔ مدھوسودن کو جن کا تصور بھی نہ ہو سکتا تھا، وہ تمام مصیبتیں اس کے سر پر شادی کے ساتھ ہی آئی تھیں۔ اس سے زیادہ صاف ثبوت اور کیا ہو سکتا تھا۔
مدھوسودن نے آہستہ آہستہ مطلب کی بات چھیڑی "دادا، دو ہفتے تو گذر چکے، اب بہورانی کو بلا لوں؟"
"کیوں؟ اتنی جلدی کا ہے کی ہے۔ دیکھو بینن تم سے صاف صاف کہے دیتا ہوں، کہ اب کبھی یہ سب باتیں میرے سامنے نہ کرنا۔ جب میری خوشی ہوگی بلا لونگا۔"

بینن بھائی کو اچھی طرح پہچانتا تھا۔ سمجھ گیا کہ اب یہ بات بالکل ختم ہوگئی۔ پھر بھی جرات کرکے اس سے پوچھ ہی بیٹھا۔ "منجھلی بہو اگر بہورانی سے ملاقات کرنے جائے تو اس میں کوئی حرج تو نہیں؟"

مدھوسودن حقارت سے بولا "جائے ضرور جائے!"

انچاسواں باب

ایک کوچ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے، بپر اداس بڑے تپاک سے بول اٹھا:
"آئیے آئیے نبین بابو۔ اِدھر بیٹھیے۔"

ببین بولا، "آپ سے شاید میری پوری تعریف نہیں کی گئی ہے۔ شاید آپ یہ سمجھتے ہیں کہ میں راج بھون کا کوئی معزز نوجوان ہوں۔ آپکی جو چھوٹی بہن ہیں، میں ان کا معمولی خادم ہوں۔ میری اتنی عزّت کرکے آپ مجھے اپنی دعاؤں سے محروم نہ کیجیے۔ لیکن یہ آپ نے کیا کر رکھا ہے؟" اپنے ایسے دیدار و جسم کا صرف سایہ باقی رہنے دیا ہے آپ نے؟"

"یہ جسم حقیقت نہیں، سایہ ہی ہے۔ یہ بات اکثر و بیشتر یاد کرتے رہنا اچھا ہے۔ اس سے کم از کم زندگی کے سفر میں انسان اور کچھ آگے ہی بڑھ جاتا ہے۔"

کمو کمرے میں داخل ہوتے ہی بولی "ٹھاکر پو! چلو کچھ کھا پی لو۔"

"کھاؤں گا تو ضرور، لیکن ایک شرط پر۔ جبتک وہ پوری نہ ہوگی۔ برہمن مہمان تمہارے دروازہ پر بھوکا پڑا رہے گا۔"

"شرط کیا ہے۔ یہ بھی تو سنوں۔"

"جب آپ ہم لوگوں کے گھر تھیں، اسی وقت میں نے التجا کی تھی۔ لیکن

وہاں تو کچھ قابو نہ تھا۔ اپنے بھگت کو تمہیں اپنی ایک تصویر دینی ہوگی۔ اس دن تم نے کہہ دیا تھا کہ میرے پاس نہیں، آج تو یہ نہیں کہہ سکتیں۔ تمہارے دادا کے کمرے میں سامنے ہی تو ٹنگی ہوئی ہے۔"

اچھی تصویر قسمت ہی سے بن جاتی ہے۔ کمو کی یہ تصویر تو جیسے مصورِ قدرت نے خود اپنے قلم سے بنائی تھی۔ اس تصویر میں اس کے چہرے سے ایک ایسی جوت پھوٹی پڑ رہی تھی جو کمو کے دل کی صفائی اور روشنی ظاہر کر رہی تھی۔ ماتھے پر عقل کی پاکیزگی کی دمک اور آنکھوں میں بڑی گہری نرم دلی کی چمک تھی۔ کھڑے قد کی تصویر تھی۔ کمو کا خوبصورت دایاں ہاتھ، ایک خالی کرسی کے دستہ پر رکھا ہوا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سامنے اپنے ہی کسی بعید عہد کا عکس دیکھ کر وہ ٹھٹک کر کھڑی ہوگئی ہے۔

اپنی یہ تصویر کمو نے خود بھی ابتک دیکھی نہ تھی۔ بیاہ کے دن کلکتہ سے فوٹو گرافر بلوا کر اسکے بھائی نے یہ تصویر کھنچوائی تھی اور اپنے کمرے میں ٹانگ دی تھی۔ یہ دیکھ کر کمو کا دل بھر آیا۔ تصویر کی اور کاپیاں ضرور ہوں گی، اسی توقع سے اس نے بھائی کی طرف دیکھا۔

بینن بولا: "آپ سمجھے نہیں بابو! بہورانی کو رحم آگیا ہے۔ دیکھئے نا ان کی آنکھوں کی طرف۔ میں جو اتنا نالائق ہوں اسی لئے مجھ پر وہ خاص شفقت کرتی ہیں۔"

بپرا داس ہنستا ہوا بولا "کمو! جا دیکھ میرے اس چمڑے کے سوٹ کیس میں تصویر کی اور کئی کاپیاں ہوں گی۔ تو اگر اپنے بھگت کو دان دینا چاہتی ہے تو کمی نہ ہوگی۔"

کمو بینن کو کھانا کھلانے لے گئی۔ اس کے بعد کالو کمرہ میں داخل ہوتے ہی کہنے لگا۔

"میں نے چھوٹے بابو کو تار بھیج دیا ہے کہ فوراً چلے آئیں۔"

"میرے نام سے بھیجا ہے؟"

"ہاں تمہارے ہی نام سے بھیجا ہے دادا۔ میں جانتا تھا کہ تم آخر تک ہاں نا کرتے رہو گے۔ اور ادھر ایک ایک گھڑی سخت سے سخت تر گذری ہے۔"

ڈاکٹر نے کہا تھا کہ سینے میں بلغم جما ہوا ہے جسم کو بہت آرام اور سکون کی ضرورت ہے۔ ایک زمانہ میں بیراداس کو کشتی کا بیحد شوق تھا، اس کا یہ نتیجہ تھا۔ اور اس پر یہ ذہنی پریشانیاں اور دباؤ ڈال رہی ہیں۔

بیراداس اس سوچ میں تھا کہ سبودھ کو اس طرح زبردستی طلب کرنا اچھا ہوگا یا نہیں۔ دیر تک خاموش پڑا سوچتا رہا۔ کالو پھر بولا "بڑے بابو بیکار اس قدر سوچ رہے ہیں۔ جائداد کے متعلق کوئی نہ کوئی بندوبست فوراً کرنا لازمی ہے۔ اور یہ انکے آئے بغیر ممکن نہیں۔ میں بارہ فی صدی سود دے کر مارواڑی کے ہاتھ میں گردن پھنسانا نہیں چاہتا۔ اور پھر وہ لوگ دو لاکھ روپے پیشگی سود کے حساب میں کاٹ لیں گے۔ اور اس پر دلالی بھی دینی ہوگی۔"

بیراداس نے کہا "اچھا تو سبودھ کو آنے دو۔ مگر آئے گا بھی وہ؟"

"وہ جتنے بڑے صاحب بھی کیوں نہ ہو گئے ہوں، تمہارا تار پا کے انھیں آنا ہی پڑے گا۔ لیکن دادا، اب اور دیر نہ لگاؤ۔ کھوکھی کو سسرال بھیج ہی دو۔"

بیراداس تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد بولا "مدھوسودن جبتک بلانہ بھیجے اس وقت واپس جانے کا حکم نہیں۔"

"کیوں؟ کھوکھی کیا اس کارخانے کی مزدورنی ہے؟ وہ اپنے گھر جائیگی، اس میں بھلا اس کے حکم کی کیا ضرورت ہے!"

کھانا ختم کرکے بپن بیراداس کے کمرے میں اکیلے ہی پلٹا۔ بیراداس بولا: "کمو تم کو بہت مانتی ہے نا!"

بپن نے کہا "جی ہاں مانتی تو ہیں۔ میں چونکہ نالائق ہوں اس لئے ان کی شفقت مجھ پر زیادہ ہے۔"

"اس کے متعلق میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ مجھ سے کچھ چھپانا مت۔"

"میری کوئی بات ایسی نہیں جو آپ سے کہنے میں مجھے کوئی عذر ہو۔"

"کمو جو یہاں آئی ہے، تو مجھے یہ شبہ ہو رہا ہے کہ اس میں کچھ پیچیدگی ہے؟!"

"آپ کا شبہ درست ہے۔ جن کی بے قدری کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، اس دنیا میں ان کی بھی بے قدری ہوتی ہے۔"

"اس کے معنی یہ ہوئے کہ اس کی بے قدری ہوتی ہے؟"

"اسی شرم کا مارا تو آیا ہوں۔ اور کچھ نہیں کر سکتا، تو کم از کم قدموں کی خاک لے کر معافی تو مانگ لوں۔"

"کمو اگر آج ہی سسرال چلی جائے، تو اس میں کوئی ہرج ہے؟"

"سچی بات تو یہ ہے کہ انھیں جانے کے لئے کہنے کی ہمت نہیں ہوتی۔"

پیراداس نے بنین سے یہ نہ پوچھا کہ ٹھیک واقعہ کیا ہے۔ اس لئے کہ اسے خیال ہوا کہ پوچھنا مناسب نہ ہوگا۔ کمو سے بھی کچھ پوچھ گچھ کر کے معاملے کی تہہ تک پہونچنا، اسے پسند نہ تھا۔ دل ہی دل میں پیچ و تاب کھاتا رہا پھر کالو کو بلا کے پوچھا "تم تو ان لوگوں کے یہاں آتے جاتے ہو، نا؟ مدھوسودن کے متعلق تمہیں کچھ ضرور معلوم ہوا ہوگا۔"

"کچھ سُن گن تو ملی ہے۔ مگر جب تک پوری بات معلوم نہ ہولے، تم سے کچھ کہنا نہیں چاہتا۔ دو دن اور صبر کرو۔ پتہ لگا کے پوری خبر دوں گا۔"

ان اندیشوں سے پیراداس کے دل میں ایک کوفت پیدا ہو گئی۔ جوابی کارروائی کرنے کی کوئی راہ نہ تھی، اس لئے الجھن اور بڑھی اور ایسا محسوس ہونے لگا جیسے اس کے سارے جسم کو کوئی مروڑ رہا ہے۔

پچاسواں باب

کمو کی دلی تمنا بر آئی۔ وہ اپنے جانے پہچانے گھر میں، اپنے بھائی کی محبت بھری پناہ میں، واپس آ گئی تھی۔ لیکن اسے یہ محسوس ہوا کہ اسکی وہ پہلی والی جگہ اس کو نہیں ملی۔ رہ رہ کے اس کے دل میں اس کی خودداری کروٹ لیتی اور جی چاہتا کہ ابھی واپس چلی جاؤں۔ کیونکہ وہ دیکھ رہی تھی کہ سب کے دل میں یہی سوال بار بار اُٹھ رہا ہے کہ وہ واپس کیوں نہیں جاتی؟ آخر بات کیا ہے؟ کیا ہوا ہے اسکو؟" بھائی کے دل میں جو کوفت ہے۔ اس کے متعلق دونوں میں صاف صاف باتیں بھی نہیں ہوئیں، اس کا سبب خود اس کی ذات ہے۔ مگر خود اُس سے یہ بات چھپائی جاتی ہے"

سہ پہر ہو رہی تھی۔ سورج ڈھل چکا تھا۔ خوابگاہ کے جنگلے کے پاس کمو بیٹھی تھی۔ کبوترے، کائیں کائیں کرتے جا رہے تھے۔ باہر سڑک پر گاڑیوں کی آمدورفت اور آدمیوں کے چلنے پھرنے سے طرح طرح کا شور مچ رہا تھا۔ بسنت رت کی نئی ہوا شہر کی اینٹوں اور کاٹھ پر بسنتی رنگ نہ چڑھا سکی تھی۔ سامنے والے مکان کو بڑی حد تک ڈھاکے ہوئے ایک بادام کا درخت تھا۔ چنچل ہوائیں اس کے گھنے سبز پتوں کو ہلا ہلا کر سہ پہر کی روشنی کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے بکھیرنے لگیں۔ ایسے ہی موسم میں پلی ہوئی ہرن اپنے انجانے بن کی طرف بھاگنا چاہتی ہے۔ جس دن

ہوا میں بسنت کی چھوت لگ جاتی ہے، تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دنیا بیقرار ہو کر نیلے آسمان کے کنارے افق کی طرف ٹکٹکی لگائے ہوئے ہے۔ یہ تمام چیزیں جو چوطرفہ گھیرا ڈالے ہوئے ہیں وہ سب کی سب بے حقیقت معلوم ہونے لگتی ہیں اور وہ جس کا کوئی نشان نہیں ملتا جس کی تصویر کھینچنا چاہیئے، تو آسمان سے رنگ اڑ جائے۔ وہی جس کی موتی جھلک دکھا کے بحر و بر کے رنگارنگ اشاروں میں گم ہو جاتی ہے، وہی سب سے بڑی حقیقت ہے۔ لکو کا دل بھی آج تھک کر جیسے ہانپ رہا تھا۔ ہر چیز سے بھاگنا چاہتا تھا۔ اپنے آپ سے بھی۔ لیکن یہ کیسا گھیرا تھا جس سے وہ نکل نہیں سکتی، آج اس گھر میں بھی اس کے لئے پناہ نہیں تھی۔ وہ سوچتی رہی۔ سوچتے سوچتے موت کو بھی اس نے ایک شیریں تصور بنا لیا۔ دل ہی دل میں بولی " کالی جمنا کے اس پار ہے۔ وہ سالونی صورت والا .... اُسی کی جستجو میں چلی جا رہی ہوں۔ دن پر دن گذرتے جاتے ہیں۔ کتنا تکلیف دہ ہے یہ راستہ!"۔ پھر اسے یاد آگیا کہ دادا کا مرض بڑھ گیا ہے۔ میں ان کی خدمت کرنے آئی تھی مگر میں نے روگ بڑھا دیا ہے۔ اس وقت میں جو کام بھی کرنا چاہوں گی الٹا ہی ہوگا۔ دونوں ہاتھوں سے منہ ڈھانپ کے کچھ دیر جی کھول کے روئی۔ پھر آنسو تھمے تو یہ طے کیا کہ اب واپس ہی چلی جاؤں گی۔ اب جو ہونا ہوگا سو ہو رہے گا۔ سب کچھ سہہ لوں گی۔ آخر میں تو رہائی ہے۔ ٹھنڈی گہری اور میٹھی۔ ایسی موت کا تصور جتنا زیادہ اس کے ذہن میں صاف ہوتا گیا، اتنا ہی زیادہ اسے یہ محسوس ہونے لگا کہ زندگی کا بوجھ اب بہت بھاری نہ ہوگا۔ بیٹھی بیٹھی گنگنانے لگی ؎

پتھ پر رہا نہیں اندھیارا

کنج پردیپ اجیارا

دوپہر کے وقت بھائی کو آرام سے سلا کے چلی آئی تھی۔ اب اس کو نواد

غذا دینے کا وقت آگیا تھا۔ کمرے میں آئی، تو دیکھا بیرا داس بستر پر سامنے پورٹ فولیو کھولے بیٹھا، سبودھ کو انگریزی میں خط لکھ رہا ہے۔ ایک ذرا ملامت انگیز لہجے میں بولی: " دادا! تم آج دوپہر کو ٹھیک سے سوئے نہیں!"

بیرا داس بولا "کیا تو یہ سمجھتی ہے کہ صرف سونے ہی سے آرام ملتا ہے۔ دل جس وقت خط لکھنے کی ضرورت محسوس کرے، اس وقت خط لکھنے ہی سے آرام ملتا ہے۔" کمو سمجھ گئی کہ یہ ضرورت اسکے لئے محسوس ہوئی ہے۔ سمندر کے اس پار ایک بھائی کو بیکل بنا رکھا ہے۔ اب سمندر کے اُس پار دوسرے کو تڑپا گئی۔ کیسی قسمت لے کر پیدا ہوئی تھی، ان دونوں کی یہ بہن! " بھائی کو چائے پلانے کے بعد آہستہ سے بولی " بہت دن ہو چکے، اب گھر واپس جانا چاہتی ہوں"۔

بیرا داس نے اُس کے چہرے پر نگاہ ڈال کر یہ سمجھنے کی کوشش کی، کہ یہ بات کس پہلو سے کہی گئی ہے۔ اتنے دنوں تک دونوں بھائی بہن کے درمیان جو کھل کے بات چیت ہوتی تھی، وہ انداز آج نہ تھا۔ اس وقت تو دل کی بات کہنے کے لئے اِدھر اُدھر ٹٹولنا پڑ رہا ہے۔ بیرا داس نے لکھنا بند کر دیا۔ کمو کو اپنے پاس بٹھا لیا اور خاموشی کے ساتھ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کے تھپکنے لگا۔ کمو اس کی یہ زبان سمجھ گئی۔ غم دوراں کی گرفت سخت ہو گئی ہے، مگر محبت کی پونجی میں ایک ذرا بھی کمی نہیں ہوئی۔ آنکھوں سے آنسو ٹپکنا چاہتے تھے، مگر اس نے روک لئے۔ کمو دل ہی دل میں بولی " اس محبت پر میں اب اور بوجھ نہ ڈالوں گی۔ اس لئے اس نے پھر بیرا داس سے کہا" دادا میں نے واپس جانے کا ارادہ کر لیا ہے"۔

بیرا داس کے دماغ میں بہت ڈھونڈھنے پر بھی کوئی جواب نہ آیا۔ اس لئے کہ شاید کمو کے لئے جانا ہی بہتر ہو۔ کم از کم فرض تو یہی ہے۔ چپ بیٹھا رہا۔ اتنے میں کتا جاگ اٹھا اور کمو کی گود میں دونوں ٹانگیں رکھ کے بیرا داس کے چھوڑے ہوئے ٹکڑوں کے واسطے " کوں، کوں" کرنے لگا۔

رام سروپ بیرے نے آ کر خبر دی کہ مکھرجی مہاشے آئے ہیں۔ کمو مضطرب ہو کر بولی "آج دن کو تمہیں نیند نہیں آئی۔ اب اس کے بعد کالو دا کے ساتھ سر کھپاؤ گے۔ طبیعت اور پریشان ہو جائے گی۔ بہتر تو یہ ہے کہ میں جا کے ان سے بات کر آؤں۔ اگر کوئی بات تم سے کہنے کی ہو گی تو آ کے کہہ جاؤں گی۔"

"تو تو بڑی ڈاکٹرنی جا رہی ہے۔ تو سمجھتی ہے کہ مریض کے سننے کی بات دوسرا سنے تو طبیعت کو تسکین ہو جائے گی"

"اچھا میں نہ سنوں گی، لیکن آج رہنے دو۔"

"کمو ایک انگریز شاعر کہتا ہے کہ سنے ہوئے گیت میٹھے ہوتے ہیں، لیکن نہ سنے ہوئے گیت اُن سے بھی زیادہ میٹھے ہوتے ہیں۔ اسی طرح سے سنی ہوئی خبریں پریشان کن ہو سکتی ہیں، لیکن نہ سنی ہوئی خبریں اور زیادہ پریشان ہوتی ہیں۔ اس لئے فوراً سن لینا ہی بہتر ہے۔"

"اچھا، مگر میں پندرہ منٹ کے بعد پھر آ جاؤں گی۔ اور اگر اس وقت تک بھی تم لوگوں کی بات چیت ختم نہ ہوگی، تو میں اسی کے بیچ میں اسراج لے کے بجانا شروع کر دوں گی۔"

"اچھا یہ منظور!"

آدھ گھنٹے کے بعد ہی اسراج ہاتھ میں لئے کمو کمرے میں داخل ہوئی۔ لیکن بیرا داس کے چہرے کا رنگ دیکھ کر اسراج دیوار سے ٹکا کے بھائی کے پاس بیٹھ گئی اور اس کا ہاتھ پکڑ کر پوچھا "کیا ہوا ہے دادا؟"

کمو نے اتنے دنوں بیرا داس میں جو بے قراری دیکھی تھی، اس میں ایک گہری بے دلی اور بے پروائی پائی تھی۔ بیرا داس کی زندگی میں بہت سی مصیبتیں آ چکی تھیں، مگر کسی نے آج تک اس کو آسانی سے اپنی راہ سے ہٹتے نہیں دیکھا تھا۔ کتابیں پڑھنا، گانا بجانا، دوربین سے ستاروں کی سیر کرنا، شہسواری کرنا، نئی نئی جگہوں سے طرح طرح کے بیج، پودے منگوا کر باغ میں لگانا، انھیں مشغول رکھتے تھے

مصروف رہ کر اپنے دکھوں کو اُس نے اپنے دل میں کبھی جگہ بنانے نہ دی۔

اب کے بیماری میں ناتوانی نے اس کو اپنے چھوٹے سے دائرہ میں بڑی سختی سے باندھ رکھا تھا۔ وہ اب دوروں سے ہمدردی اور ہمدمی کی توقع کرنے لگا تھا۔ خطوط آنے میں دیر ہوتی، تو وہ پریشان ہو جاتا۔ افکار کی بدلی دیکھتے ہی دیکھتے اور زیادہ کالی ہونے لگی تھی۔ اس لئے اب بھائی کے لئے کمو کی محبت نے ممتا کا رنگ اختیار کر لیا تھا۔ اسے ایسا معلوم ہوتا کہ اس کے صابر، سنجیدہ اور خود دار بھائی میں نہ جانے کہاں سے لڑکپن کا انداز پیدا ہو گیا تھا۔ وہی ناسمجھی، وہی بے قراری، وہی ضد، اور ان سب کے ساتھ گہری بے دلی اور اداسی۔

لیکن اس وقت کمو نے آکر دیکھا کہ بیرا داس کی وہ جذباتی کیفیت غائب ہو چکی ہے۔ اس وقت اس کی آنکھوں میں جو آگ تھی وہ ویسی تھی جو مہادیوجی کی تیسری آنکھ میں تھی۔ یہ شعلے اس کی آنکھوں میں کچھ اپنے دل کے درد کی وجہ سے نہ تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے اُس نے دُنیا کے کسی پاپ کو دیکھ لیا ہو۔ اور اب وہ اسے بھسم کر دینا چاہتا ہو۔ کمو کی باتوں کا اسنے کوئی جواب نہ دیا۔ سامنے دیوار پر کسی موہوم نقطہ پر نگاہ جمائے خاموش بیٹھا رہا۔

کمو تھوڑی دیر بعد پھر بول بیٹھی "کیا ہوا ہے دادا۔ بتاؤ نہ مجھے"۔ بیرا داس نے جیسے بہت دور ایک موہوم نقطہ پر نگاہ جمائے ہوئے کہنا شروع کیا "مصیبت سے کترا کر نکل جانے کی کوشش کرو، تو وہ اور زیادہ جم جاتی ہے۔ جرأت کے ساتھ اس کا سامنا کرنا ہوگا۔"

"تم نصیحت دو۔ میں عمل کروں گی دادا!"

"میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ عورتوں کی جو یہ توہین و تحقیر کی جاتی ہے، اسکا سبب سماج کی اندرونی خرابی ہے۔ یہ کسی ایک عورت کی انفرادی توہین نہیں کمو بھائی کی یہ بات

پوری طرح سمجھ نہ سکی۔

بیراداس بولا "اس درد کو میں صرف اپنا درد سمجھ کر دل ہی دل میں کڑھتا رہتا تھا۔ لیکن آج سمجھ میں آگیا کہ اس کے ساتھ جنگ کرنی ہوگی۔ صرف اپنی طرف سے نہیں، بلکہ سب کی طرف سے۔ انفرادی طور پر نہیں، جماعتی طور پر۔"

بیراداس کے پھیکے گورے چہرے پر ایک سرخی سی دوڑ گئی۔ اس کی گود میں ریشم کی کشیدہ کاری کیا ہوا ایک چوکور تکیہ تھا۔ اسے الگ پھینک کر وہ پاس والی کرسی پر جاکے بیٹھنا چاہتا تھا، کہ کمو نے اسے ہاتھ سے پکڑ کے پلنگ پر بٹھا دیا۔ اور بولی "سکون سے کام لو، دادا! اٹھو مت۔ تمہارا مرض بڑھ جائے گا" اور پیٹھ کے پیچھے اونچے تکیوں کا سہارا دیکر زبردستی اسے آدھا لٹا دیا۔

بیراداس کرتے کا گریبان مٹھی میں زور سے دباتا ہوا بولا "ظلموں کو سہے جانے کے سوا عورتوں کے لئے چونکہ کوئی اور چارہ نہیں، اس لئے ان پر مار پر مار پڑتی جاتی ہے۔ لیکن اب وہ وقت آگیا ہے کہ وہ اعلان کردیں کہ ہم اب ظلم نہ سہیں گے کمو؟ کیا تو اسی گھر کو اپنا گھر سمجھ کے یہاں رہ سکے گی؟ وہاں تیرا جانا اب ممکن نہیں۔"

آج کالو سے بیراداس نے بہت کچھ سن لیا تھا۔

شیام سندری اور مدھوسودن کے درمیان جو تعلق قائم ہوگیا تھا، وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہ تھی۔ دونوں ہی قطعاً بے فکر اور بے پرواہ تھے۔ لوگ انھیں خطاوار سمجھتے ہیں، اس احساس نے ان کی دیدہ دلیری اور بڑھا دی تھی۔ اس تعلق میں کوئی نزاکت تو تھی ہی نہیں۔ اس لئے زبانِ خلق سے بچ کر چلنے کی کوئی ضرورت بھی وہ محسوس نہ کرتے تھے۔ سننے میں آیا تھا کہ شیامسندری کو مدھوسودن نے اکثر زدوکوب بھی کی ہے۔ اور اس پر شیام سندری نے واویلا مچائی ہے تو سب کے سامنے ہی وہ یہ بھی بولا ہے کہ "دور ہو! بدذات! نکل جا میرے گھر سے!"

لیکن اس کا بھی کچھ اثر نہ ہوا۔ شیاما پر مدھوسودن نے اپنا مالکانہ اختیار پوری طرح سے قائم کر رکھا تھا۔ اپنی خواہش سے اس نے جو کچھ شیاما کو دیا، اس کے علاوہ جب بھی اس نے کسی چیز پر ہاتھ بڑھایا ڈانٹ سننی پڑی۔ شیاما چاہتی تھی کہ گھر کے انتظام میں موتی کی ماں کی جگہ وہ خود قبضہ کر بیٹھے، لیکن اس میں بھی اسے کامیابی نہ ہوئی۔ مدھوسودن موتی کی ماں پر پورا اعتماد کرتا تھا۔ شیام سندری پر اسے اعتماد نہ تھا۔ شیاما اس کے تصورات میں کوئی رنگ نہ بھر سکی تھی۔ وہ اس کے لئے بس ایک زبردست کمزوری بن کر رہ گئی تھی۔ ٹھیک جیسے جاڑے کے موسم میں بہت زیادہ استعمال کیا ہوا میلا لحاف، جس کی ضرورت تو بہرحال شدت سے محسوس ہوتی ہے، مگر بہت احتیاط اور تکلف سے رکھا نہیں جاتا۔ پلنگ سے زمین پر گر کر گرد آلود بھی ہو جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ لیکن آرام بہرحال اس سے ملتا ہی ہے۔ اسی طرح شیاما کو جتن کے سنبھال کے رکھنے کی ضرورت نہ تھی۔ شیاما اسے جی جان سے چاہتی ہے۔ اسے بہت بڑا مانتی ہے۔ اس کے لئے سب کچھ سہنے کو راضی ہے . . . . .
. . . . یہی اعتماد، یہی یقین مدھوسودن کی خودداری اور وقار کو سہارا دیکر اور محکم بنا رہا تھا۔ کموتی تو روزانہ اس کی خودداری کو ٹھیس لگتی رہتی تھی۔

مدھوسودن کی یہ نئی روداد معلوم کرنے کے لئے کالودا کو کچھ بہت زیادہ دوا دوش نہ کرنی پڑی۔ کیونکہ مدھوسودن کے گھر والوں میں ہر وقت اسی کا چرچا ہوتا رہتا تھا۔ بلکہ اب تو یہ بات اتنی پرانی ہو چکی تھی کہ لوگ اسکے عادی ہو چکے تھے۔ اسلئے اب یہ چرچا بھی سست پڑ گیا تھا۔

بپرادا س نے یہ خبر سنی، تو اس کے دل میں ایک آتشیں تیر پیوست ہو گیا۔ اس کے دماغ میں خیالات کا ایک طوفان اُٹھ رہا تھا۔ مدھوسودن نے چھپانے کی کوشش تک نہ کی۔ اپنی بی بی کی تحقیر و توہین کرنا اتنا آسان ہے؟ اس پر ظلم کو روکنے کے لئے

بیرونی مداخلت اتنی کم؟ عورت کو بے بس کرنے اور اسے شوہر کے قدموں سے جکڑ رکھنے کے لئے، سماج نے طرح طرح کے اوزار بھی پیدا کئے ہیں اور آزار بھی۔ لیکن بیچاری کمزور عورت کو شوہر کے ظلم وستم سے بچانے کے لئے کوئی ضروری تدبیر کبھی نہ کی گئی۔ بیرا داس کی نگاہ کے سامنے آناً فاناً ایک نقشہ سا پھر گیا کہ کیونکہ ہر گھر میں اور ہر زمانے میں عورت پر یہ بپتا ٹوٹتی اور توہین ہوتی آئی ہے۔ پتی ورتا کے مرہم کے دبیز لیپ چڑھا کر اس درد کو دبا رکھنے کی کوشش کی گئی۔ لیکن اس کے اسباب کو دور کرنے کے لئے کوئی قدم نہیں اٹھایا گیا۔ عورت کیا اتنی سستی، اتنی بے حقیقت ہے؟"

کمو سے مخاطب ہو کر بولا "کمو، تحقیر کو برداشت کئے جانا مشکل نہیں۔ لیکن برداشت کرنا ظلم ہے۔ تجھے تمام عورتوں کی طرف سے اُٹھ کر، اپنی عزت کے لئے مطالبہ کرنا ہوگا، چاہے اس کے لئے سماج تجھے جتنے بھی دکھ دینا چاہے اور دے

کمو نے کہا "دادا تم کونسی ذلت کا ذکر کر رہے ہو، میں اچھی طرح سمجھی نہیں!"

بیرا داس نے پوچھا، "تو پھر کیا تو ساری باتیں جانتی نہیں؟"

کمو بولی، "نہیں"!

بیرا داس خاموش رہا۔ پھر کچھ سوچ کر بولا "عورتوں کی اس ذلت و تحقیر کا دکھ میرے دل میں اتنا زیادہ کیوں جمع ہو گیا ہے۔ اس کا سبب جانتی ہے تو؟"

کمو نے کچھ جواب نہ دیا۔ بھائی کی طرف ٹکٹکی لگائے دیکھتی رہی۔ بیرا داس بولا: "زندگی بھر میری ماں نے جو دکھ اُٹھائے ہیں، وہ تو میں کسی طرح نہیں بھول سکتا۔ اسکی ساری ذمہ داری، فرض ناآشنا اور دھرم سے بیگانہ سماج پر ہے۔"

اس مسئلہ میں بھائی اور بہن کے خیالات میں اختلاف تھا۔ کمو اپنے باپ سے بہت زیادہ محبت کرتی تھی۔ اس کو یقین تھا کہ ان کا دل بہت ہی نرم تھا۔ اپنی تمام خامیوں کے باوجود بھی وہ بہت بڑے آدمی تھے۔ کمو اپنے اس عقیدہ اور یقین سے انحراف

کسی حال میں کر ہی نہ سکتی تھی۔ یہاں تک کہ باپ کو زندگی کے آخری دنوں میں جو دردناک تعب برداشت کرنا پڑا تھا دل ہی دل میں اس کی ذمہ دار بھی وہ اپنی ماں ہی کو سمجھتی تھی۔

بیرا داس بھی باپ کو بڑا انسان سمجھتا تھا۔ اسکی عزت کرتا تھا لیکن بار بار اپنی بے راہ رویوں اور زیادتیوں سے سب کے سامنے، جو وہ اسکی ماں کی بے دھڑک تحقیر کیا کرتے تھے، اس کے لئے وہ ان کو معاف نہ کر سکا۔ بلکہ اس کے دل میں ایک احساس فخر بھی تھا، کہ اسکی ماں نے بھی انھیں کبھی معاف نہ کیا۔

بیرا داس نے کہا۔ "میری ماں نے جو ذلت برداشت کی تھی، وہ تمام عورت ذات کی ذلت تھی۔ کمو کیا تو اپنی انفرادی حیثیت سے اپنی مصیبت کو بھلا کر اس بے عزتی اس تحقیر کے خلاف کھڑی ہو سکتی ہے۔ کبھی بھی ہار نہ مانے گی؟"

کمو سر جھکا کر آہستہ آہستہ بولی "لیکن بابا تو ماں سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے۔ یہ بات نہ بھولنا دادا۔ اُسی محبت سے تو بہت سے گناہ دھل جاتے ہیں۔"

بیرا داس نے کہا: "یہ مانتا ہوں۔ لیکن اتنی شدید محبت کرنے کے باوجود بھی وہ بڑی آسانی کے ساتھ ماں کی تحقیر کر جاتے تھے۔ اس میں سراسر قصور سماج کا ہے۔ اس لئے میں سماج کو کبھی معاف نہیں کر سکتا۔ سماج کے پاس محبت نہیں، صرف قانون ہے۔"

"دادا! تم نے کیا کچھ سنا ہے؟"

"ہاں سُنا تو ہے۔ وہ باتیں تجھ سے پھر کہوں گا رفتہ رفتہ۔"

"یہی اچھا بھی ہے۔ مجھے تو یہ ڈر لگ رہا ہے کہ آج کی یہ باتیں تمہاری صحت پر اور بُرا اثر ڈالیں گی۔

"نہیں کمو معاملہ الٹا ہے۔ اتنے دنوں بیماری اور افکار سے میرا جسم

ناتواں ہوتا جارہا تھا۔ آج جب دل یہ کہہ رہا ہے کہ زندگی کی آخری سانسوں تک جنگ کرنا ہے، تو اپنے جسم میں ایک تازہ توانائی اور نیا جوش محسوس کررہا ہوں۔"

"جنگ کیسی دادا۔"

"جس سماج نے عورت کو اس کے حقوق دینے کی بجائے ہمیشہ اسے فریب دیئے ہیں، اسی سماج کے خلاف جنگ۔"

"تم اس سماج کا کیا بگاڑ سکو گے دادا۔"

"میں اسے مانوں گا نہیں۔ اس کے علاوہ اور کیا کیا کرنا ہوگا وہ سوچوں گا۔ آج ہی سے سوچنا شروع کردیا ہے۔ اس گھر میں جو تیری جگہ ہے وہ پورے طور سے تیری ہی ہے۔ اس میں کسی کی شرکت نہیں۔ یہاں تو اپنے ذاتی استحقاق سے رہے گی۔ اپنے بل پر رہے گی۔"

"اچھا دادا! وہ سب تو ہوگا۔ لیکن اب تم باتیں نہ کرو۔"

اتنے ہی میں خبر آئی کہ موتی کی ماں آئی ہے۔

اکیاونواں باب

کمو موتی کی ماں کو اپنی خوابگاہ میں لیکے بیٹھی تو بات کرتے کرتے شام ہو گئی۔ بیرا روشنی کرنے کے لئے آیا، تو کمو نے اسے روشنی کرنے سے روک دیا۔

کمو نے ساری داستان سن لی۔ مگر چپکی بیٹھی رہی۔

موتی کی ماں بولی "گھر تو کاٹے کھاتا ہے بہورانی! جیسے آسیب زدہ ہو گیا ہو دم بھر ٹھہرنا دشوار معلوم ہوتا ہے۔ تم کیا چلو گی نہیں؟"

"میری طلب تو ہوئی نہیں؟"

"نہیں، طلب کرنے کا تو شاید خیال بھی نہ آیا ہو گا۔ لیکن تمہارے گئے بغیر بھی تو کام چلے گا نہیں؟"

"مجھے کیا کرنا ہے؟ میں تو انہیں کسی طرح آسودہ کر نہیں سکتی۔ سوچتی ہوں تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب میرے ہی کارن ہوا ہے۔ لیکن چارہ بھی کیا تھا۔ میں جو کچھ انہیں دے سکتی تھی، وہ اسے نہ لے سکے۔ اب میں خالی ہاتھ ان کے پاس جا کر کیا کروں۔"

"یہ کیا کہتی ہو بہورانی، گھر بار تو تمہارا ہی ہے۔ اُسے تم چھوڑ کیسے سکتی ہو۔"

"گھر بار سے تم کیا مراد لیتی ہو بہن؟ یہ کمرے، کوٹھریاں، مال اسباب آدمی جن؟ مجھے یہ کہتے شرم آتی ہے کہ مجھے ان چیزوں پر اختیار ہے۔ جب اندر کا اختیار

کھو چکی، تو ان باہری چیزوں کا لالچ کیا کروں؟"

"کیا کہتی ہو بہورانی؟ سچ مچ کیا تم اب گھر واپس آؤ گی ہی نہیں؟"

"تمام باتیں میں اچھی طرح سمجھ نہیں پاتی۔ اب سے کچھ پہلے کا زمانہ ہوتا، تو دیوتاؤں سے مدد مانگتی۔ غیبی اشارے کا سہارا ڈھونڈھتی۔ لیکن میرے وہ سب سہارے ٹوٹ چکے۔ ابتدا میں تو آثار ہر طرح سے اچھے ہی نظر آئے تھے۔ لیکن آخر میں تو کچھ کام نہ آیا۔ آج تو بار بار یہی سوچتی رہوں کہ دیوتاؤں کے بارے میں اگر دادا کی رائے پر عمل کرتی تو اتنی مصیبتیں نہ آتیں دیوتاؤں کے متعلق دل میں شبہے پیدا ہوئے، پھر بھی دل ان کی طرف سے میں ہٹا نہ سکی۔ پلٹ بلٹ کے وہ وہیں جاکر لوٹ پڑتا ہے۔"

"تمہاری باتیں سن کے تو مجھے ڈر لگتا ہے۔ کیا واقعی گھر نہ جاؤ گی اب؟"

"کبھی بھی نہ جاؤں گی یہ کہنا مشکل ہے۔ جاؤں گی یہ بھی کہنا دشوار ہے۔"

"اچھا اپنے بھیا سے ایک بار کہہ کے دیکھو نا، دیکھوں وہ کیا کہتے ہیں۔ انکے درشن تو ہو سکیں گے نا؟"

"چلو نا! ابھی لئے چلتی ہوں۔"

بپرا داس کے کمرے کے اندر داخل ہوتے ہی اس کا چہرہ دیکھ کے موتی کی ماں کو ایک دھچکا سا لگا۔ وہ ٹھٹھک کر کھڑی ہو گئی۔ اسے ایسا معلوم ہوا کہ جیسے وہ ایک زلزلے کے جھٹکے کھاتے ہوئے ایسے مندر کے سامنے کھڑی ہو جس کا کلس بھی ٹوٹ کر گر چکا ہو، جس کے چراغ بھی بجھ چکے ہوں۔ چاروں طرف ایک اندھیرا اور سناٹا چھایا ہو۔ اس نے پرنام کر کے قدموں کی خاک ماتھے پر لگائی اور نیچے فرش ہی پر بیٹھ گئی۔

بپرا داس گھبرا کے بولا "یہ کیا کرتی ہو، کرسی تو رکھی ہے سامنے۔"

موتی کی ماں سر ہلا کر بولی "نہیں، میں زمین پر بہت آرام سے ہوں"۔ گھونگٹ کے اندر اس کی دونوں آنکھیں ڈبڈبا آئیں۔ سمجھ گئی کہ بھائی کی یہ حالت دیکھ کر ہی کمو کی بری حالت ہو گئی ہے۔

کمو نے موتی کی ماں کی آسانی کے لیے کہا "بھیّا، یہ خاص طور سے آئی ہیں تمہاری رائے معلوم کرنے کے لیئے۔"

موتی کی ماں بول اٹھی "نہیں، نہیں! رائے معلوم کرنا تو بعد کی بات ہے میں تو آئی ہوں ان کے چرنوں کے درشن کرنے۔"

کمو نے کہا "وہ یہ جاننا چاہتی ہیں کہ میں ان لوگوں کے گھر جاؤں گی یا نہیں؟"

بیراداس اٹھ بیٹھا۔ بولا "وہ تو غیر کا مکان ہے۔ وہاں کمو کیسے رہ سکتی ہے"

اگر یہ بات وہ غصہ کے ساتھ کہتا تو اس کے دل کی سوزش میں اتنی تیزی نہ باقی رہتی لیکن اس کا لہجہ تو بہت ہی سکون تھا۔ جھنجھلاہٹ تو نام کو بھی نہ تھی۔

موتی کی ماں بہت آہستہ آہستہ کچھ بولی۔ اس کا خیال تھا کہ کمو اس کی ساری باتیں بیراداس کے کانوں تک پہونچا دے گی۔ لیکن کمو راضی نہ ہوئی بولی "تمہیں بلند آواز سے کہو۔"

موتی کی ماں ایک ذرا بلند آواز سے بولی "جو چیز ان کی اپنی ہے، کوئی بھی اس سے ان کو محروم نہیں کر سکتا۔ چاہے وہ کوئی بھی کیوں نہ ہو!"

"یہ بات غلط ہے۔ وہ تو صرف پناہ گیر ہے۔ اس کا اپنا تو کوئی اختیار نہیں حق نہیں۔ وہ اگر چھوڑ دیگی تو ممکن ہے لوگ اسے بدنام کریں، مگر کوئی روکے گا نہیں جتنی سزائیں ہیں وہ صرف اس کے لئے ہیں۔ پھر بھی یہ مہربانی سے بخشی ہوئی پناہ یہ رحم کا دیا ہوا سہارا، سہہ لیا جا سکتا، اگر یہ سہارا فراخدلی کیساتھ، اعلیٰ طرقی کے ساتھ دیا گیا ہوتا۔"

اب ایسی بات کا جواب موتی کی ماں کیا دے سکتی تھی۔ شوہر کا سہارا خطرہ

یں ہوتا ہے، تو لڑکی والے ہی ہاتھ پاؤں پکڑ کر منت کر کے اسے بچائے رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مگر یہاں تو معاملہ ہی الٹا تھا۔

تھوڑی دیر چپ رہنے کے بعد وہ پھر بولی "لیکن اپنا گھر بار نہ ہو تو عورت کو کوئی نہ کوئی جائے پناہ چاہیئے"!

"اس ذلت کی زندگی میں پناہ کہاں۔ میں تم سے یہ کہے دیتا ہوں کہ کمو کو جس نے پیدا کیا ہے، اس نے اسے پوری عزت و توقیر کے ساتھ ہی پیدا کیا ہے۔ اتنی طاقت کسی میں نہیں، کہ وہ کمو کے ساتھ بے پروائی اور حقارت سے پیش آئے۔ چاہے وہ ساری دنیا کا بادشاہ ہی کیوں نہ ہو!"

کمو سے موتی کی ماں کو بڑی محبت بھی تھی اور گہری عقیدت بھی۔ پھر بھی یہ بات اس کے کانوں کو بھلی نہ لگی کہ کوئی عورت اتنی بھی بلند مرتبہ ہو سکتی ہے، کہ اس کا غرور برتری اپنے شوہر کو بھی کمتر بنا دے۔ گھر میں شوہر کے ساتھ لڑائی جھگڑا بھی ہو سکتا ہے عورت کی قسمت میں ذلت و توہین بھی ہو سکتی ہے۔ یہاں تک بھی اکثر نوبت پہنچ جاتی ہے، کہ دکھوں سے نجات پانے کے لیئے بعض عورتیں، افیون کھا کر، یا گلے میں پھانسی لگا کر خود کشی بھی کر لیتی ہیں۔ یہ سب ہو سکتا ہے، مگر یہ کہ اسی سبب سے عورت اپنے شوہر سے بالکل الگ ہو کر خود اپنے بل پر زندگی بسر کرنا چاہے، یہ بات موتی کی ماں کے خیال میں حد سے بڑھی ہوئی جسارت اور بیجا خود اعتمادی ہی تھی۔ عورت ذات کو اتنا گھمنڈ کاہے کا؟ دعوسو دن جتنا بھی نالائق ہو، جتنا بھی ظلم کرے پھر بھی وہ مرد ہے۔ اس حیثیت سے وہ اپنی بی بی سے بڑا ہے۔ اس میں کسی بحث کی گنجائش نہیں۔ بدھاتا سے مقدر کون لڑ سکتا ہے؟

موتی کی ماں بولی "آخر ایک دن تو وہاں جانا ہی پڑے گا۔ اور کوئی راستہ تو ہے نہیں!"

"جلانا ہی پڑے گا۔ یہ بات زر خرید غلاموں کے لئے تو ہو سکتی ہے۔ کوئی انسان تو اسے مان نہیں سکتا۔"

"بیاہ کے منتر پڑھے جانے کے بعد عورت خریدی ہوئی لونڈی ہو جاتی ہے۔ جس دن سات پھیرے لگائے گئے، اسی دن وہ تن من سے بندھ جاتی ہے۔ اسکے بعد تو اسے بھاگنے کی طاقت نہیں رہ جاتی۔ یہ بندھن تو زندگی بھر کا ہے۔ عورت ہو کر جب پیدا ہوئی، تو پھر عورت کی جو قسمت ہے، اسے تو کسی طرح اکھاڑ پھینکا نہیں جا سکتا۔ لوٹایا نہیں جا سکتا۔"

بیرا داس سمجھ گیا کہ عورت کی عزت خود عورت کی نگاہ میں سب سے کم ہوتی ہے۔ وہ جانتی نہیں، کہ اسی سبب سے گھر گھر عورت کی تقدیر میں اس طرح ذلت سہنا آسان سمجھا جاتا ہے۔ یہ اپنی روشنی خود ہی بجھا بیٹھی ہے۔ اس کے بعد خوف سے مری جاتی ہے، فکروں سے مری جاتی ہے۔ نالائق مردوں کے ہاتھ سے مار کھائے جاتی ہے، اور یہ سمجھتی ہے کہ یہ سب کچھ چپکے چپکے سہہ لینا ہی عورت کے کردار کی انتہائی بلندی ہے۔ نہیں! ہرگز نہیں! انسان کی اس ذلت کو کسی طرح برداشت نہیں کیا جا سکتا۔ سماج نے جس کو اتنا نیچا کر دیا ہے، وہ بھی سماج کو روز بروز ادبستی کی طرف لے جا رہی ہے۔

بیرا داس کے پلنگ کے پاس ہی کمو سر جھکائے فرش پر خاموش بیٹھی تھی۔ بیرا داس نے موتی کی ماں سے پھر کچھ نہ کہا۔ کمو ہی سے مخاطب ہو کر بولا "تجھ سے ایک بات کہتا ہوں کمو، سمجھنے کی کوشش کر۔ طاقت، جہاں ایک جنس سربراہ ہو، جس کے جانچنے کی کوئی صورت نہ ہو، جسے اقتدار قائم رکھنے کے لئے اپنی لیاقت کا ثبوت نہ دینا پڑے، وہاں صرف کم ظرفی اور کمینہ پن کی تخلیق ہوتی ہے۔ یہ بات میں تجھ سے پہلے بھی کئی بار کہہ چکا ہوں، تو اپنی شرافت کو نہ چھوڑ سکی۔ اس لئے تجھے

تکلیف اٹھانی پڑی۔ تو جب بڑے اہتمام سے برہمن بھوجن کراتی تو میں کبھی نندکتا تھا، بار بار یہ سمجھانے کی کوشش ضرور کی تھی، کہ نافہمی سے کسی کو بڑا مان لینا، صرف یہی نہیں کہ ماننے والے کی ہی خرابی ہے، بلکہ سماج کی برائی کے اصول کی بھی تحقیر ہے۔۔۔۔

اس طرح کی اندھی عقیدت سے ہم اپنی انسانیت کی بھی توہین کرتے ہیں، یہ کوئی نہیں سوچتا۔ آخر کیوں ؟ تو نے کچھ انگریزی ادب بھی پڑھا ہے۔ کیا یہ سمجھ نہ سکی کہ اس گروہ بندی اور شاستر سازی کی اس اٹل طاقت کے خلاف، آج دنیا بھر میں جنگ چھڑی ہوئی ہے۔ جس من گھڑت، اندھی غلامی کو، بڑے بڑے نام دیکر، انسان زمانہ قدیم سے پالتا آرہا ہے، اس کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کا وقت اب آگیا ہے۔"

کمو سر جھکائے ہوئے بولی" دادا پھر کیا تم یہ کہتے ہو، کہ عورت اپنے شوہر سے بغاوت کر سکتی ہے؟ اُس سے بے نیاز ہو سکتی ہے؟"

" بیجا اور بے سبب بغاوت ہی کو میں قابل الزام سمجھتا ہوں۔ شوہر بھی بی بی سے بغاوت نہیں کر سکتا —— میری رائے تو یہی ہے۔"

" لیکن اگر کرے تب؟ کیا اسی وجہ سے بی بی ——"

کمو کی بات ابھی ادھوری ہی تھی کہ بیپرا داس بول اٹھا۔" عورت اگر اس نا اتفاقی کو سہہ لیتی ہے، تو گویا ساری عورت ذات کے ساتھ دغا کرتی ہے۔ اسی طرح سے ایک ایک عورت کے ذریعہ تمام عورت ذات پر دکھوں کا ہجوم بڑھتا جاتا ہے اور ظلم و زبردستی کا راستہ اور ہموار ہوتا رہتا ہے۔"

موتی کی ماں ایک ذرا بے صبری سے بول اٹھی" ہم لوگوں کی یہ جو بھورانی ہیں یہ تو ہیں ستی لکشمی۔ اگر کوئی ان کی توہین بھی کرنا چاہے، تو وہ توہین بھی ان کے کردار پر کوئی اثر نہیں چھوڑ سکتی ——"

بیپرا داس کے لہجے میں ایک ذرا جھلاہٹ سی پیدا ہو گئی۔ بولا" تم لوگ صرف

ستی لکشمی ہی کے متعلق سوچتی ہو۔ اور جو کمینہ، بے روک ٹوک اس کی توہین کرتے رہنے کا اختیار پا کر اسے ہر وقت، اور ہر روز، استعمال کرتا رہتا ہے، اس کی بدبختی پر کیوں غور نہیں کرتیں؟"

کمو اٹھ کھڑی ہوئی اور بیراداس کے بالوں میں انگلیوں سے کنگھی کرتی ہوئی بولی "دادا، اب تو تم بات نہ کرو۔ تم جسے نجات کہتے ہو، جو علم سے حاصل ہوتی ہے، وہ ہم لوگوں کی رگوں میں دوڑ نہیں سکتی۔ ہم لوگ تو انسان کو بھی پکڑے رہنا چاہتے ہیں، اور عقیدت کو بھی۔ کسی طرح بھی اس کی جڑ کو اکھاڑ نہیں سکتے۔ کتنی ہی چوٹ کھائیں، گھوم پھر کے پھر اسی میں اٹکے رہتے ہیں۔ تم لوگ بہت کچھ جانتے ہو، اس لئے تم لوگوں کا دل و دماغ آزاد رہتا ہے۔ ہم لوگ بہت کچھ مانتے ہیں، اس لئے ہم لوگوں کی زندگی سونی رہتی ہے۔ لیکن غلطی کا اعتراف کرنا اور غلطی سے باز آنا، تو ایک نہیں؟ لتا کی طرح ہم لوگوں کی تمام ہر چیز کو لپیٹ کر پکڑے رہتی ہے۔ اب وہ بری ہو یا اچھی۔ اس کو چھوڑ نہیں سکتی۔"

بیراداس نے کہا "اسی لئے تو دنیا میں کمینے مردوں کی پوجا، اور پجاریوں کی کمی نہیں ہوتی۔ جاننے کو تو وہ بھی پلید کو پلید ہی جانتی ہیں، مگر ماننے کے وقت اسے پاک ہی سمجھ کر مانتی ہیں۔"

کمو بولی، "کیا کروں دادا۔ ہم لوگوں کی تخلیق ہی ہوئی ہے اس لئے کہ دنیا کو دونوں ہاتھوں سے پکڑے رہیں۔ اس لئے تو ہم لوگ درخت کو بھی مضبوطی سے پکڑے رہتے ہیں۔ اور سوکھے تنکے کو بھی گرو کو ماننے میں ہمیں جتنی دیر لگتی ہے، اتنی ہی دیر بھگت کو ماننے میں بھی لگتی ہے جب ہمارے دل کا یہ حال ہے تو دکھ سے ہمیں پھر کون بچا سکتا ہے۔ اس لئے سوچتی ہوں کہ دکھ جب سہنے ہی ہیں، تو پھر انھیں مان کے بھی، انھیں دور کرنے کی تدبیر کرنی ہوگی۔ اس لئے تو عورتیں دھرم کا اتنا سہارا لیتی رہیں۔"

ہیرا داس نے کچھ جواب نہ دیا۔ چپکا بیٹھا رہا۔
یہ چپ بیٹھے رہنے نے بھی کمو کا دل دکھایا۔ کمو جانتی تھی کہ باتیں کرنے سے زیادہ اہم یہ خاموشی ہے۔

کمرے سے باہر آکر، موتی کی ماں نے پوچھا "کیا طے کیا بہو رانی؟"
کمو بولی "جا نہیں سکتی ہیں۔ پھر انھوں نے واپس جانے کی اجازت بھی تو نہیں دی۔"
موتی کی ماں دل ہی دل میں کچھ چڑ سی گئی۔ یہ بات نہ تھی کہ اپنی سسرال سے کچھ اسے بہت زیادہ عقیدت تھی، لیکن سسرال سے اتنے دنوں کے لگاؤ نے اس کے دل میں ایک ممتا سی بھر دی تھی۔ وہ یہ کسی طرح سے برداشت نہیں کر سکتی تھی، کہ اس گھر کی کوئی بہو اس گھر کو اس طرح ٹھکرائے۔

کمو سے اس نے جو کچھ کہا تھا اس کا اصل مقصد یہ تھا کہ مرد میں فطرتاً درد مندانہ کم ہوتا ہے، اور بے لگامی بہت زیادہ ہوتی ہے۔ یہ بات پیدائشی ہے۔ تخلیق میں تو ہمارا کوئی دخل نہیں۔ جو کچھ بنا بنایا ملتا ہے، اسی کو برتنا ہوگا۔ "یہ لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں۔" کہہ کر دل کو سمجھا لینا، اور کسی نہ کسی طرح زندگی بسر کر لینا ہی چاہیئے، کیونکہ گھر تو عورت ہی کا ہوتا ہے۔ شوہر اچھا ہو یا برا، بہر حال گھر تو چلانا ہی پڑتا ہے۔ اور یہ بھی کسی طرح ممکن نہ ہو، تو پھر موت کے سوا چارہ نہیں۔

کمو ہنس کر بولی "تو پھر یہی سہی۔ موت میں ہرج ہی کیا ہے؟"
موتی کی ماں تڑپ کے بولی "ایسی بات نہ کہو"
کمو کو یہ معلوم نہ تھا، کہ اس کی سسرال کے محلے ہی میں تھوڑے ہی دنوں پہلے ایک سترہ برس کی نوجوان دلہن نے کاربولک ایسڈ پی کر جان دیدی تھی۔ اس کے ایم، اے، پاس شوہر ایک سرکاری دفتر میں کسی بڑے عہدے پر تھے۔ دلہن غریب نے بالوں پر لگانے کی ایک روپہلی کنگھی گم کر دی۔ ماں سے، جو انھوں نے

اس کی نالش سُنی، تو دلہن کو ایک لات ماردی تھی۔ موتی کی ماں کو یہی حادثہ یاد آگیا، اور اس کے جسم میں جیسے کانٹے سے چبھنے لگے۔

ٹھیک اسی وقت بنین داخل ہوا۔ کمو خوش ہو کر بول اٹھی "میں جانتی تھی کہ ٹھاکر پُو کے آنے میں کچھ زیادہ دیر نہ ہونے پائے گی۔"

بنین ہنس کر بولا "آپ کو منطق میں بھی خاصا دخل معلوم ہوتا ہے۔ بہورانی آپنے شریمتی "دھواں" کو دیکھا، تو اس کے بعد یہ حکم لگانا مشکل نہ تھا، کہ شریمان "شعلہ" بھی ظاہر ہونے والے ہی ہیں۔"

موتی کی ماں بولی "بہورانی، تم نے تعریف کر کرکے ان حضرت کو بہت سر چڑھا دیا ہے۔ یہ اس خوش فہمی میں گرفتار ہوگئے ہیں کہ ان کو دیکھ کے تمہیں بہت خوشی ہوتی ہے۔ اس لئے اتنا دماغ ——"

"مجھے دیکھ کے جو خوش نہیں ہوتیں، ان کی طاقت کچھ کم ہے۔ مجھے جنہوں نے بنایا ہے، وہ بھی اپنی تخلیق کو دیکھ کے پچھتاتے ہی ہوں گے اور جنہوں نے میرا ہاتھ پکڑا ہے ان کے دل کا حال ......"

"ٹھاکر پو! تم دونوں بحث پر اُتر آئے۔ میں تیسری ہستی رنگ میں بھنگ ڈالنا نہیں چاہتی، اس لئے میں چلی۔"

موتی کی ماں بولی "یہ کیا کہتی ہو بہن؟ یہاں تیسری ہستی کون ہے؟ تم ہو یا میں تم کیا یہ سمجھتی ہو کہ گاڑی کا کرایہ دے کر وہ مجھے دیکھنے آئے ہیں۔"

"نہیں، لیکن میں جا کے ذرا ان کے لئے ناشتہ کا سامان کر آؤں جلدی سے"

یہ کہتی ہوئی کمو چلدی۔

باونواں باب

موتی کی ماں نے پوچھا "کوئی تازہ خبر ہے شاید؟"

"ہے تو سہی۔ اس لئے تو دیر نہ کی۔ تم سے مشورہ کرنے دوڑا آیا ہوں۔ ہم چلی آئیں۔ اس کے بعد ہی دفعتاً دادا میرے کمرے میں آموجود ہوئے۔ مزاج بہت چڑھا ہوا تھا۔ ایک معمولی سی گلٹ کی راکھ دانی میز پر سے غائب ہو گئی ہے۔ شاید جس کے قبضے میں وہ آئی ہے، اس نے سونے کی چیز سمجھا ہے۔ ورنہ اپنی عاقبت کیوں بگاڑ لیتا۔ جانتی ہو نا کہ حقیر سے حقیر بھی کوئی چیز تلف ہو جائے تو دادا کی ساری جائیداد، ساری ریاست میں، جیسے زلزلہ سا آجاتا ہے۔ وہ اتنا سا بھی نقصان برداشت نہیں کر سکتے۔ آج صبح ہی صبح آفس جاتے وقت مجھے حکم دے گئے کہ شیاما کو دیہات بھیج دو۔ میں بڑے خلوص سے اس نیک کام میں لگ گیا۔ طے کر لیا تھا کہ ان کی واپسی سے پہلے ہی انجام دے دوں گا۔ اتنے ہی میں تقریباً ڈیڑھ بجے دن کو، دادا میرے کمرے میں اچانک داخل ہو کر بولے" ابھی کچھ دنوں کے لئے رہنے دو۔" اتنا کہہ کر کمرے سے نکلنا ہی چاہتے تھے کہ میری میز پر بھورا لی کی اُسی تصویر پہ نظر پڑ گئی۔ ٹھٹھک گئے۔ میں سمجھ گیا، کہ ترچھی نظروں کو سیدھا کر کے، تصویر پوری طرح دیکھتے، دادا کو شرم معلوم ہو رہی ہے۔ میں نے کہا" دادا، ایک ذرا بیٹھ جاؤ۔

تمہیں ڈھاکے کی ایک ساری دکھانا چاہتا ہوں۔ موتی کی ماں کی چھوٹی بھاوج کی چھٹی ہے اسی کو دینا ہے۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گنیش رام مجھے ٹھگ رہا ہے۔ اس لئے تم کو دکھا کر اطمینان کر لینا چاہتا ہوں۔ میرا تو یہ اندازہ ہے کہ تیرہ روپے ہرگز اس کی قیمت نہیں ہو سکتی۔ زیادہ سے زیادہ لو، ساڑھے نو روپے کی ہوگی۔"

موتی کی ماں حیرت زدہ ہو کر بولی "یہ بات تمہارے دماغ میں کہاں سے ٹپک پڑی میری چھوٹی بھاوج کی چھٹی ہونے کی ابھی کونسی صورت ہے۔ ابھی تو اس کی گود میں ڈیڑھ دو ماہ کا بچہ ہے۔ دیکھتی ہوں کہ آجکل باتیں بنانے میں بڑی مہارت حاصل کر لی ہے۔ کہاں سیکھا ہے، یہ فن تم نے؟"

"وہیں سے جہاں سے کالی داس نے شاعری سیکھی تھی۔ بنیا پانی (سرسوتی دیوی) سے۔"

"جبتک بنیا پانی تمہیں نہ چھوڑیں اس وقت تک تمہارے ساتھ زندگی گذارنا تو مشکل ہوگا۔"

"میں نے عزم کر رکھا ہے، کہ سورگ باشی ہونے سے پہلے، نرک کے درشن کر لوں گا۔ بھوانی کے چرنوں سے میں یہی دان لوں گا۔"

"لیکن یہ ساڑھے نو روپے والی ڈھاکہ کی ساری، تمہیں جھٹ سے کہاں مل گئی؟"

"کہیں بھی نہیں۔ بیس منٹ کے بعد ہی واپس آکر کہہ دیا، کہ گنیش مجھ سے کچھ بغیر ہی ساری واپس لے گیا۔ دادا کا چہرہ دیکھ ہی کے میں سمجھ گیا، کہ تصویر ان کے مغز میں گھس کر ایک خواب بن گئی ہے۔ نہ جانے کیوں، دنیا بھر میں دادا کو اگر کسی سے آنکھ کی لاج ہے، تو وہ صرف مجھ سے۔ میری جگہ اور کوئی ہوتا، تو جھٹ سے تصویر چھین لینے میں انھیں کوئی تکلف نہ ہوتا۔"

"تم بھی تو کم لالچی نہیں۔ دے ہی دیتے وہ تصویر دادا کو تو کیا تھا۔"

"دے تو دی، مگر خوشی دل سے نہیں۔ کہا دادا اس تصویر سے اگر ایک بڑی روغنی تصویر بنوا کر تمہارے کمرے میں ٹانگ دی جائے تو کیسا ہو؟ دادا ذرا اداسی سے بولے" اچھا دیکھا جائے گا۔" اور یہ کہہ کر تصویر ہاتھ میں لئے اُوپر چلے گئے۔ اس کے بعد کیا ہوا، یہ ٹھیک معلوم نہیں۔ غالباً اس دن پھر آفس جانا بھی نہ ہوا۔ اور وہ تصویر بھی واپس ملنے کی کوئی امید نہ رہی۔"

"تم اپنی بہو رانی کے لئے جب سورگ بھی کھو دینے کو تیار رہو، تو ایک تصویر ہی ہاتھ سے چلی گئی تو کیا ہرج ہوا۔"

"سورگ کے متعلق تو شبہ ہے۔ تصویر کے متعلق تو کوئی شبہ نہ تھا۔ ایسی تصویر تو اتفاقیہ ہی اتر جاتی ہے۔ وہ جو غیر معمولی لگن سے لکشمی دیوی کا پرتو انھیں ملا تھا، وہی ناقابل حصول پرتو ان کی اس تصویر میں جلوہ گر ہے۔ میں نے راتوں کو اٹھ اٹھ کر چراغ جلا جلا کر ان کی یہ تصویر پہروں دیکھی ہے۔ چراغ کی روشنی میں ان کے چہرے کا یہ جلال وجمال اور بھی دمک اٹھتا تھا۔"

"کیوں جی، میرے سامنے بڑھ چڑھ کر ان کی تعریف کرتے ذرا بھی ڈر نہیں لگتا تمہیں؟"

"ڈر لگتا تو تمہارے اندیشوں کا بھی خیال آتا۔ ان کو دیکھ کر تو میرا طلسم حیرت ٹوٹتا ہی نہیں۔ میرے دل میں تو رہ رہ کے یہی خیال آتا ہے، کہ ہم لوگوں کی تقدیر اتنی روشن کیسے ہو گئی۔ یہ ممکن کیسے ہوا؟ میں جو انھیں بہو رانی کہہ سکتا ہوں، اس خیال ہی سے میرے جسم میں جیسے کانٹے چبھنے لگتے ہیں اور وہ، جو اس معمولی سے انسان بینن کے پاس بیٹھ کے ہنس ہنس کے بات کرتی ہیں۔ اس دُنیائے آب و گل میں یہ ممکن کیسے ہوا؟ ہم لوگوں کے خاندان میں سب سے زیادہ بدقسمت ہمارے دادا ہی

جس کو اتنی آسانی سے پا گئے تھے، اسے باندھ رکھنے چلے، تو کھو ہی بیٹھے۔"

"بس بس! بھورانی کی تعریف میں تمہارا منہ جو کھلتا ہے تو بند ہونا ہی نہیں جانتا!"

"منجھلی بہو! میں جانتا ہوں کہ تمہارے دل پہ کچھ چوٹ لگتی ہوگی۔"

"نہیں، ہرگز نہیں!"

"ہاں، ایک ہلکی سی۔ لیکن اسی سلسلے میں یہ بات تمہیں یاد دلا دینا مناسب ہے کہ نور نگر کے اسٹیشن پر، جو بھورانی کے بھائی کو تم نے پہلے پہل دیکھا تھا اور جو کچھ ان کے متعلق اس وقت کہا تھا، اس کو بھی عرف عام میں مبالغہ ہی کہتے ہیں۔ یعنی خوب بڑھ چڑھ کے تعریف کرنا۔"

"اچھا، اچھا، وہ سب بحث ابھی رہنے دو۔ جو کہنے جا رہے تھے، پہلے وہ کہو!"

"میرا خیال ہے کہ آج کل ہی میں دادا بھورانی کو بلوا بھیجیں گے۔ بھورانی جو اتنے اشتیاق سے میکے چلی آئیں، اور اس کے بعد اتنے دنوں تک واپس جانے کا نام بھی نہ لیا، اس کی وجہ سے دادا کے دل میں بہت رنج ہے۔ یہ میں مانتا ہوں۔ دادا کسی طرح نہیں سمجھ پاتے، کہ سونے کے پنجڑے میں چڑیا کیوں نہیں رہنا چاہتی! بے وقوف چڑیا! احسان فراموش چڑیا!"

"تو پھر ٹھیک ہے۔ بڑے ٹھاکر بلا بھیجیں نا۔ بات تو یہی ہوئی تھی؟"

"میں سمجھتا ہوں کہ بلانے کے پہلے ہی، اگر بھورانی چلی جائیں تو بہتر ہو۔ دادا کی خودداری ہی کی ذرا سی جیت سہی۔ پھر یہ کہ بپرادا س بابو بھی یہی چاہتے ہیں، کہ بھورانی اپنے گھر واپس جائیں۔ میں نے ہی منع کر دیا تھا۔"

بپرادا س بابو کے ساتھ ابھی ابھی جو گفتگو اس سلسلے میں ہوئی تھی۔ موتی کی

ماں نے اس کی چھاؤں تک بھی نہ دی۔ بولی "تو پھر جا کے بیرا داس بابو سے کہو"
"تو پھر جا کر کہوں، سُن کے بہت خوش ہوں گے۔"
اتنے ہی میں کمو دروازے کے باہر سے بولی "کمرے کے اندر آسکتی ہوں؟"
موتی کی ماں بولی "تمہارے ٹھاکر پو، تمہاری راہ دیکھ رہے ہیں۔"
"میں تو کئی جنم سے راہ دیکھتا رہا ہوں۔ اب جا کے درشن ملے ہیں۔"
"اچھا، ٹھاکر پو! تم اتنی باتیں کیسے بنایا کرتے ہو؟"
"میں تو خود حیران رہ جاتا ہوں! کچھ سمجھ میں نہیں آتا!"
"اچھا چلو اب ناشتہ کرنے۔"
"ناشتے سے پہلے ایک بار تمہارے دادا سے کچھ ضروری باتیں کر آؤں جا کر۔"
"نہیں، نہیں، یہ نہیں ہو سکتا۔"
"کیوں؟"
"آج دادا نے بہت باتیں کی ہیں۔ اب آج اور باتیں نہیں!"
"بڑی اچھی خبر ہے۔"
"ہو تو ہو۔ بہتر یہ ہے کہ کل آکر کہہ سن لینا۔ آج اب باتیں نہ ہوں گی۔"
"کل ممکن ہے چھٹی نہ ملے۔ شاید کوئی رکاوٹ ہی پڑ جائے۔"
"دھائی ہے تمہاری! آج صرف پانچ منٹ کے لئے۔ تمہارے دادا خوش ہوں گے۔ ان کو کوئی نقصان نہ پہونچے گا۔"
"اچھا پہلے چل کر کچھ کھا لو۔ پھر دیکھا جائے گا۔"
ناشتے کے بعد کمو بینن کو بیرا داس کے کمرے میں لے گئی۔ دیکھا کہ وہ ابتک سویا نہیں تھا۔ کمرہ قریب قریب اندھیرا تھا۔ چراغ کی لو بہت دھیمی تھی۔ کھلی ہوئی

کھڑکی سے تارے نظر آرہے تھے۔ رہ رہ کے دکھنی ہوا کے جھونکے کمرے میں آرہے تھے۔ دروازوں کے پردے پلنگ کی جھالریں۔ الگنی پر ٹنگے ہوئے کپڑے طرح طرح کی پرچھائیاں ڈالتے تھرتھرا رہے تھے۔ میز پر اخبار کا کاغذ پڑا تھا اس کے ورق ادھر ادھر اڑتے پھر رہے تھے۔ بیرا داس بچھونے پر نیم دراز خاموش بیٹھا تھا۔ بنین کے قدم آگے نہ بڑھ سکے۔ شام کے دھندلکے اور بیماری کی نقاہت نے، بیرا داس کے چہرے پر ایک نقاب سی ڈال دی تھی، ایسا معلوم ہوتا تھا وہ جیسے دنیا سے بہت دور ہو۔ کوئی دوسرا ہی آدمی ہو۔ یہ محسوس ہوتا کہ اس جیسا نازک اور تنہا آدمی شاید اس دنیا میں اور کوئی نہ ہوگا۔

بنین بڑھ کر بیرا داس کے قدم لیتے ہوئے بولا "آپ کے آرام میں خلل نہیں ڈالنا چاہتا۔ صرف ایک بات کہہ کے چلا جاؤں گا۔ کافی مدت گذر چکی ہے اب بھورانی گھر واپس آجائیں۔ ہم سب اسی انتظار میں ہیں۔"

بیرا داس نے کوئی جواب نہ دیا خاموش بیٹھا رہا۔

ایک ذرا دیر بعد بنین پھر بولا "آپکی اجازت ہو تو انھیں لیجانے کا انتظام کردوں۔"

اتنے ہی میں کمو آہستہ آہستہ بھائی کی پائنتی آکر بیٹھ چکی تھی۔ بیرا داس اس کی طرف نگاہ کر کے بولا "اگر تو سمجھتی ہے کہ تیرے جانے کا وقت آگیا ہے، تو پھر چلی جا کمو!"

کمو نے کہا "نہیں دادا۔ میں نہ جاؤں گی" اتنا کہہ کر بیرا داس کے گھٹنوں پر لوٹ گئی۔

کمرے میں سناٹا تھا۔ صرف دبی ہوئی ہوا کے جھونکے کھڑکی کی جھلملیوں کے اندر سے کبھی کبھی آجاتے۔ باہر باغ میں درختوں کی ڈالیاں اور پتے چرمر، چرمر کر رہے

تھے۔ کمو دفعتاً بچھونے سے اُٹھکر بنین سے بولی "چلو اب دیر نہ کرو۔ دادا تم اب سو جاؤ!"

موتی کی ماں گھر واپس آکر بولی "یہ تو اچھا نہیں۔"

"یعنی یہ کہ آنکھوں میں انگلی جتنا جی چاہے گڑ دتے جائیے، مگر آنکھوں کا لال ہونا بالکل اچھا نہیں!"

"نہیں جی، نہیں۔ یہ سب اِن لوگوں کا غرور ہے۔ جیسے دنیا میں ان کے جیسا کوئی دوسرا نہیں۔ یہی لوگ سب سے اونچے ہیں۔"

"منجھلی بہو۔ اتنا غرور کسی اور کو بھلا نہیں لگ سکتا۔ لیکن ان لوگوں کی بات علیحدہ ہے۔

"تو کیا اسی سبب سے رشتہ داروں اور عزیزوں سے بالکل الگ تھلگ ہو کر رہنا چاہیئے۔"

"رشتہ دار، عزیز، کہنے ہی سے رشتہ دار عزیز نہیں ہو جاتے۔ یہ لوگ ہم لوگوں سے بالکل ہی الگ ایک اور طبقے کے انسان ہیں۔ ان لوگوں سے قرابت کا برتاؤ کرنے میں مجھے، ہچکچاہٹ معلوم ہوتی ہے۔"

"کوئی کتنا ہی بڑا کیوں نہو۔ رشتہ داری اور قرابت کا ایک حق ہوتا ہے۔ یہ یقین مانو۔"

بنین سمجھ گیا، کہ موتی کی ماں کی اس تنقید میں کمو سے رشک کی جھلاہٹ بھی کسی حد تک ملی ہوئی تھی۔ اور پھر یہ بھی حقیقت تھی، کہ رشتہ داری اور خاندانی بندھنوں کی اہمیت عورتوں کی نگاہ میں بہت زیادہ ہوتی ہے۔ اس لیئے بنین نے اس مسئلہ پر فضول بحث نہ کی، بولا "کچھ دن اور دیکھا جائے، نا۔ دادا کی تڑپ بھی کچھ اور بڑھ جائے۔ اس سے کوئی حرج نہو گا۔"

ترپنواں باب

شیام سندری کے دل میں یہ پر زور آرزو اب یقین کی صورت اختیار کر چکی تھی کہ مدھوسودن کی زندگی میں اس کا دخل اب مستقل طور پر قائم ہو گیا ہے۔ لیکن عملی طور پر وہ اسے برت نہ سکتی تھی۔ شروع شروع میں اسے خیال ہوا کہ گھر کے نوکروں اور نوکرانیوں پر میرا مالکانہ اقتدار جم چکا ہے۔ لیکن قدم قدم پر اسے یہ احساس ہونے لگا کہ وہ لوگ اسے گھر کی مالکن کے مقام پر بٹھانے کے لئے راضی نہیں۔ نوکروں کا حال یہ تھا کہ اگر جرأت کر کے کھلے بندوں اس سے اظہارِ بیزاری کر سکیں، تو گویا اُن کے دل کی مُراد بر آئے۔ اس لئے شیاما وقت بے وقت، بے ضرورت بھی اُن پر ڈانٹ پھٹکار کرتی، بیجا فرمائش کرتی، اور پھر اُن کی غلطیاں پکڑتی، ہر وقت بکتی جھکتی رہتی، ان کو ماں باپ کی گالیاں دیتی۔ اب سے پہلے اس گھر کے اندر وہ کسی شمار میں نہ تھی۔ اس یاد کو گھس گھس کے دماغوں سے مٹا دینے کے لئے، جب جی جان سے کوشش کی، تو یہ معلوم ہوا کہ جو کچھ وہ سمجھتی تھی حقیقت نہیں۔ وہ کسی کے لئے بھی قابلِ برداشت نہیں۔ گھر کے ایک پرانے نوکر سے اس کی ڈانٹ پھٹکار سہی نہ گئی، تو اس نے استعفا دے دیا۔ لیکن اس معاملہ میں بھی شیاما کو منہ کی کھانی پڑی۔ سبب یہ تھا کہ مدھوسودن اپنے

اقبال و دولت مندی کے متعلق کچھ اندھے عقیدے رکھتا تھا۔ جو نوکر جا کر اسکے عروج کے آغاز ہی سے اس کے پاس تھے، ان کی موت یا علیحدگی کو وہ ایک فال بد سمجھتا تھا۔ حتیٰ کہ اس کے ابتدائی دور کا ایک بہت پرانا سا داغدار بھدا ڈیسک ابتک اس کے آفس کے کمرے میں موجودہ دور کے قیمتی فرنیچر کے بیچوں بیچ، نہایت ہی اطمینان سے دھرا ہوا تھا۔ اس پر وہی پرانے زمانے کا ایک قلمدان اور سا میں معمولی سا کاٹھ کا ایک قلم رکھا ہوا تھا۔ اسی قلم سے اس نے اپنے کاروبار کے سب سے پہلے بڑے ٹھیکے کی دستاویز پر دستخط کئے تھے۔ اسی زمانے کے پرانے اڑیا نوکر ددھی نے جب استعفا دیدیا، تو مدھوسودن نے اسے منظور نہ کیا۔ الٹے اس آدمی کو انعام مل گیا۔ تقدیر جاگ اٹھی۔ اس پر شیاما سندری بہت ہی سختی سے روٹھی تو ضرور مگر اسے فوراً ہی یہ محسوس ہوگیا کہ ان تلوں تیل نہ نکلے گا۔ ددھی کا مسکراتا ہوا چہرہ اسے دیکھنا ہی پڑا۔ شیاما کے لئے سب سے بڑی مشکل یہ تھی، کہ وہ واقعی مدھوسودن سے محبت کرتی تھی۔ اس لئے مدھوسودن کے مزاج پر زیادہ دباؤ ڈالنے کی ہمت اس کو نہ ہوتی تھی۔ ناز کہیں جسارت کی حدوں تک نہ پہونچ جائے۔ ہر وقت اسی کی احتیاط کر کے اسے چلنا پڑتا تھا۔ مدھوسودن بھی یہ اچھی طرح سے سمجھتا تھا، کہ شیاما کے لئے اسے نہ وقت برباد کرنے کی ضرورت ہے نہ کسی سوچ بچار کی۔ اگر وہ خاطر داری، ناز برداری میں کچھ کمی بھی کرے، تو کسی آفت کا ڈر نہیں۔ مختصر یہ کہ شیاما کے لئے اس کے دل میں ایک پر زور ہوس ضرور تھی۔ اسی ہوس کو سولہ آنے آسودہ کر کے بھی، وہ نہایت بے فکری کے ساتھ اپنے آپ کو سنبھالے لئے چل سکتا تھا۔ اسی یقین اور اطمینان کے سہارے، اسے آگے بڑھنے کا حوصلہ ہوتا۔ اور اس کے خلاف ہوا تو پھر اس ربط کے بندھن ٹوٹ جاتے۔ اسکی نگاہ میں کاروبار سے بڑی کوئی چیز نہ تھی۔ اور اسی کاروبار کو چلانے کے لئے اسے

سب سے زیادہ ضرورت تھی بے کھٹکے مالکانہ پندار کی۔ اسی پندار کے حدود میں قدم رکھنے کی جراءت شیاما کو نہ ہوتی تھی۔ ذرا بھی آگے بڑھتی، تو چوٹ کھا کے پیچھے ہٹنا پڑتا۔ اس لئے شیاما برابر اپنے آپ کو سپرد ہی کر سکتی تھی۔ کوئی حق جتاتی تو اسے آخر میں پشیمان ہی ہونا پڑتا۔ روپئے پیسے، مال اسباب سے شیاما ہمیشہ محروم ہی رہی تھی۔ اس لیے اُن چیزوں کی ہوس اس کے دل میں بے اندازہ تھی۔ اس میں بھی اسے احتیاط کیا چلنا پڑتا تھا۔ اتنے بڑے دولت مند آدمی سے جو کچھ وہ آسانی سے پانے کی اُمید کر سکتی تھی، وہ امید بھی اس کی کبھی پوری نہ ہو سکی۔ مدھوسودن کبھی کبھی خوش ہو کے کپڑے لتے گہنے وہنے لا کر اسے دیدیا کرتا۔ لیکن اس سے اس کی وہ جمع کرنے کی بھوک تو مٹتی نہ تھی۔ چھوٹی موٹی چیزوں پر قبضہ کرنے کے لئے اس کے ہاتھ کبھی کبھی بیکل ہو اُٹھتے، لیکن ادھر بھی اسے رکاوٹ ہی کا سامنا کرنا پڑتا۔ اسی قسم کی ایک حقیر سی چیز کے سلسلے میں کچھ دن پہلے ہی اس کو جلاوطنی کی سزا بھی دی جانے والی تھی۔ لیکن چونکہ اس کی صحبت اور خدمت کی مدھوسودن کو عادت سی ہو چلی تھی، ٹھیک ویسے ہی عادت جیسے پان تمباکو کی عادت ہوتی ہے، اس کے چلے جانے سے اس کی عادت میں خلل پڑتا، تو اس کے کاموں میں خلل پڑتا، اسی اندیشے سے کچھ دنوں کے لئے یہ سزا ملتوی تو کر دی گئی تھی، مگر اس کا خوف ہر وقت شیاما کے دماغ پر طاری ہی رہتا۔

اپنے اس کمزور اقتدار کے دور میں بھی، شیاما کو یہ دغدغہ لگا رہتا کہ نہ جانے کمو کب اپنے تخت پر واپس آ بیٹھے۔ یہ حسد اسے کسی وقت چین سے بیٹھنے نہ دیتا۔ اس کے دماغ کو ذرا بھی سکون نہ تھا۔ وہ جانتی تھی کہ کمو کا اور اس کا کوئی مقابلہ نہیں۔ دونوں ایک صف میں کھڑی نہیں ہو سکتیں۔ کمو مدھوسودن کی دسترس سے بالکل باہر تھی، اس لئے اس میں ایک پرزور کشش تھی۔ مگر اس کی کوئی قدر و قیمت

نہ تھی۔ یہ درد اسے آٹھ آٹھ آنسو رلایا کرتا۔ کئی بار اس کے دل میں یہ خیال بھی آیا، کہ جان دیدوں۔ میرے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ کبھی سر پیٹ پیٹ کے کہتی "ہائے، میں اتنی سستی کیوں ہوئی!" پھر یہ بھی سوچتی کہ سستی بن کے ہی تو اس نے اتنی جگہ پائی۔ جس کی قیمت زیادہ ہوتی ہے، اس کی قدر زیادہ ہوتی ہے۔ مگر جو چیز سستی ہوتی ہے، وہ اپنے سستے پن کی وجہ ہی سے۔ تو در خور اعتنا بن جاتی ہے۔

مدھوسودن نے جبتک شیاما کو قبول نہیں کیا تھا، اس وقت تک شیاما کا دکھ اتنا ناقابل برداشت نہ تھا۔ وہ اپنی بھو کی قسمت کو کسی طرح سمجھا بجھا لیتی تھی۔ بیچ بیچ میں کبھی کبھی اتفاقیہ تھوڑی سی غذا اس کو مل جاتی، تو اسی کو غنیمت سمجھتی۔ لیکن آج اقتدار پانے اور نہ پانے کے دونوں دوروں میں، کوئی مفاہمت، کوئی تسلسل پیدا ہوتا نظر نہ آتا تھا۔ ہر وقت دل میں یہی خدشہ لگا رہتا کہ جو کچھ پایا ہے وہ اب ہاتھ سے نکلا تب ہاتھ سے نکلا۔ قسمت کی ریلوے لائن اتنی خام پٹڑیوں پر بٹھائی گئی تھی، کہ ہر لمحہ گاڑی کے لائن سے اُتر جانے کا کھٹکا لگا رہتا۔

موتی کی ماں سے کھُل کر بات کر کے جی ہلکا کرنے کی، اس نے ایک بار کوشش کی تھی، لیکن اس نے جھنجھلا کر اس ترش روئی کیساتھ منہ پھیر لیا، کہ شیاما کے بس میں ہوتا، تو وہ اسی وقت اس بے رحمی کا سخت سے سخت انتقام لے لیتی۔ مگر وہ جانتی تھی کہ گھر کے انتظام کے متعلق مدھوسودن کو موتی کی ماں پر بہت ہی پختہ اعتماد ہے۔ اس اعتماد کو ذرا بھی متزلزل کرنا ممکن نہیں۔ اسی دن سے دونوں میں بات چیت بند ہو گئی۔ بلکہ حتی الامکان آمنا سامنا کرنے میں بھی دونوں گریز ہی کرتیں۔ اس گھر میں اب شیاما کی حیثیت پہلے سے زیادہ حقیر ہو گئی۔ کوئی اس سے سیدھے منہ بات نہ کرنا چاہتا تھا۔

اسی دوران میں، ایک دن شام کے وقت مدھوسودن کی خوابگاہ میں گئی،

تو میز پر دیوار کے سہارے کمو کی وہ تصویر رکھی نظر آئی۔ جو بجلی سر پر گرنے والی تھی، اس کی ایک لہر سی اسکی آنکھوں میں اتر آئی۔ اس کا دل یوں تڑپنے لگا جیسے بنسی میں پھنسی ہوئی مچھلی۔ اس نے تصویر کی طرف سے نگاہ موڑنی چاہی، مگر نہ موڑ سکی ٹکٹکی لگائے دیکھتی رہی۔ چہرہ فق، دونوں آنکھوں سے چنگاریاں نکلتی ہوئی مٹھیاں بھنچی ہوئی۔ اس کا جی چاہتا تھا کہ کسی چیز کو توڑ ڈالے، کسی چیز کو پھاڑ پھینکے۔ اس ڈر سے کہ ایسا نہ ہو اس کمرے میں کسی چیز کو نقصان پہونچا دے، وہ ہانپتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف دوڑی، اور داخل ہوتے ہی پلنگ پر جا گری، اور چادر کو پھاڑ پھاڑ کر اس کی دھجیاں کر ڈالیں۔

رات ہونے کو آئی۔ باہر سے بیرے نے آکر خبر دی کہ مہاراجہ خوابگاہ میں بلا رہے ہیں۔ یہ کہنے کی طاقت تو تھی نہیں کہ "نہیں جاؤں گی"۔ جلدی سے اٹھکر منہ ہاتھ دھویا۔ ڈھاکہ کی ایک بوٹی دار ساری پہنی اور کپڑوں میں عطر لگا کے خوابگاہ کی طرف چلی۔ کوشش یہ تھی کہ کسی طرح اس تصویر پر نگاہ نہ پڑے۔ لیکن اس تصویر کے سامنے ہی لیمپ رکھا تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ لیمپ کی روشنی کسی کی نگاہ بن کر تصویر پر چھا گئی ہے۔ سارے کمرے میں وہ تصویر سب سے زیادہ نمایاں اور دیدنی چیز تھی۔ شیاما نے حسب دستور پانوں کی ڈبیہ سے پان نکال کر مدھوسودن کو دیئے اور اس کی پائینتی بیٹھ کر تلوے سہلانے لگی۔ کسی سبب سے مدھوسودن آج خوش تھا۔ ایک انگریزی دوکان سے چاندی کا ایک فوٹو فریم خرید لایا تھا۔ متین لہجے میں شیاما سے بولا، "لو یہ لے لو"۔ شیاما کی دلداری میں مدھوسودن گفتگو کی شیرینی کے صرف میں بھی بخل سے کام لیا کرتا تھا، کیونکہ وہ اچھی طرح سے جانتا تھا، کہ اس کو ذرا بھی سہارا ملا، تو وہ سر چڑھ جائے گی، اور پھر اپنی عزت اور وقار کو بچانا مشکل ہوگا۔

وہ فریم ایک پیلے رنگ کے کاغذ میں لپٹا ہوا تھا۔ شیاما نے آہستہ آہستہ وہ کاغذ

الگ کرتے ہوئے پوچھا "کیا ہو گا یہ؟"

مدھوسودن بولا "جانتی نہیں ہو کہ اس میں تصویر لگائی جاتی ہے"

معلوم ہوا کہ شیاما کے دل پر جیسے کسی نے چابک لگا دیا ہو۔ بولی "کس کی تصویر؟"

"تمہاری تصویر — وہ جو اس دن کھچوائی تھی"

"مجھے اتنی شوقینی کی ضرورت نہیں" کہہ کے اس نے فریم توڑ کے فرش پر پھینک دیا۔

مدھوسودن نے حیرت زدہ ہو کر پوچھا "اس کے کیا معنی ہوئے؟"

"اس کے معنی کچھ نہیں ہوئے" کہہ کے وہ منہ ڈھانپ کر رونے لگی۔ پھر پلنگ سے نیچے اُتر کے فرش پر جا بیٹھی اور سر پیٹنے لگی۔ مدھوسودن نے سمجھا کہ شاید اس کو کم دام کی چیز پسند نہ آئی۔ غالباً اس کو کسی قیمتی گہنے کی امید تھی۔ تمام دن آفس میں کام کرتے کرتے تھک کے گھر آنے پر یہ ہنگامہ اسے ذرا بھی بھلا نہ معلوم ہوا۔ یہ تو کھلا ہوا ہسٹریا تھا۔ اور ہسٹریا سے اُسے سخت چڑ تھی۔ بہت سختی سے کڑک کر بولا

"اُٹھو وہاں سے! ابھی اٹھو!"

شیاما اٹھی مگر دوڑتی ہوئی باہر نکل گئی۔ مدھوسودن نے کہا "یہ تو کسی طرح برداشت نہیں ہو سکتا"

وہ شیاما کو اچھی طرح سمجھتا تھا۔ اُسے یقین تھا کہ تھوڑی دیر بعد وہ واپس آ کے اس کے قدموں سے لپٹ جائے گی، اور معافی مانگ لے گی۔ اسی وقت دو چار خوب کڑی سنا دینی ہوگی۔

دس بج گئے۔ مگر شیاما نہ آئی۔ پھر ایک بار شیاما کے کمرے کے باہر پکار پڑی

"مہاراجہ بلاتے ہیں۔"

شیاما نے جواب دیا "مہاراجہ سے کہدو میری طبیعت خراب ہے۔"

مدھوسودن نے سوچا،" ہمت تو بہت بڑھ گئی ہے۔ بلانے پر بھی نہیں آئی۔"
پھر بھی اسے یقین تھا کہ تھوڑی دیر بعد وہ آئے گی ضرور۔ اس پر بھی وہ نہ آئی۔
گیارہ بجنے کو پندرہ منٹ باقی تھے۔ بستر سے اُٹھکر تیز تیز قدم اُٹھاتا، وہ شیلا
کے کمرے میں جا داخل ہوا۔ دیکھا کہ کمرے میں روشنی نہیں۔ لیکن اندھیرے ہی میں
صاف نظر آیا کہ شیاما فرش پر پڑی ہے۔ اس نے سمجھا یہ سب کچھ بھاؤ بڑھانے کیلئے ہے
گرج کر بولا " اُٹھ کے ساتھ چلو، فوراً اٹھو، نخرہ نہ کرو۔"
شیاما چپ چاپ اٹھ کر ساتھ ہولی۔

چوّنواں باب

دوسرے دن آفس جانے سے پہلے، دن کے کھانے کے بعد قیلولہ کرنے جب مدھوسودن خوابگاہ میں آیا، تو دیکھا کہ تصویر غائب ہے۔ ہمیشہ کی طرح شیاما آج پانوں کی ڈبیہ لے کر پہلے سے مدھوسودن کی خدمت کے لئے تیار نہ تھی۔ آج کمرہ میں بھی نہیں آئی تھی۔ بلوائی گئی۔ صاف معلوم ہوا کہ بہت ہی بے دلی سے آئی ہے۔ مدھوسودن نے پوچھا "میز پر جو تصویر رکھی تھی، وہ کیا ہوئی؟"

شیاما مصنوعی تعجب کا اظہار کر کے بولی "تصویر! کس کی تصویر" لیکن تعجب کا انداز ذرا ضرورت سے زیادہ گہرا ہو گیا۔ عام طور سے عورتیں مردوں کی فراست کی زیادہ قائل نہیں ہوتیں۔ اسی سبب سے شیاما نے بھی تعجب کے بناوٹی اظہار میں زیادہ احتیاط نہ برتی تھی۔

مدھوسودن نے غصہ میں پوچھا "تم نے کوئی تصویر یہاں پر نہیں دیکھی تھی؟"

شیاما بہت ہی معصومیت کے انداز میں بولی "نہیں میں نے تو نہیں دیکھی۔"

وہ گرج کر بولا "جھوٹ بولتی ہو۔"

"جھوٹ کیوں بولوں گی۔ تصویر لے کر مجھے کیا کرنا ہے۔"

"کہاں رکھی ہے؟ ابھی نکال کر لے آؤ ورنہ خیریت نہیں؟"

"باپ رے باپ! یہ کیسی آفت ہے؟ تمہاری تصویریں کہاں پاؤں گی، جو نکال کے لے آؤں گی"

بیرے کی پکار ہوئی۔ حکم ہوا "منجھلے بابو کو بلا لاؤ"

بنین آیا تو فرمایا "بڑی بہو کو ابھی جا کے لے آؤ"

شیاما منہ پھیرے کاٹھ بنی چپ بیٹھی رہی۔

بنین سر کھجاتے کھجاتے بولا "ایک دفعہ تمہارا وہاں جانا کیا مناسب نہ ہوگا۔ تم خود جا کر کہو تو بہو رانی خوش ہوں گی"

مدھوسودن کچھ دیر بڑی متانت سے گڑگڑی کے کش لگاتا رہا، پھر بولا: اچھا کل اتوار ہے۔ کل جاؤں گا۔"

بنین نے موتی کی ماں سے آکر کہا "ایک کام کر بیٹھا ہوں"

"میری صلاح لئے بغیر ہی؟"

"صلاح لینے کا وقت نہ تھا!"

"تو پھر میرا خیال ہے، تمہیں پچھتانا ہی پڑے گا۔"

"ممکن ہے"

"جنم پتری میں لکھا ہے کہ میری عقل کے خانے میں کوئی اور گرہ نہیں ہے تو صرف بی بی! اس لئے تو ہر وقت تمہیں اپنے پاس پاس رکھنا چاہتا ہوں۔ معاملہ ہوا یہ کہ دادا نے آج بلا کر حکم دیا کہ جاؤ بڑی بہو کو بلا لاؤ۔ میں جھٹ سے بول اٹھا "تم اگر خود سے جا کر بات چھیڑو، تو بہت اچھا ہو" نہ جانے دادا کسی نیکی کے دم میں تھے، کہ جھٹ راضی ہو گئے۔ اس وقت سے اب یہ سوچ رہا ہوں کہ اس کا انجام کیا ہوگا۔"

"اچھا تو نہ ہوگا۔ بپرا داس بابو کا جو انداز دیکھ آئی ہوں، وہ نہ جانے کیا بولنا ہو، کیا بول بیٹھیں۔ اس کے بعد کروکیشتر کی جنگ چھڑ جائے گی۔ تم یہ کیا کر بیٹھے۔"

"پہلی بات تو یہ تھی کہ عقل کی ڈبیا خالی تھی۔ تم کہیں اور تھیں۔ دوسری بات یہ تھی کہ اس دن جو بہورانی نے کہا کہ میں نہیں جاؤں گی۔ اس کا سبب میری سمجھ میں آگیا تھا۔ ان کے بھیّا بیمار ہوکر کلکتہ آئے، پھر بھی مہاراجہ ایک دن انھیں دیکھنے نہ گئے۔ اسی توہین سے ان کے دل میں سب سے زیادہ چوٹ لگی ہے۔"

یہ بات سنتے ہی موتی کی ماں چونک پڑی۔ پہلے ہی یہ بات اسے کیوں نہ سوجھی۔ اس کو اسی پر تعجب تھا۔ اصل بات یہ تھی کہ غیر محسوس طور پر اس کے دل میں اپنی سسرال کے متعلق ایک گھمنڈ تھا۔ یہ بات اس کے ذہن ہی میں نہ آسکتی تھی، کہ معمولی آدمیوں کی طرح، مہاراجہ بہادر پر بھی رشتہ داری کے حقوق و فرائض ہیں۔

اس دن والی بحث کی طرف، ایک طنزیہ اشارہ کرتے ہوئے بپن نے کہا:
"ممکن ہے میری عقل کے سہارے یہ بات میرے ذہن میں نہ آتی، تمہیں نے مجھے یاد دلادیا تھا۔"

"کیسے، یہ بھی سنوں؟"

"وہ جو اس دن تم نے کہا تھا، نا، کہ رشتہ داری کا حق خودداری کے حق سے زیادہ پر زور ہوتا ہے۔ اس لئے یہ سوچنے کی ہمّت ہوئی کہ مہاراجہ جیسے بڑے آدمی کو بھی، بپرا داس بابو کی عیادت کے لئے جانا مناسب تھا۔"

موتی کی ماں اپنی ہار ماننے کو تیّار نہ تھی۔ اس نے بات اڑا دینے کی کوشش کی۔ بولی، "کام کے وقت بھی ایسی فضول باتیں کرتے ہو۔ کیا کرنا چاہئے۔ اب پہلے یہ تو سوچ کے بتاؤ۔"

"شروع ہی میں ہر بات کو انجام تک سوچنے میں اکثر دھوکہ کھانا پڑتا ہے۔

آؤ اب سوچنا یہ ہے کہ پہلا قدم کیسے اٹھانا ہے۔ یعنی یہ کہ دادا بیر اداس بابو کو دیکھنے جائیں۔ جانے کے بعد اس کا نتیجہ کیا ہوگا۔ اس کو ابھی سے بیٹھ کر سوچنا گویا اپنی دور اندیشی کا ڈھنڈھورا پیٹنا ہے۔ لیکن یہ دور اندیشی دراصل ہوگی غلط اندیشی۔"

"کیا کیا جائے۔ میں تو یہ سمجھتی ہوں کہ مشکل ہی ہوگی۔"

پچپنواں باب

اس دن صبح سویرے ہی سے کمو بھائی کے کمرے میں بلیٹھی گا بجا رہی تھی
صبح کو ساز سے جو راگ نکلتے ہیں، ان کی گہرائیوں ہی میں انسان کا انفرادی درد و کرب
گم ہو کر، ایک آفاقی روپ اختیار کر لیتا ہے ۔ اس کی روح کے بندھن کھل جاتے ہیں۔
جیسے مہادیو جی کے گلے میں لپٹے ہوئے سانپ ان کی جٹاؤں کی چھوٹ سے
سونے کے ہار بن جاتے ہیں ۔ درد کی ندی، درد کے سمندر میں گر کر ایک گہرا سکون پالیتی
ہے ۔ اس کا انداز بدل جاتا ہے ۔ چنچل پن غائب ہو جاتا ہے ۔ اور اس کی جگہ سنجیدگی
آجاتی ہے ۔ ہیرا داس ایک گہری سانس لے کر بولا " روز مرہ کی اس حیاتِ آب و گل
میں حال کا دور مختصر و حقیر سی حقیقت بن کر نظر آتا ہے کمو ! ابدیت پس پشت رہ جاتی
ہے، اور اسی میں روح کو نجات کا احساس پیدا ہو جاتا ہے ۔"

اتنے ہی میں خبر آئی کہ " مہاراجہ مدھوسودن تشریف لائے ہیں ۔"

پل بھر کے لئے کمو کا چہرہ پھیکا پڑ گیا ۔ یہ دیکھ کر ہیرا داس کو بڑی تکلیف ہوئی
بولا " کمو تو گھر کے اندر چلی جا ۔ تیری شاید ضرورت نہ ہوگی یہاں ۔"

کمو جلدی سے کمرے کے باہر چلدی ۔ مدھوسودن قصداً بلا اطلاع آیا تھا ۔
اس کا مقصد تھا، کہ پہلے سے انتظام کر کے اس گھر والے اپنی عزت ڈھانکنے کا

موقعہ نہ پائیں۔ اس کو یہ خیال تھا کہ بپرا داس کو اپنے عالی خاندان ہونے کا گھمنڈ ہے اس سے برداشت نہ ہوتا تھا۔ اس لئے وہ آج اس انداز سے آیا تھا، جیسے وہ ملاقات کرنے نہیں آیا۔ بلکہ شرف ملاقات بخشنے آیا ہے۔

آج اس کے ٹھاٹھ بڑے نرالے تھے، ایسے، کہ گھر کے نوکر چاکر دیکھ کے دنگ رہ جائیں۔ ولائیتی ڈوریئے کی ایک قیمتی قمیص کے اوپر ریشمی پھلور کی ایک رنگین ویسٹ کوٹ، نہایت سلیقہ سے چُنی ہوئی شانتی پوری دھوتی، وارنش کا چم چم کرتا ہوا ندیاری جوتا۔ بڑے بڑے ہیرے اور پنّے کی انگوٹھیاں انگلیوں میں جگمگاتی ہوئی۔ دولت مندی کے اظہار کے لئے جیبی گھڑی کی بہت ہی موٹی سنہری چین سینہ پر بہت نمایاں طور پر لٹکتی ہوئی۔ ہاتھ میں ایک نہایت خوبصورت اور نازک سی چھڑی جس کے دستے پر، ہاتھی کا دہانہ بنا ہوا تھا اور طرح طرح کے جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ ایک اچٹتے ہوئے سلام کا اشارہ سا کر کے، پلنگ کے پاس ایک کرسی پر بیٹھا ہوا بولا: "کیسے ہیں بپرا داس بابو آپ، صحت تو کچھ اچھی نہیں معلوم ہوتی"۔

بپرا داس نے اس سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا "تمہاری صحت تو اچھی ہی معلوم ہوتی ہے۔"

"بہت اچھی ہے، یہ تو نہیں کہہ سکتا۔ شام کے قریب سر میں درد ہونے لگتا ہے۔ بھوک بھی نہیں لگتی۔ کھانے پینے میں ذرا بھی بے احتیاطی برداشت نہیں ہوتی۔ کبھی کبھی نیند نہ آنے کی بھی شکایت ہو جاتی ہے۔ اور اسی سے تکلیف سب سے زیادہ ہوتی ہے۔"

عام طور سے مصروف آدمیوں کو جس قسم کی نگہداشت اور توجہ کی ضرورت ہوتی ہے، اس کی یہ تمہید تھی۔

"شاید آفس کے کاموں میں زیادہ محنت کرنی پڑتی ہے؟"

"نہیں، یہ بات تو نہیں، آفس کے کام تو آپ ہی آپ چلتے رہتے ہیں۔ کچھ زیادہ دیکھ بھال کی ضرورت نہیں ہوتی۔ زیادہ ذمّہ داری میکنٹوش صاحب پر ہے قریب قریب سب کام وہی کرتے ہیں۔ پھر سر آرتھر تھیوبولڈ بھی میری کافی مدد کر دیتے ہیں۔"

گڑگڑی آئی۔ پان کی ڈبیا اور چکنی ڈلی، الائچی لئے نوکر حاضر خدمت ہوا۔ اس میں سے ایک چھوٹی الائچی لے کر منہ میں ڈالی اور کچھ بھی نہ چھوا۔ گڑگڑی کی مہنال منہ میں لگا کر ہلکے ہلکے دو ایک کش لئے پھر وہ مہنال بائیں ہاتھ سے پکڑی ہوئی گود ہی میں پڑی رہی۔ پھر منہ نہ لگائی گئی۔ اندر سے خبر آئی کہ ناشتہ تیار ہے۔ وہ جھٹ سے بول اُٹھا "کچھ کھانا تو ممکن نہیں۔ میں تو پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ کھانے پینے میں بڑی احتیاط برتنی پڑتی ہے۔"

بیرا داس نے دوبارہ اصرار نہ کیا۔ نوکر سے کہا "مٹنی ما سے کہدو کہ ان کی طبیعت اچھی نہیں، کچھ کھا نہیں سکتے۔"

اس کے بعد بیرا داس چپ بیٹھا رہا۔ مدھوسودن کو یہ توقع تھی کہ کمو کے متعلق بات آپ ہی چھڑے گی۔ اتنے دن ہو گئے ہیں، کمو کو سسرال واپس لیجانے کی بیرا داس خود اس سے التجا کرے گا۔ لیکن اس نے تو کمو کا نام تک نہ لیا۔

مدھوسودن کے دل میں اندر ہی اندر غصّہ کی آگ بھڑکتی گئی۔ سوچا کہ یہاں آ کر غلطی کی، یہ سب نبین کی حماقت ہے۔ فوراً واپس جا کر اس کی خبر لینے کے لئے اس کا دل بے قرار ہونے لگا۔

اتنے ہی میں کالے پلو کی ایک سفید ساری پہنے، گھونگھٹ ڈالے کمو کمرے کے اندر داخل ہوئی۔ بیرا داس کو اس کی قطعاً توقع نہ تھی۔ وہ حیران رہ گیا۔ کمو نے پہلے شوہر کے، پھر بھائی کے قدموں کی خاک لی، پھر مدھوسودن سے مخاطب ہو کر

بولی " دادا کی صحت اچھی نہیں۔ بہت کمزور ہیں۔ زیادہ باتیں کرنے کے لئے ڈاکٹر نے منع کیا ہے۔ تم بغل والے کمرے میں چلو۔

مدھوسودن کا چہرہ لال ہو گیا۔ فوراً کرسی سے اُٹھ کھڑا ہوا گود سے گڑ گڑی کی مہنال زمین پر گر پڑی۔ بیرا داس کی طرف سے نظریں پھیرے ہوئے بولا " اچھا تو پھر میں چلا۔"

پہلے تو جھلاہٹ میں یہی ارادہ ہوا، کہ سیدھے گاڑی پر جا بیٹھے اور گھر واپس چلدے لیکن دل نہ مانا۔ بہت دنوں کے بعد آج کمو کو دیکھا تھا۔ بہت معمولی روزانہ کے استعمال کی سفید ساری پہنے ہوئے، کمو کو اس نے آج سے پہلے کبھی دیکھا نہ تھا۔ .... آج سے پہلے وہ اتنی زیادہ حسین کبھی نظر نہ آئی تھی۔ کتنا رکھ رکھاؤ، کتنی سادگی، کتنی سہولت تھی اس میں آج۔ مدھوسودن کے گھر میں وہ نمائشی گڑیا تھی۔ آج جیسے اس نے کمو کو بہت زیادہ نزدیک سے دیکھا تھا۔ وہ محبت کی ایک مورتی معلوم ہو رہی تھی۔ مدھوسودن کا جی چاہا کہ ابھی فوراً ایک منٹ بھی دیر لگائے بغیر، اسے اپنے ساتھ ہی لے کر چلا جائے۔ یہ تو میری ہے۔ پورے طور سے میری، میرے گھر کی عورت میرے گھر کی عزت ہے۔ میرے تن من کی مالک۔ اس کا جی چاہا پکار پکار کر اس بات کا اعلان کر دے۔

بغل کے کمرے میں پہونچ کے کمو نے جب ایک صوفے کی طرف اشارہ کر کے بیٹھنے کے لئے کہا تو اُسے بیٹھنا ہی پڑا۔ اگر وہ بالکل ہی باہر کا کمرہ نہ ہوتا تو اسے صوفے پر اپنے پاس ہی بٹھا لیتا۔ کمو بیٹھی نہیں ایک کرسی کے پیچھے اڑانی پر ہاتھ رکھے کھڑے کھڑے بولی " مجھ سے کچھ کہنا چاہتے ہو؟" اس لہجہ میں یہ سوال مدھوسودن کو بھلا نہ لگا، پوچھا " گھر نہیں چلو گی؟ "

" نہیں "

مدھوسودن چونک پڑا بولا " یہ کیا کہتی ہو؟
" میری تو تمہیں کوئی ضرورت نہیں!"
وہ سمجھ گیا کہ شیام سندری والی بات اس کے کان تک بھی پہونچ چکی ہے۔ اس لئے یہ غم و غصہ ہے۔ یہ روٹھنا اچھا ہی لگا۔ بولا " کیا کہتی ہو۔ نہ جانے کیا سمجھ بیٹھی ہو۔ بھلا تمہاری ضرورت نہیں مجھ کو۔ سونا سونا گھر کیا مجھے اچھا لگتا ہے۔"
اس مسئلہ پر بحث کرنے کے لئے کمو تیار نہ تھی مختصراً پھر بولی " میں نہیں جاؤنگی۔"
" اس کے کیا معنی ہوئے؟ گھر کی بہو گھر واپس نہیں جائے گی ۔؟"
کمو نے پھر ایک ہی لفظ میں جواب دیا " نہیں "!
مدھوسودن صوفے سے اُٹھتے ہوئے بولا " کیا کہتی ہو، نہیں جاؤ گی۔ تمہیں جانا ہی پڑے گا۔"
کمو نے کوئی جواب نہ دیا۔ مدھوسودن ہی پھر بولا: " جانتی ہو پولیس بلوا کے تمہیں ہاتھ پاؤں باندھ کے لے جا سکتا ہوں۔ " نہیں " کہہ دینے ہی سے تو کام نہ چلے گا۔"
کمو اب بھی چپ ہی رہی۔ وہ گرج کر بولا " دادا کے اسکول میں پھر وہی لونڈگی قاعدہ سیکھنا شروع ہو گیا۔"
کمو ایک بار بھائی کے کمرہ کی طرف نگاہ ڈال کر بولی " چپ رہو۔ اتنا چلّا کے باتیں نہ کرو"!
کیوں؟ کیا تمہارے دادا کو بچا بچا کے بات کرنی ہوگی۔ جانتی ہو، ابھی ابھی اسی وقت اسے سڑک پر کھڑا کر دے سکتا ہوں"!
دفعتاً کمو کی نگاہ پڑ گئی۔ اس کا بھائی کمرے کے دروازے کے پاس آ کر کھڑا ہوا تھا۔ چادر کا سرا جسم سے ڈھلک کر زمین پر آ گرا تھا۔ لمبا تڑنگا دبلا جسم، چہرے کا

رنگ اڑا تھا۔ دونوں بڑی بڑی آنکھوں سے شعلے نکلتے ہوئے۔ کمو کو پکار کر کہا، "کمو ادھر آ، میرے کمرے میں آجا۔"

مدھوسودن چیخ کر بول اٹھا: "یاد رہے گی تمہاری یہ جسارت، تمہارے نوکر کا یہ نوز نہ نکال دوں، تو میرا نام مدھوسودن نہیں۔"

بیراداس اپنے کمرے میں جاکر بچھونے پر لیٹ گیا۔ آنکھیں بند کرلیں۔ مگر دلی کوفت اور فکر سے نیند نہ آئی۔ کمو سرہانے بیٹھ کے پنکھا جھلنے لگی۔ اسی طرح کافی وقت گذر گیا۔ تو کھیما پشی نے آکر کہا "آج کھانا نہ کھایا جائے گا کمو؟ دن کتنا ڈھل گیا۔"

بیراداس آنکھیں کھول کے بولا "کمو! جا کے کھانا کھالے اور اپنے کالودا کو میرے پاس بھیج دے۔"

کمو بولی "دادا تمہارے پاؤں پڑتی ہوں۔ اس وقت کالودا کو نہ بلاؤ سونے کی کوشش کرو۔"

بیراداس نے کچھ جواب نہ دیا۔ بڑی گہری اور دکھ بھری نظروں سے کمو کے چہرے کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر ایک آہ بھر کے آنکھیں بند کرلیں۔ کمو نے آہستہ آہستہ باہر نکل کے دروازے بھیڑ دیئے۔

تھوڑی دیر بعد ہی کالو نے کہلا بھیجا، کہ وہ آنا چاہتا ہے۔ بیراداس اٹھ کے تکیئے کے سہارے بیٹھ گیا۔ کالو بولا "مہاراجہ تو تھوڑی ہی دیر بیٹھ کے چلے گئے۔ کیا ہوا بتاؤ تو۔ کمو کو اپنے یہاں لے جانے کی کوئی بات چھیڑی تھی انہوں نے؟"

"ہاں چھیڑی تو تھی، مگر کمو نے جواب دیدیا کہ میں نہ جاؤں گی۔"

کالو خوفزدہ ہو کر بول اٹھا "ارے یہ کیا ہوا دادا۔ یہ تو ہوا تباہی کو دعوت دینا۔"

" تباہی سے ہم لوگ نہیں ڈرتے۔ ڈرتے ہیں تو ذلت اور توہین سے۔"

" تو پھر تیار ہو جاؤ۔ اب دیر نہیں ہے۔ یہ تو خون کا اثر ہے۔ جائیگا کہاں۔ مجھے یاد ہے کہ تمہارے بابا نے ایک دفعہ مجسٹریٹ کو ذلیل کرنے کے لئے کم سے کم دو لاکھ روپیہ نقصان کیا تھا۔ سینہ تان کے اپنی مصیبت آپ بلانے کا شوق تو تمہارا خاندانی ورثہ ہے۔ لیکن یہ کم سے کم میرے خاندان میں نہیں، اس لئے تم لوگوں کا یہ پاگل پن خاموشی سے سہا نہیں جاتا۔ لیکن بچنے کی صورت بھی کیا ہے "

بیرا داس بائیں گھٹنے پر دایاں گھٹنا چڑھا کے چپ چاپ آنکھیں بند کئے کچھ دیر سوچتا رہا۔ پھر آنکھیں کھول کے بولا " دستاویز کی شرطوں کے مطابق مدھو سودن چھ مہینے کی نوٹس دیئے بغیر، مجھ سے روپیوں کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔ اسی درمیان میں اساڑھ تک سبودھ ولایت سے واپس آ جائے گا۔ اس وقت کوئی نہ کوئی صورت نکل آئے گی "

کالو ذرا چڑ کے بولا " صورت کیا نکلے گی۔ جو چراغ اکدم سے گل ہو جانے والا ہے وہ ذرا ٹھہر ٹھہر کے بجھے گا۔ اور کیا "

" چراغ کا فلیتہ تو اب اپنے آخری کنارے پر جل رہا ہے، اب کوئی بھی فراش آ کے اسے پھونک مار کے بجھا دے۔ اب ہائے ہائے کرنے سے کیا فایدہ اب ایسی ٹمٹماتی ہوئی روشنی کو بچانے کی تدبیر کرنے کا جی نہیں چاہتا۔ اس سے بہتر ہے کہ پوری طرح اندھیرا ہی چھا جائے "

کالو کے دل پر ایک چوٹ سی لگی۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ تندرست آدمی کا قول نہیں۔ بیرا داس تو اس طرح ہمت ہارنے والا آدمی نہ تھا۔ تباہی سے بچنے کے لئے تو وہ ابتک جی جان سے طرح طرح کی تدبیریں مردانہ وار کرتا رہا تھا۔ اسے یقین تھا کہ وہ بچا لے جائے گا۔ لیکن آج وہ یہ سوچ بھی نہیں سکتا — یقین کی طاقت بھی اس کا ساتھ چھوڑ چکی ہے "

وہ بڑی محبت کی نگاہ سے بیرا داس کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر بولا " تمہیں

کچھ بھی نہ کرنا ہوگا بھائی۔ جو کچھ کرنا ہے وہ میں خود کر لوں گا۔ چلوں ذرا دلالوں کی منڈی میں چکر لگا آؤں۔"

دوسرے دن بیپرا داس کو انگریزی میں ایک خط ملا۔ مدھوسودن کا لکھا ہوا۔ وکیلوں جیسی زبان میں۔ شاید کسی اٹرنی سے لکھوایا گیا ہوگا۔ مطالبہ یہ کیا گیا تھا کہ: صاف صاف جواب دیا جائے کہ کمو سسرال واپس جائے گی یا نہیں۔ نہیں تو پھر ضروری کارروائی کی جائے گی۔"

بیپرا داس نے کمو سے پوچھا "کمو تو نے اس مسئلے پر ہر پہلو سے غور کر لیا ہے؟"

کمو نے جواب دیا "جو کچھ غور کرنا تھا وہ کر چکی۔ اس لئے آج میرے دل میں کوئی دغدغہ نہیں۔ بالکل اطمینان ہے۔ اب مجھے یہی محسوس ہوتا ہے کہ جیسے پہلے میں یہاں تھی ٹھیک ویسے ہی ہوں۔ بیچ میں جو کچھ ہوا وہ بس ایک خواب تھا۔

"اگر تجھے زبردستی لے جانے کی کوشش ہو تو پھر کیا تو اس کا مقابلہ اسی زور سے کر سکے گی۔"

"اگر تم پر کوئی زوال نہ آئے، تو خوب کر سکونگی۔"

"میں اسی لئے پوچھ رہا ہوں، کہ اگر آخر میں جانا پڑا، تو پھر جتنی دیر کرکے جائے گی اتنا ہی برا ہوگا۔ اچھا، صاف صاف یہ بتا کہ ان لوگوں سے جو تیرا تعلق ہے اس میں کوئی دلی وابستگی ہے یا نہیں؟"

"ذرا بھی نہیں۔ میں صرف بنین، موتی کی ماں اور ہابل کو البتہ عزیز رکھتی ہوں لیکن یہ تینوں تو مجھے جیسے اکدم دوسرے گھرانے کے آدمی معلوم ہوتے ہیں۔"

"دیکھ، کمو! وہ لوگ فساد کریں گے ضرور۔ سماج کے بل پر، قانون کے بل پر ہنگامہ کرنے کا انھیں حق حاصل ہے۔ اس لیئے میں اس کے سامنے سر جھکانے کو تیار نہیں۔ لیکن مقابلہ کرنا ہے، تو پھر ساری شرم، تمام فکروں، اور کل

اندیشوں کو بھلاکر، سماج کے سامنے سینہ تان کے کھڑا ہونا ہوگا۔ گھر کے باہر چاروں طرف، بدنامی کے طوفان اُٹھیں گے۔ ان طوفانوں کے بیچ میں سر اٹھا کر تجھے چلنا ہوگا۔"

"دادا اس سے تمہیں کوئی پریشانی، کوئی مصیبت تو نہ جھیلنی پڑے گی؟"

"پریشانی اور مصیبت تو کس کو سمجھتی ہے کمو؟ میرے لئے اس سے بڑھ کر پریشانی اور مصیبت کیا ہو سکتی ہے، کہ تو ذلّت و تحقیر سے گھری رہے۔ تو جس گھر میں گئی وہ تیرا نہ ہو سکا۔ جس کا تجھ پر پورا پورا اختیار ہے، وہی تیرے لئے بالکل غیر ہے۔ اس احساس سے بڑھ کر، پریشان کن احساس کا تو میں تصور بھی نہیں کر سکتا۔ بابا تجھ سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے، مگر اس زمانے میں گھر کے مالک لوگ گھر سے دور دور ہی رہا کرتے تھے۔ تجھے بھی تعلیم کی ضرورت ہے، اس کی انھیں فکر بھی نہ تھی۔ میں نے بچپن سے تیری تربیت کی ہے۔ تجھے پروان چڑھایا ہے۔ تیرے ماں باپ سے میں ذرا بھی کم نہیں۔ اسی تربیت کرنے کی ذمّہ داری کا احساس آج تو کر رہی ہے۔ تو اگر دوسری لڑکیوں جیسی ہوتی، تو تجھے احساس نہ ہوتا جس گھر میں تیری آزادی کو کوئی تسلیم نہیں کرتا، کوئی تیری عزت نہیں کرتا، وہ گھر تیرے لئے جہنّم ہے۔ میں کس دل سے، تجھے اس گھر سے جلاوطن کر دوں؟ تو اگر میرا چھوٹا بھائی ہوتی، تو جس طرح میرے ساتھ رہتی، ٹھیک اسی طرح زندگی بھر میرے ہی ساتھ رہ۔"

بھائی کے سینے پر سر رکھ کر اور منہ دوسری طرف پھیر کر کمو بولی "لیکن میں تم لوگوں پر بار تو نہ ہو جاؤں گی۔ یقین کے ساتھ کہتے ہو؟"

کمو کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بیرا داس بولا "بار کیوں ہونے لگی بہن تو؟ تجھ سے خوب کام لوں گا۔ اپنے سب کام تیرے حوالے کر دوں گا۔ کوئی پرائیوٹ سکریٹری بھی تیری طرح میرے کام نہ کر سکے گا۔ تجھے ساز بجا کے سنانا ہوگا۔ میرے گھوڑے کی نگرانی تیرے ذمے ہوگی۔ پھر یہ تو جانتی ہے کہ مجھے تعلیم دینے کا شوق ہے۔ تجھ سے

بہتر شاگرد مجھے کون ملے گا۔ اور ایک کام کیا جائے گا۔ بہت دنوں سے مجھے فارسی زبان سیکھنے کا شوق ہے۔ اکیلے پڑھتے اچھا نہیں لگتا۔ تجھے ساتھ لے کر پڑھوں گا۔ تو ضرور مجھ سے آگے بڑھ جائے گی۔ لیکن میں ذرا بھی رشک نہ کروں گا۔ سمجھی؟"

سنتے سنتے کمو کا دل خوشی سے بھر اٹھا۔ زندگی کا سکھ اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے؟

تھوڑی دیر بعد بپراداس پھر بولا "تجھ سے اور ایک بات کہہ رکھوں کمو! بہت جلد ہی ہم لوگوں کا زمانہ بگڑ جائے گا۔ ہمیں اپنی وضع بھی بدلنی ہوگی۔ ہمیں اکدم غریبوں جیسی زندگی بسر کرنی پڑے گی۔ اس وقت کیا تو ہم لوگوں کے غریبانہ گھر کی عزت بن جائے گی؟"

کمو کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں۔ بولی "اگر میری ایسی قسمت ہو، تو میں سمجھوں بیڑا پار ہوا۔"

بپراداس نے مدھوسودن کی چٹھی اٹھا کے رکھ دی۔ کوئی جواب نہ بھیجا۔

چھبّیسواں باب

دو ہی دن بعد بنین، موتی کی ماں، اور ہابل کو ساتھ لئے آموجود ہوا۔ ہابل اپنی جیٹھی ماں کی گود میں بیٹھکر گلے سے چمٹ کر رونے لگا۔ یہ رونا کس سبب سے تھا۔ یہ کہنا مشکل ہے۔ بیتے دنوں کا غصہ تھا، حال کا ناز تھا، یا مستقبل کا اندیشہ۔

کمو ہابل کو گلے سے لگاتی ہوئی بولی "زندگی بڑی سخت ہے گوپال، اس میں آنسوؤں کی کمی نہیں۔ کیا دھرا ہے میرے پاس، میں دے ہی کیا سکتی ہوں؟ جس سے کسی انسان کے بچّے کے آنسو تھم جائیں۔ اپنے آنسوؤں سے دوسروں کے آنسو پوچھنا چاہتی ہوں۔ اس سے زیادہ تو میرا کوئی بس نہیں۔ جو محبّت اپنے آپ کو دے سکتی ہے، وہ اس کے سوا کچھ اور نہیں دے سکتی۔ میرے بچّے تم سب نے وہ محبّت پالی ہے۔ جیٹھی ماں ہمیشہ زندہ نہ رہے گی۔ لیکن اس کی یہ بات یاد رکھنا۔ یاد رکھنا!"

اتنا کہہ کے وہ ہابل کے گال چومنے لگی۔

بنین بولا "بہورانی، اب رجب پور کو روانگی ہے۔ ماں باپ کی ڈیوڑھی آباد کروں گا۔ یہاں کا آب ودانہ ختم ہوا۔"

کمو بے چین ہوکر بولی "مجھ ابھاگنی نے آکر تم لوگوں کی زندگی درہم برہم کردی۔"

بنین بولا "معاملہ ٹھیک اس کے الٹا ہے۔ بہت دنوں سے جی اُچٹ چکا

تھا۔ میں تو روز ہی جاؤں جاؤں کر رہا تھا۔ اسباب بھی باندھ چھاندھ کے تیار ہو چکا تھا۔ ایسے ہی میں تم آگئیں، ہم لوگوں کے گھر میں۔ گھر جانے کی خواہش اکدم مٹ ہی گئی تھی، مگر بدھا ماتا سے دیکھا نہ گیا۔"

کمو سمجھ گئی کہ اس دن واپس جانے کے بعد، مدھوسودن نے ایک قیامت برپا کی ہوگی۔

بینن جو بھی کہے، مگر موتی کی ماں کو یقین تھا، کہ کمو ہی نے ان لوگوں کی زندگی الٹ پلٹ کر دی ہے۔ اس لیئے وہ بہ آسانی کمو کو معاف کرنے کے لیئے تیار نہ تھی۔ اس کا خیال تھا کہ اب بھی کمو کو سر جھکا کر اپنے گھر واپس جانا ہی مناسب ہے۔ اس کے بعد جو ذلتیں ہوں، سب کو برداشت کرنا بھی ضروری ہے۔ لہجے کو کافی سخت کر کے اس نے کمو سے پوچھا "تم نے کیا یہ طے کر لیا ہے کہ سسرال کبھی جاؤگی ہی نہیں؟"

کمو نے بھی ویسے ہی درشت لہجے میں جواب دیا کہ "نہیں، میں نہیں جاؤنگی!"

موتی کی ماں نے پوچھا "تو تمہارا کہاں ٹھکانہ ہوگا؟"

کمو بولی "اس لمبی چوڑی دنیا میں مجھے بھی کہیں پناہ مل ہی جائے گی۔ زندگی میں سے بہت کچھ نکل جاتا ہے۔ پھر بھی کچھ نہ کچھ باقی ہی رہتا ہے"۔ کمو یہ سمجھ گئی تھی کہ موتی کی ماں کا دل اس کی طرف سے کافی ہٹ چکا ہے۔

بینن سے اس نے پوچھا "ٹھاکر پو! تو پھر کیا کروگے اب"؟

"ندی کنارے کچھ زمین ہے۔ اس سے کچھ موٹا بھات میسر آجائے گا۔ اور پھر کچھ ہوا بھی کھا لی جائے گی۔"

موتی کی ماں ایک ذرا جوش سے بول اٹھی "اجی نہیں مہاشے جی۔ آپ کو فکر کی ضرورت نہیں۔ مرزا پور کے اس آب و دانہ پر کچھ حق بھی رکھتی ہوں۔ جو کوئی چھین نہیں سکتا۔ ہم لوگ تو کچھ اتنی آن بان والے آدمی نہیں کہ بڑے ٹھاکر ایک دفعہ

ڈانٹ دیں تو الگ تھلگ ہو کر چلے جائیں۔ وہی آج نہیں، کل پھر واپس بھلا بھیجئے تو واپس چلے آئیں گے۔ اتنے دنوں صبر کر سکتی ہوں اتنا تم سے کہے دیتی ہوں۔"

بنین بہت ہی دل گرفتہ ہو کر بولا:" یہ بات میں جانتا ہوں منجھلی بہو! لیکن اس پر فخر نہیں کرتا۔ میں تو یہی دعا کرتا ہوں، کہ اگر دوسرا جنم لینا ہی ہو تو پھر کہیں عزت کی جگہ ہی جنم ہو۔ اگر ایسے جنم میں کھانے پینے کی کچھ کمی بھی ہو، تو وہ سہنے کو تیار ہوں۔"

واقعہ بھی یہی تھا، کہ بنین نے کئی بار مدھوسودن کے سہارے سے الگ ہو کر کھیتی باڑی کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ موتی کی ماں نے بھی منہ سے تو اکثر اظہار بیزاری کیا، مگر عمل کے وقت ہاتھ پاؤں ہلانے کو تیار نہ ہوئی۔ بار بار بنین کو روک رکھا۔ وہ سمجھتی تھی کہ اپنے جیٹھ پر اس کا پورا حق ہے۔ جیٹھ تو آخر سسر کی جگہ ہوتا ہے۔ اس کا خیال تھا کہ، جیٹھ ناانصافی کر سکتا ہے، زیادتی کر سکتا ہے، مگر اس کو ذلت و تحقیر کسی طرح نہیں سمجھا جا سکتا۔ کمو کا شوہر اس کے ساتھ برا برتاؤ کرے، تو وہ اس کے لئے گھر ہی چھوڑ بیٹھے، یہ بات موتی کی ماں کے خیال میں اکدم ہی عجیب و خلاف فطرت تھی۔

اتنے ہی میں خبر آئی کہ ڈاکٹر آیا ہے۔ کمو بولی" ایک ذرا ٹھہرو۔ میں سن آؤں کہ ڈاکٹر کیا کہتا ہے۔"

ڈاکٹر کمو سے یہ کہہ گیا کہ نبض اور کمزور ہو گئی ہے۔ رات کی نیند کم ہو گئی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مریض کو پوری طرح آرام اور سکون نہیں ملتا۔

کمو مہمانوں کے پاس واپس ہی جا رہی تھی، کہ کالو سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ اس نے کہا" ایک بات کہے بغیر نہیں رہا جاتا۔ جال بڑی سختی سے کھینچا جا رہا ہے۔ پھندا تیزی سے کستا جاتا ہے۔ تم اگر اس وقت بھی سسرال واپس نہ گئیں، تو مصیبت کی بدلی اور گہری ہو جائے گی۔ لاکھ سوچتا ہوں، پر مجھے کوئی تدبیر نظر نہیں آتی۔"

کمو چپ کھڑی رہی۔ کالو پھر بولنے لگا،" تمہارے شوہر کے یہاں سے تاکید

آئی ہے۔ اس کو رد کرنے کی طاقت کیا ہم لوگوں میں ہے۔ ہم لوگ تو بالکل ہی اسکی مٹھی میں ہیں۔"

کمو برآمدے کی ریلنگ پکڑتی ہوئی بولی "میری کچھ سمجھ میں نہیں آتا کالودا۔ دم گھٹنے لگتا ہے۔ سمجھ میں یہی آتا ہے کہ موت کے سوا میرے لئے اب کوئی دوسرا راستہ نہیں"۔ اتنا کہہ کے وہ تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی اندر چلی گئی۔

جتنی دیر تک کمو بھائی کے کمرے میں تھی، اسی دوران میں موتی کی ماں کو کھیا پشی سے باتیں کرنے کا موقعہ ملا۔ بہت سے آثار دیکھ کر دونوں کے دل میں یہ شبہ جاگ اٹھا تھا کہ کمو کا پاؤں بھاری ہے۔ موتی کی ماں کا دل خوشی سے ناچ اٹھا دل ہی دل میں دعا کرنے لگی "کالی ماں ایسا ہی کر دیں تو اچھا ہو!۔ ابتو ضبط ہوئی کمو روٹھی رانی سسرال سے منہ پھیرنا چاہتی تھیں۔ صرف آنچل اور چادر والی گانٹھ تو نہیں اب تو رگ رگ میں گانٹھ پڑ گئی! اب کیسے بھاگیں گی؟!"

کمو کو الگ لے جاکر موتی کی ماں نے اپنا شبہ بیان کیا۔ سنتے ہی کمو کا چہرہ فق ہو گیا۔ وہ مٹھیاں بھینچ کر بولی "نہیں! نہیں، ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کسی طرح نہیں ہو سکتا!"

موتی کی ماں چڑ کر بولی "ہو کیسے نہیں سکتا بہن! تم جتنے بڑے گھر کی بیٹی کیوں نہ ہو تمہارے لئے دنیا کا قانون تو نہیں بدل جائے گا۔ تم تو گھوشال گھرانے کی بہو ہو، نا؟ اس گھرانے کے دیوتا تمہیں کیا یونہی آسانی سے چھوڑ دیں گے؟ بھاگنے کا راستہ آگے سے روکے کھڑے ہیں وہ!"

شوہر کے ساتھ کمو کا جو یہ چند روزہ تعلق ہوا تھا، وہ اندر ہی اندر روز بروز جو ایک ناگوار روپ اختیار کرتا جا رہا تھا، وہ روپ، آج حمل کا دغدغہ پیدا ہو جانے کی وجہ سے، صاف صاف ابھر آیا۔ انسان انسان میں جو فرق سب سے زیادہ اختلاف پیدا کرنے والا ہوتا ہے، اس کے اجزائے ترکیبی بعض اوقات بہت ہی

نازک اور باریک ہوتے ہیں۔ زبان سے، چہرے کے آثار چڑھاؤ سے، برتاؤ کے چھوٹے موٹے اشاروں سے، جب کچھ بھی نہ کر رہا ہے تو اس سکون کی ادا سے لہجے کی تبدیلیوں سے، ذوق سے، عادات و اطوار سے، زندگی کے اصولوں سے، اس فرق کے آثار و اشارات نمایاں ہوتے رہتے ہیں۔ یہی نہیں کہ مدھوسودن کی طبیعت میں کچھ ایسی باتیں تھیں، جو ہر وقت کمو کے دل پر چرکے لگاتی رہتیں۔ بلکہ اس کی بعض حرکات سے اسے بعض دفعہ بہت شرم آتی تھی۔ اس کو بعض وقت ایسا محسوس ہوتا کہ وہ نہایت ہی ذلیل اور کمینہ ہے۔ مدھوسودن اپنے آغاز زندگی میں ناگفتہ بہ حد تک غریب تھا۔ اس لئے جب کبھی وہ پیسے کی اہمیت کے متعلق باتوں باتوں میں خیالات ظاہر کرتا، تو اسی تفاخر میں اس کی رگوں میں سرایت کی ہوئی غربت کی پستی بھی ظاہر ہو جاتی تھی۔ دولت کی پوجا کا ذکر وہ بار بار کمو کے سامنے صرف اس غرض سے چھیڑتا تھا کہ کمو کو اس کے میکے والوں کی حالیہ ناداری کا طعنہ دیکر خفیف کرے۔ اس کا یہ گنوارپن، زبان کی کرختگی، یہ کمینہ پن اور کم ظرفی، غرض یہ کہ اس کا سارا وجود، ہر وقت اپنی اندرونی غلاظت کی جھلک دکھایا کرتا، اور کمو کے دل اور روح کو افسردہ کرتا رہتا۔ وہ اپنی نگاہ سے، اپنے ذہن سے، ان باتوں کو نکال پھینکنے کی جتنی زیادہ کوشش کرتی رہی تھی، اسی قدر یہ باتیں کوڑے کرکٹ کے ڈھیر کی طرح چوطرفہ جمع ہوتی جا رہی تھیں۔ اپنی اس نفرت کے خلاف کمو خود جی جان سے جنگ کر رہی تھی۔ شوہر سے عقیدت کا فرض ادا کرنے کے لیے، اس نے جو جو کوشش کیں، ان کی حد بیان نہیں کی جا سکتی۔ لیکن کتنی بڑی ہار اسے ماننی پڑی تھی اسکا احساس آج سے پہلے اتنا زیادہ کبھی نہ ہوا تھا۔ اب گوشت و خون کا اتنا مضبوط بندھن ہو گیا تھا جو کسی طرح سے ٹوٹ نہ سکتا تھا۔ قدرت کی اس ستم ظریفی نے اسے دلی تکلیف پہونچائی۔ بڑی پریشانی سے، اس نے موتی کی ماں سے پوچھا۔

"تمہیں کیا اس کا پورا یقین ہے؟"

موتی کی ماں کو بہت غصہ آیا۔ مگر اپنے آپ کو سنبھال کر بولی "میں ایک لڑکے کی ماں ہوں، میں نہ جانوں گی تو کون جانے گا، لیکن بالکل یقین کے ساتھ کہنے کا ابھی وقت نہیں آیا۔ کسی اچھی دائی کو بلا کے دکھا لینا مناسب ہے"

بینن، موتی کی ماں، اور ہابل کے جانے کا وقت آگیا۔ لیکن کمو کے ذہن میں اس وقت قدرت کی اس ناانصافی کے سوا، اور کسی چیز کی طرف دھیان دے نہ سکتی تھی۔ اس لئے اپنی سسرال کے دوستوں کو اس نے بہت ہی رسمی طور سے رخصت کیا۔ جاتے وقت بینن بولا، "بہو رانی! اس دنیا کی ہر چیز کو فنا ہے لیکن میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ تمہاری سیوا کرنے کا جو حق مجھے حاصل ہو گیا ہے نہ دفعتاً اس بے ہنگم طریقے پر چھن جائے گا۔ خیر پھر ملیں گے۔"

بینن نے پرنام کیا۔ ہابل چپکے چپکے آنسو بہانے لگا۔ موتی کی ماں چہرہ سخت بنائے رہی، ایک لفظ بھی نہ بولی۔

ستاونواں باب

یہ خبر بپراداس کے کان تک بھی پہونچ گئی - دائی آئی - اس میں کوئی شبہ باقی نہ رہا کہ کمو حمل سے ہے - مدھوسودن کو بھی یہ خبر ملی - اس نے دولت مانگی تھی، دولت کافی سے زیادہ مقدار میں ملی - دولت کی شان کے مطابق خطاب بھی ملا - اب اس کی عظمت آئندہ نسل تک بھی جاری اور قائم رہے، تو اس کا دنیاوی فرض اپنی معراج تک پہونچ جائے گا - دل جتنا خوش ہوا - اتنی ہی زیادہ مقدار میں سارے الزامات کا بوجھ کمو کے سر سے ہٹا کر، اس نے بپراداس کے سر پر ڈال دیا - اس نے بپراداس کے نام پھر ایک خط لکھا - ابتدا کی Where as سے اور اختتام کیا Your abedient Seruont پر - نیچے اپنے دستخط مدھوسودن گھوشال لکھ کر کیے - بیچ میں لکھا I shall have the painful necessity وغیرہ وغیرہ - ایسے دھمکی دینے والے خطوں کا اثر چیڑجی خاندان والوں پر الٹا ہی ہوا کرتا تھا - خاص طور سے جب نقصان کا بھی اندیشہ ہو - بپراداس نے وہ خط کالو کو دکھلایا کالو کا چہرہ سرخ ہو گیا - بولا: "ایسا خط پڑھ کے تو میرے جیسے معمولی آدمی کی رگوں میں بھی بادشاہی خون جوش کھانے لگتا ہے - خیالی کو توال کو پکار کر حکم دینے کا - جی چاہتا ہے کہ اس کا سر لے لو"

دن کو لکھنے پڑھنے کا بہت سارا کام تھا۔ اسے ختم کر کے شام کے وقت بیرا داس نے کمو کو بلوا بھیجا۔ وہ آج تمام دن بھائی کے سامنے نہ آئی تھی۔ اپنے کو چھپائے پھر رہی تھی۔

بیرا داس بچھونے سے اُٹھ کر کرسی پر جا بیٹھا۔ مریض بن کر پڑے رہنے سے کمزوری محسوس ہوتی ہے۔ اپنے سامنے ہی کمو کے لئے ایک چھوٹی سی کرسی سرکا رکھی تھی۔ روشنی کمرے کے ایک گوشہ میں ایک آڑ لے کر رکھ دی گئی تھی۔ سر کے اوپر ایک بڑا سا ہاتھ سے کھینچنے والا پنکھا ہل رہا تھا۔ آخر بیساکھ کا آسمان اب تک تپ رہا تھا۔ دکھنی ہوا کے جھونکے رہ رہ کے ایک ہلکی سی سانس لے کر، پسینہ چھوڑتے نکل جاتے۔ درخت کے پتے یوں خاموش تھے، جیسے کوئی گوش بر آواز ہو۔ گنگا اپنے بہاؤ پر سمندر کے نیلے پانی کا رنگ جس طرح ہلکا کر دیتی ہے، اس وقت ٹھیک ویسا ہی ہلکا ہلکا سا دھندلکا چھایا ہوا تھا۔ بہت دیر تک ٹکٹکی رہنے والی سُرخی، شفق کی آخری جھلک، بھی اس وقت اس دھندلکے میں ملی ہوتی تھی۔ باغ کے اندر والا تالاب بھی پرچھائیوں میں چھُپ رہا تھا۔ مگر ایک بہت بڑے سے جگمگاتے ہوئے تارے کی ایک ساکن کرن، آسمان کی انگلی بن کر، اس کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔ درختوں کے نیچے نوکر چاکر ہاتھ میں لالٹین لئے، اِدھر اُدھر آ جا رہے تھے۔ اُلو اپنے نشیمن سے بولنے لگے تھے۔

کمو قصداً کچھ دیر کر کے آئی۔ بھائی کے پاس کرسی پر بیٹھتی ہوئی بولی "طبیعت ایکدم اچاٹ سی معلوم ہو رہی ہے۔ جی چاہتا ہے کہیں چلی جاؤں"!

بیرا داس بولا "غلط سمجھ رہی ہے کمو۔ تجھے اچھا ہی لگے گا۔ اور کچھ دن گذر جائیں گے، تو تیرے دل کا یہ سونا پن مٹ جائے گا۔

"لیکن پھر تو ــــ" کہہ کر کمو رُک گئی۔

"ہاں میں جانتا ہوں — لیکن اب تیرا یہ بندھن کون توڑ سکتا ہے؟"

"تو پھر کیا جانا ہی ہو گا دادا؟"

"اب تجھے منع کرنے کا حق مجھے نہیں رہا۔ تیری اولاد کو میں اس کے موروثی گھر سے چھڑاؤں گا کس بل پر؟"

کمو بہت دیر تک چپ بیٹھی رہی۔ پیرا داس بھی کچھ نہ بولا۔

آخر بہت ہی دھیمی آواز میں کمو نے پوچھا "تو پھر کب جانا ہو گا؟"

"کل ہی۔ اب دیر نہیں کی جا سکتی۔"

"دادا! ایک بات غالباً تم سمجھ رہے ہو گے۔ اب کے جو میں گئی تو پھر تمہارے پاس وہ لوگ مجھے کبھی نہ آنے دیں گے۔"

"یہ میں خوب سمجھتا ہوں۔"

"اچھا یہی ہو گا۔ لیکن ایک بات تم سے کہے جاتی ہوں، کہ کسی دن بھی کسی کام سے بھی تم ان لوگوں کے گھر ہرگز نہ جانا۔ میں یہ جانتی ہوں کہ تمہیں دیکھنے کے لئے میرا دل تڑپتا رہے گا، دم گھٹتا رہے گا، لیکن میں یہ کسی طرح برداشت نہیں کر سکتی، کہ تمہیں اس گھر میں دیکھوں۔"

"نہیں کمو اس کے لئے تجھے فکر نہ کرنی ہو گی۔"

"لیکن وہ لوگ تمہیں مصیبت میں پھنسانے کی کوشش کریں گے۔"

"وہ لوگ جو کچھ کر سکتے ہیں وہ کر گذریں، تو پھر ان لوگوں کا جو زور مجھ پر ہے وہ ختم ہو جائے گا۔ میں اس وقت بالکل آزاد ہو جاؤں گا۔ تو اس کو مصیبت کیوں سمجھتی ہے۔"

"دادا تو پھر اس دن تم مجھ کو بھی آزاد کرا لینا۔ اتنے دنوں تک ان کی اولاد پال پوس کر ان کے حوالے کر کے چلی آؤں گی۔ کچھ ایسی چیزیں بھی ہیں۔ جنھیں اولاد کی خاطر سے بھی کھویا نہیں جا سکتا......

"تمہیں یقین نہیں آتا! لیکن تمہیں اماں کا حال تو یاد ہوگا۔ ان کی موت تو انکی مرضی کے مطابق ہی آئی تھی۔ جس دن دنیا میں انھیں اپنے لئے کوئی جگہ نظر نہ آئی اسی دن وہ تمام بال بچوں کو چھوڑ چھاڑ کے نہایت بے پروائی کے ساتھ چلی گئیں۔ انسان جب اپنی نجات حاصل کرنا چاہتا ہے، تو پھر اس کو کوئی روک نہیں سکتا۔ میں تمہاری بہن ہوں دادا۔ میں بھی نجات چاہتی ہوں۔ جس دن یہ بندھن ٹوٹیں گے اُس دن اماں سورگ سے مجھے دعائیں دیں گی۔ یہ میں تم سے کہے رکھتی ہوں"۔

اس کے بعد بہت دیر تک دونوں پھر خاموش بیٹھے رہے۔ دفعتاً سائیں سائیں کرتی ہوئی تیز ہوا چلی۔ تپائی پر رکھی ہوئی بسیرا داس کی کتاب کے ورق پھڑپھڑانے لگے۔ باغ سے آتی ہوئی بیلے کے پھولوں کی خوشبو سے کمرہ معطر ہوگیا۔

کمو بولی "یہ نہ سمجھنا کہ ان لوگوں نے جان بوجھ کر مجھے دکھ دیئے ہیں۔ بات یہ ہے کہ میں بنی اس ڈھب سے ہوں، کہ وہ لوگ مجھے سکھ دے ہی نہیں سکتے۔ میں بھی تو ان لوگوں کو کوئی سکھ نہیں دے سکتی۔ جو لوگ انھیں آسانی سے خوش رکھ سکتے ہیں، خواہ مخواہ ان کی جگہ دخل کئے بیٹھے رہنے سے روزانہ ایک نہ ایک مشکل کا سامنا کرنا پڑے گا۔ تو پھر یہ آفت کیوں مول لوں؟ سماج کے سارے الزامات، سارے طعنے، میں خود اپنے سر پر اوڑھ لوں گی۔ ان لوگوں پر کوئی کلنک نہ لگنے دونگی لیکن ان لوگوں کو اپنے وجود سے نجات ضرور دیدوں گی، اور خود بھی نجات حاصل کرلوں گی۔ میں چلی آؤں گی، یہ تم دیکھ لینا۔ جھوٹ بن کر، جھوٹی فضا میں کسی طرح میں رہ نہیں سکتی۔ میں نے ان کے گھرانے کی بڑی بہو ہوں، لیکن اس کے یہ معنی تو نہیں کہ میں کمو نہیں ہو سکتی! دادا تم دیوتاؤں کو نہیں مانتے، میں مانتی ہوں۔ تین مہینے پہلے جتنا مانتی تھی، آج اس سے زیادہ مانتی ہوں۔ آج دن بھر یہی سوچتی رہی ہوں کہ یہ جو چاروں طرف افراتفری ہے، ہنگامہ ہے، اچھائی برائی، سب گڈمڈ

ہورہی ہے تو ساری کائنات فنا کیوں نہیں ہو جاتی ؟ چاروں طرف اندھیرا ہی اندھیرا کیوں نہیں چھا جاتا۔؟ انھیں ہنگاموں میں چاند سورج کے چراغ لئے دُنیا آگے بڑھی جارہی ہے۔ جنّت جہاں پر تھی، وہیں پر ہے۔ دیوتا بھی سب اپنی اپنی جگہ پر ہیں۔ تم سے یہ سب باتیں کرتے مجھے شرم آتی ہے، لیکن آج کے بعد تو پھر کچھ کہنے سننے کا موقعہ ملے گا نہیں۔ اس لئے جو کچھ کہنا ہے، وہ آج کہہ ڈالتی ہوں۔ نہیں تو پھر میرے لئے تم خواہ مخواہ پریشان ہوتے رہو گے۔ میں یہ بات اچھی طرح سمجھ چکی ہوں کہ سب کچھ ہاتھ سے نکل جانے کے بعد بھی، کچھ نہ کچھ باقی رہتا ہے۔ یہی "کچھ نہ کچھ" باقی رہنے والی شئے دیوتا ہیں۔ اگر اس کا یقین نہ ہوتا تو ابھی ابھی تمہارے قدموں پر سر پٹک کر جان دے دیتی۔ اُس جیل خانے میں پھر نہ جاتی۔ دادا۔ اس دنیا میں کم سے کم تم میرے ہو۔ اسی یقین کے سہارے وہ بات میری سمجھ میں آتی ہے"۔ اتنا کہہ کے کرسی سے اُتر کر بھائی کے قدموں پر لوٹ گئی۔ رات بڑھتی گئی۔ بپرا داس جنگلے سے باہر کھلی فضا کو ٹکٹکی باندھے دیکھتا رہا۔

اٹھاونواں باب

دوسرے دن منہ اندھیرے ہی، بپرا داس نے کمو کو بلوا بھیجا۔ کمو آئی تو دیکھا کہ وہ بستر پر بیٹھا ہے ایک اسراج اس کے ہاتھوں میں ہے۔ اور دوسرا اس کے پاؤں کے پاس رکھا ہے۔ کمو سے اس نے کہا "لے ساز اٹھا، ہم دونوں مل کے ایک ساتھ بجائیں"۔ اس وقت تک ہلکا ہلکا اندھیرا باقی تھا۔ ساری رات گذر جانے کے بعد، صبح کی ہوا، ایک ذرا ٹھنڈی ہوکر، اشوک کے پتوں کے درمیان سے سرسراتی چل رہی تھی۔ کوؤں نے کائیں کائیں شروع کر دی تھی۔ دونوں نے مل کر بھیرو راگ کی الاپ شروع کی، بہت ہی گہرے، پرسکون اور درد بھرے سُروں میں۔ ستی کی جدائی کا احساس۔ جب دل بہت بیکل رہنے لگا تو مہادیو جی نے ایک صبح سویرے نور کے تڑکے دھیان لگایا تھا۔ ان دونوں بھائی بہن پر بھی اس وقت ویسے ہی دھیان کی کیفیت طاری تھی۔ بجاتے بجاتے وہ وقت آگیا کہ کرشن چوڑا کی پھولوں سے لدی ڈالیو کے اندر سے صبح کی پہلی نرم کرن پھوٹی۔ باغ کی دیوار کے اوپر سورج دکھائی دیا۔ نوکر چاکر دروازے تک آکر کھڑے کھڑے واپس گئے کمرہ صاف نہ کیا جاسکا۔ دھوپ کمرے کے اندر تک آپہونچی۔ دربان دبے پاؤں آکر اخبار رکھ گیا۔

آخر ساز رکھ کر بپرا داس بولا "کمو تو سمجھتی ہے کہ میرا کوئی دھرم نہیں۔ میرا دھرم

ایسا ہے کہ لفظوں میں بیان کرنا چاہوں، تو غائب ہو جائے۔ اسلئے بیان نہیں کرتا۔ راگ ہی میں اسکا روپ دیکھتا ہوں۔ اسمیں گہرا دکھ اور گہرا سکھ، دونوں ہی ملا ہوا ہے۔ میں اس کو کوئی نام نہیں دے سکتا۔ تو آج چلی جا رہی ہے کمو۔ ممکن ہے پھر کبھی ملاقات ہی نہو۔ اسلئے آج صبح ہی صبح دنیا کے اس تمام بے سرے پن، ساری بد آہنگی، کے اس پار تجھے کچھ دور پہونچانے چلا تھا۔ شکنتلا تو، تُو نے پڑھی ہے نا؟ - جب شکنتلا دشینت کے گھر کی طرف روانہ ہوئی تو کنو اسے کچھ دور تک پہونچا آئے۔ جس دنیا میں وہ اسے پہونچانے چلے تھے، اس دنیا میں دکھ تھے، توہین تھی ذلت تھی۔ لیکن اس کا سفر تو وہیں پر ختم نہ ہوا۔ اُس سے بھی گذر کر، شکنتلا ایک ایسے عالم سکون میں پہونچ گئی جہاں کوئی اضطراب نہ تھا۔

آج صبح کو اسی بھیرو راگ کے پرسکون سُروں کے ذریعہ، میں اپنی روح کی گہرائیوں سے تجھے آشیرباد دے کر اس سکون کمل کی سرحدوں تک پہونچا دینا چاہتا ہوں۔ بھگوان کرے وہی سکون مکمل تیرے ظاہر کو اور تیرے باطن کو، تیرے تمام دکھوں کو، ساری ذلتوں کو، سیلاب کی طرح اپنے اندر غرق کر لے!

کمو کچھ بولی نہیں۔ بیراداس کے قدموں پر سر جھکا کر پرنام کیا۔ اور تھوڑی دیر تک جنگلے کے باہر دیکھتی رہی۔ پھر بولی "دادا تمہارے لئے چائے اور ٹوسٹ تیار کر لاؤں"؟

مدھوسودن نے پنڈتوں کو بلا کر آج صبح دس بجے کی نیک ساعت رخصتی کے لئے ٹھیک کرائی تھی۔ ٹھیک وقت پر زردوزی کام کے بنی ہوئی لال بانات کی گھٹا ٹوپ سے ڈھکی ہوئی پالکی دروازے پر آ لگی۔ ساتھ ساتھ عصا لئے چوبدار برقنداز نوکر چاکر تھے۔ بڑی دھوم دھام سے باجا بجاتے، شور وغل مچاتے کمو کو رخصت کرا کے مرزاپور والے راج محل لے گئے۔ آج وہاں نوبت بج رہی تھی۔ برہمنوں کو بھوجن کرانے اور دان دکشنا دے کر رخصت کرنے کا انتظام تھا۔

مانک بارلی کا پیالہ لئے بیراداس کے کمرے میں آیا۔ آج بیراداس بچھونے پر

لیٹا نہ تھا۔ کھڑکی کے پاس کرسی سرکائے، خاموشی سے بے حس و حرکت بیٹھا تھا۔ بارلی کب آکر رکھ گئی اُسے خبر تک نہ ہوئی۔ نوکر واپس چلا گیا تو لکھیا پشی آئیں پر سبزی کھانا لئے۔ اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر بولیں "بیبو! دن کافی چڑھ چکا بیٹا!"

بسپراداس آہستہ آہستہ کرسی سے اُٹھ کر بچھونے پر آپڑا۔ لکھیا پشی چاہتی تھی، کہ وہ تفصیل کے ساتھ بیان کریں، کہ وہ لوگ کس دھوم دھام سے گھومنے گئے اسی بہانے کچھ دیر، بسپراداس کی یہ گہری خاموشی دیکھ کر وہ کچھ بھی نہ کہہ سکیں۔ ایسا محسوس ہوا کہ بسپراداس کی آنکھوں کے سامنے جیسے ایک اتھاہ خلا ہو۔

بسپراداس نے جب یہ کہا کہ "پشی ذرا کالو کو بھیج دینا" تو ایسا محسوس ہوا کہ جیسے یہ معمولی سا جملہ بھی کسی بڑے پوشیدہ اور گہرے سکوت کی پرچھائیوں سے نکلتی ہوئی صدا ہے۔ پشی کے جسم میں ایک کپکپی سی پیدا ہو گئی۔

کالو آیا، تو بسپرداس نے اس کے ہاتھ میں ایک خط دیا۔ ولایت سے آیا ہوا خط تھا۔ سبودھ نے لکھا تھا کہ بار کے ڈنر میں شریک ہونے سے پہلے وہ ہندوستان واپس آیا تو اسے پھر واپس جانا پڑے گا، اس سے بہتر یہ ہے کہ وہ ڈنر کے بعد ہی ماگھ پھاگن تک وطن واپس آئے۔ یہ فضول خرچ بھی بچ جائے گا۔ اسے یقین تھا کہ جائداد کے جو معاملات ہیں، انھیں اتنے دنوں تک اور ٹال رکھا جا سکتا ہے۔

کالو کا ذرا بھی جی نہ چاہتا تھا کہ آج وہ جائداد کے متعلق ذکر چھیڑ کر بسپراداس کو تکلیف دے۔ بولا: "دادا ابھی تک روپے واپس لینے کی کوئی بات نہیں چھڑی ہے کچھ دن اور احتیاط سے گذار لئے جائیں، کسی سے کچھ کہا سنا نہ جائے، تو جلد ہی کوئی فتنہ نہ اُٹھے گا۔ خیر، جو بھی ہو تم اس کے متعلق کوئی فکر نہ کرو۔"

بسپراداس بولا: "مجھے اب کوئی فکر نہیں کالو! ذرہ برابر بھی نہیں۔"

کالو کو بسپراداس کا کسی فکر میں مبتلا رہنا، ذرا بھی بھلا نہ لگتا تھا۔ مگر اتنی زیادہ

بے فکری اس کو اور بھی اچھی نہ لگتی تھی۔

بیراداس اخبار اُٹھا کر پڑھنے لگا۔ کالو سمجھ گیا کہ اس کے متعلق کوئی گفتگو کرنے کی خواہش بیراداس کو بالکل نہیں۔ اور دِنوں میں تو کالو کام کی بات ختم کرتے ہی چلا جاتا۔ آج وہ خاموش بیٹھا رہا۔ سوچ رہا تھا کہ کوئی اور بات چھیڑ دے۔ بیراداس کی کسی خدمت میں لگ جائے۔ پوچھا: "باہر کی طرف والا یہ جنگلہ بند کردوں؟ دھوپ آرہی ہے۔"

بیراداس نے ہاتھ کے اشارے سے یہ بتادیا کہ ضرورت نہیں۔ کالو پھر بھی بیٹھا ہی رہا۔ دادا کے کمرے میں آج کمو موجود نہ تھی۔ یہ سناٹا اس کے دل پر بھی ایک بوجھ سا معلوم ہو رہا تھا۔ دفعتاً پلنگ کے نیچے سے ٹام کے رونے کی رُندھی رُندھی آواز آئی۔ کمو کو اس نے جاتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ جو کچھ وہ سمجھا تھا، اُسے اچھی طرح سے سمجھا نہ سکتا تھا۔

راہندر ناتھ کے صد سالہ جشن کے موقع پر ساہتیہ اکادمی نے رابندر ناتھ ٹیگور کی منتخب تصنیفات کا اردو ترجمہ شائع کرنے کا انتظام کیا ہے۔ اِس سلسلے میں مندرجہ ذیل تصنیفات شائع ہوں گی۔

۱۔ ایک سو ایک نظمیں ۲۔ اکیس کہانیاں ۳۔ رابندر ناتھ کے تین ناٹک (راجہ، ڈاک گھر اور رکت کربی) ۴۔ گورا (ناول) ۵۔ کلموہی (ناول چوکھیر بالی) ۶۔ سجوگ (یوگا یوگ ناول) ۷۔ رابندر ناتھ کے مضامین دو حصّوں میں (پہلے حصہ میں:۔ فلسفیانہ، مذہبی، سماجی، سیاسی اور اس عہد کے دوسرے موضوعات پر مضامین ہوں گے۔ دوسرے حصّہ میں ادبی موضوعات پر مضامین، یادداشت و تاثرات، سفرنامہ اور خطوط) ۸۔ رابندر ناتھ کا بچوں کا ادب۔

گورو دیو کی تصنیفات کے مستند ترجمہ کے اہم کام میں اکادمی کو اُردو کے بہترین ادیبوں کا تعاون ملا ہے۔ اُمید کی جاتی ہے کہ اکادمی کی یہ کوشش پڑھنے والوں کو گورو دیو کی تصنیفات سے محظوظ اور مستفید ہونے میں مدد دے گی۔ اکادمی کی طرف سے اِن تمام تصنیفات کو دیوناگری رسم الخط میں بھی شائع کیا جا رہا ہے۔ اِن کے علاوہ اکادمی کی طرف سے بچّوں کے لئے رابندر ناتھ کی ایک مختصر سوانح عمری شائع کی جا رہی ہے 'ہمارا شاعر' نام کے اِس کتابچہ کی خاص مصنفہ شریمتی لیلا مجمدار ہیں۔